وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

الاسمآء الحسنٰی

تفسیر وتشریح

خطباتِ بندیالوی

محمد عطاء اللہ بندیالوی

مؤلف

محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر

جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

سرگودھا پاکستان

نام کتاب: خطباتِ بندیالوی جلد نہم

نام مولف: محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر: شعبہ نشرواشاعت جمعیت اشاعت التوحید والسنت سرگودھا

تعداد باراول: 1100

تاریخ اشاعت: ستمبر 2020ء

قیمت ----------

کمپوزنگ وڈیزائننگ: مولانا ابوہریرہ (اُتراء)
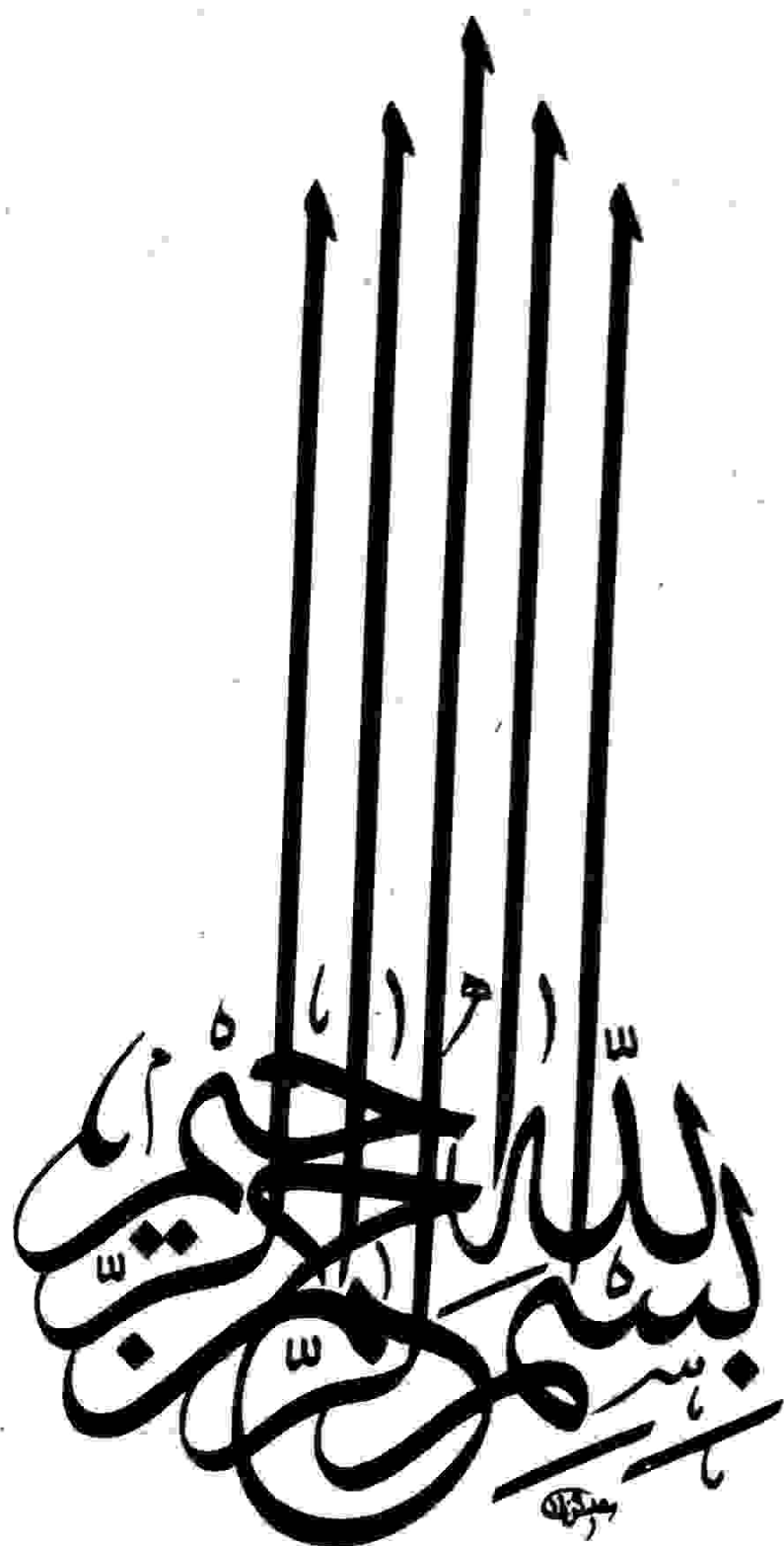
جدة : ۱۲ شوال المکرم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

وَلِلّٰهِ

الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰی

فَادْعُوْهُ

بِهَا ص

انتساب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جنہوں نے ان کے ہاں حاضر ہو کر قرآنی علوم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ مگر ان کے تلامذہ میں ایک ایسی منفرد شخصیت ہے کہ جس نے حدیث نبوی کے جواہر پارے بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔

☆ جو اشاعت التوحید والسنت کے تاحیات مرکزی نائب امیر رہے۔

☆ جن کی تدریسی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کے چند مدرسین کچھ وجوہات کی بنا پر دیوبند سے چلے گئے اور طلبہ ان مدرسین کے علاوہ کسی اور سے پڑھنے پر رضامند نہیں ہو رہے تھے۔۔۔ دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے پنڈی گھیپ تشریف لائے اور انہیں یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھ دیوبند لے گئے کہ دار العلوم کی مسند تدریس آپ کے بغیر سجتی نہیں۔

☆ دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ہزاروں علماء کرام کی موجودگی میں اسٹیج پر جن کی دستار بندی کی گئی۔

☆ جو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور مشکوٰۃ کے شارح ہیں۔۔۔ التبیان جن کی شاہکار تفسیر ہے۔

☆ میں انہیں علم کا پہاڑ کہوں۔۔۔ معلومات دینیہ کا دریا کہوں۔۔۔ مسند تدریس کا بادشاہ کہوں۔۔۔ محدث کبیر کہوں۔۔۔ وقت کا رازی کہوں۔۔۔ دین کا شمس

کہوں۔۔۔

واقعی وہ اسم با مسمّٰی تھے۔۔۔۔۔۔۔ میری مراد۔۔۔۔۔۔۔ میرے حدیث کے استاذ، شیخ التفسیر والحدیث مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

خطبات بندیالوی کی آٹھویں جلد کا انتساب ان کے نام کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

8 ذوالحج 1441ھ

بروز جمعرات 30 جولائی 2020ء

تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ذمہ دار اور سنجیدہ خطیب کو یہ پریشانی لاحق رہتی ہے کہ آنے والے جمعۃ المبارک میں خطبہ کے لیے کس عنوان اور موضوع پر گفتگو کروں۔ موضوع کے تعین کے بعد اس کی تیاری کے لیے بڑی محنت اٹھانا پڑتی ہے، کتب خانے کی سہولت موجود ہو تو مختلف کتب کی ورق گردانی کے بعد۔۔۔ قرآن کی مختلف تفاسیر۔۔۔ احادیث کی کتب اور شروحات اور تاریخ وسیرت کی کتب کے مطالعہ کے بعد کہیں جا کر خطبہ کے لیے مواد مہیا ہوتا ہے۔

کسی عنوان پر تقریر کی تمہید باندھنا سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔۔۔ موضوع کے مطابق دلائل وبراہین کی تلاش۔۔۔ واقعات وتمثیلات کا چناؤ۔۔۔ موقع محل کے مطابق مناسب اشعار کا انتخاب۔۔۔ ان سب کے لیے بڑی تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے۔

مجھے جامع مسجد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خطابت کے فرائض ادا کرتے ہوئے تقریباً پینتالیس سال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے۔۔۔ ان پینتالیس سالوں میں۔۔۔ میں نے ہر جمعہ کے خطبہ کے لیے مکمل تیاری کی ہے۔۔۔ قرآن کی تفاسیر۔۔۔ احادیث نبوی۔۔۔ اقوال صحابہ۔۔۔ غرضیکہ کئی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس موضوع کو سامعین کے کانوں تک پہنچایا۔

عام خطباء کے برعکس میری عادت اور طریقہ کار رہا ہے کہ جمعۃ المبارک کے خطبات کے لیے موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے ایسے وسیع موضوع کا چناؤ کرتا ہوں جسے

کئی خطبات میں قسط وار تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاسکے۔

ان موضوعات میں بعض موضوع ایسے بھی منتخب ہوئے جسے میں نے تین سالوں کے خطبات جمعہ کا موضوع بنائے رکھا۔۔۔اسی عادت کو مدنظر رکھ کر کچھ سال قبل میں نے خطبات جمعہ کے لیے اسماء حسنیٰ کی تشریح وتفسیر کا موضوع تجویز کیا۔۔۔میں نے تقریباً تین سال کے جمعہ کے خطبات میں۔۔۔اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ایک ایک نام پر مفصل گفتگو کی۔۔۔میں سمجھتا ہوں اور تجربہ اس پر شاہد ہے کہ کسی مستقل اور سلسلہ وار موضوع کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جائے تو جمعہ کے سامعین کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسرے جمعہ کا خطبہ سننے کے لیے وہ بڑے ذوق وشوق سے آتے ہیں۔

جمعۃ المبارک کے خطبات میں میرے بیان کیے گئے موضوع اسماء حسنیٰ کی تشریح وتفسیر کا مجموعہ خطباتِ بندیالوی کی آٹھویں اور نویں جلد میں پیش خدمت ہے۔

اللہ رب العزت کے حسین اور روح پرور ناموں میں سے ہر نام کا معنیٰ، مفہوم اور تشریح قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ آپ ان جلدوں میں پڑھیں گے۔

میرا خیال تھا کہ تقریباً ایک صد اسماء حسنیٰ کی تشریح پر مشتمل ایک جلد شائع کریں گے مگر اس عنوان سے جب کام کا آغاز کیا تو وہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا جسے ایک جلد میں سمونا ممکن نہیں رہا۔اس لیے اب خطبات بندیالوی ہشتم کے ساتھ خطبات کی جلد نہم بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دونوں جلدوں میں اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ سے تقریباً ایک سو اٹھائیس ناموں کی تفسیر وتشریح سے آپ مستفید ہوں گے۔

میری یہ کاوش اگرچہ خطبات کے نام سے ہے اور انداز بھی خطیبانہ ہے مگر یہ صرف علماء اور خطباء کے لیے مفید نہیں ہوگی بلکہ عوام الناس بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے کیونکہ میں نے جہاں مقررین ومبلغین کے ذوق کا خیال رکھا ہے وہاں عام لوگوں کے لیے

بھی انتہائی مفید اور معلوماتی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ جسے پڑھ کر وہ اپنے عقائد کی درستگی کا سامان کر سکیں گے۔

اسماء حسنیٰ پر مشتمل خطبات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت ذہن میں رکھیے کہ یہ باقاعدہ اور مستقل تصنیف نہیں ہے جس میں تصنیف وتالیف کی نزاکتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو بلکہ خطبات کی صورت میں ایسا مجموعہ ہے جس میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے لفظی ترجمہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ خطیبانہ رنگ میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔

اسماء حسنیٰ کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے ظاہر بات ہے جگہ جگہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہو گی۔۔۔ آپ اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ میں۔۔۔ اَلشَّهِیْدُ۔۔۔ اَلْعَلِیْمُ۔۔۔ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔۔۔ اَلْقَادِرُ۔۔۔ اَلْقَدِیْرُ۔۔۔ اَلْخَبِیْرُ۔۔۔ اَلْبَصِیْرُ۔۔۔ اور ان جیسے کئی اور ناموں کی تشریح پڑھیں گے تو آپ کو اپنی جماعت کے مسلک کی حقانیت پر عین الیقین ہو جائے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اشاعت التوحید والسنت کے عقائد ونظریات اور مشن سے تعلق رکھنے والے خطباء، مقررین اور طلبہ ایسے خطبات کے متمنی رہتے ہیں جن میں انہیں اپنے مسلک ونظریہ کی اشاعت کے لیے مؤثر اور مدلل مواد مل سکے۔

میں نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق جماعتی احباب کی اس تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ اس کوشش میں، میں کتنا کامیاب ہوا ہوں یہ آپ کی رائے پر منحصر ہے۔

مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ہمارے جماعتی علماء، مقررین، طلبہ اور کارکنان اور ان کے علاوہ وسیع الظرف علماء کرام اور احباب میری اس محنت کو تحسین کی نظر سے دیکھیں گے۔

میری اس کاوش میں جو خوبی اور حسن آپ کو نظر آئے وہ سب میرے پالنہار،

مہربان اور رحیم داتا کی عنایت، کرم اور فضل و رحمت ہے۔۔۔ جس نے اپنی قدرت و مہربانی
سے مجھ جیسے حقیر بلکہ احقر، کم علم اور کم فہم کو اس کی توفیق بخشی۔۔۔ بنی آدم خطا و نسیان اور
غلطیوں کا مجسمہ ہے۔۔۔ آپ کو کسی جگہ تحریر اور کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نظر
آئے۔۔۔ یا کتابت کی غلطی سے کوئی جملہ کچھ سے کچھ بن گیا ہو۔۔۔ تو اس غلطی کو اچھالنے
اور مورد تنقید بنانے کے بجائے اصلاح اور خیر خواہی کے جذبہ سے مجھے مطلع فرمائیں۔۔۔
ان شاء اللہ آپ کی نشاندہی کی قدر کرتے ہوئے دوسرے ایڈیشن میں آپ کے شکریہ کے
ساتھ اس غلطی کی اصلاح کر دی جائے گی۔

اگر میں یہاں ایسے حضرات کا شکریہ کے ساتھ تذکرہ نہ کروں تو ناانصافی ہوگی،
جنہوں نے اس کاوش کو آپ تک پہنچانے میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ جامعہ ضیاء العلوم
کے شیخ الحدیث اور مفتی مولانا محمد آصف مدظلہ نے پروف ریڈنگ کرنے میں بھرپور ساتھ
دیا اور کتاب کا مقدمہ تحریر کر کے اس کی افادیت میں اضافے کا باعث بنے۔

جامعہ ضیاء العلوم کے مدرس مولانا مفتی عبدالباسط صاحب، مولانا رشید احمد صاحب
اور جامع مسجد حنفیہ بلاک 25 کے مدرس مولانا حافظ ضیاء اللہ صاحب نے بھی کتاب کے
اکثر حصے کی پروف ریڈنگ میں میرا ساتھ نبھایا۔

میں خصوصی طور پر ماہنامہ ضیائے توحید کے ناظم دفتر مولانا ابوہریرہ صاحب کا
ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی تمام ترکمپوزنگ اور ڈیزائننگ کی۔ اللہ رب العزت ان
تمام حضرات کو اپنی رحمت سے نوازے۔ آمین

میں قارئین کرام کی خدمت میں بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کروں گا کہ
بیماریوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے مصنف کے لیے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔۔۔
آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو ان شاء اللہ میں خطبات بندیالوی کی دسویں جلد کے
ساتھ آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ ان شاء اللہ

تقدیم وتقریظ

مولانا مفتی محمد آصف صاحب

(شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورت الاعراف:180)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ:199)

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عبد اور معبود، خالق اور مخلوق کا رشتہ اور تعلق مسخ ہو چکا تھا، جہالت و نادانی، اوہام و خرافات کا شکار ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے مکمل ناواقفیت اور بے خبری کا دور دورہ تھا یا اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت موجود تھی تو انتہائی ناقص۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک بنا لیا گیا تھا۔۔۔۔ایک طرف مخلوقات کی بہت سی خصوصیات اور نقائص کے ساتھ اللہ رب العزت کو متصف کیا گیا تھا اور دوسری طرف اس کی بہت ساری صفات خاصہ اور کمالات الوہیت مخلوقات کو عطا کر دی گئی تھیں۔۔۔۔دور جاہلیت کی اکثر گمراہیوں کا سرچشمہ یہی کمزوری تھی۔۔۔۔اور اس کا نتیجہ

شرک جلی۔۔۔قبور پرستی اور بت پرستی کی صورت میں برآمد ہوا۔۔۔پھر جہاں کہیں نبوت کی تعلیمات کے فیض سے کسی درجہ میں معرفتِ صحیحہ اور توحید کا نور پایا جاتا تھا وہاں اس کی تصحیح اور نظم وضبط کا کوئی سامان نہیں تھا۔۔۔نیز عبد ومعبود کے رشتہ کے استحکام اور دوام کی کوئی صورت نہ تھی۔۔۔یہ رشتہ نہایت کمزور۔۔۔بے روح۔۔۔افسردہ بلکہ بے جان ومردہ ہو گیا تھا۔۔۔جس میں یقین کی طاقت تھی نہ محبت کی حرارت۔۔۔نہ عبد ومعبود کا راز ونیاز تھا۔۔۔نہ سازِ دل کا سوز وساز۔۔۔نہ اپنے فقر واحتیاج کا احساس تھا نہ خدا کی صفتِ جود۔۔۔قدرتِ کاملہ اور خزانہ غیب کی وسعت کا علم۔

آسمانی مذاہب سے تعلق رکھنے والی قوموں میں بھی ایسے افراد گنے چنے رہ گئے تھے جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہوں۔۔۔اس کو حاضر وناظر سمجھتے ہوں اور اس سے ایسا زندہ محسوس اور جذباتی تعلق قائم رکھتے ہوں کہ اسی کو اپنا حقیقی کارساز اور مشکل کشا۔۔۔دستگیر اور فریادرس سمجھتے ہوں اور ان کو اللہ کی محبت وشفقت پر ایسا ناز ہو جیسا کہ کم از کم ایک بچے کو اپنی ماں پر یا کسی غلام کو اپنے آقا اور طاقتور بادشاہ پر ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اعجاز یہ ہے کہ ایک طرف تو عبد ومعبود کے رشتہ اور تعلق کو عقیدۂ توحید کے ذریعہ سے صحیح کیا۔۔۔اس کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کیا۔۔۔جاہلیت کے مشرکانہ خیالات وتوہمات کا خاتمہ کیا۔۔۔پھر عقائد۔۔۔عبادات۔۔۔معاملات۔۔۔اخلاقیات۔۔۔اور فرائض واحکام سے اس رشتۂ عبد ومعبود کو منظم کیا۔۔۔دوسری طرف اس تعلق کو ایسا استحکام اور دوام بخشا کہ جن لوگوں کی شان تھی لَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں) ان کی شان یہ ہو گئی اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (کہ وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں) اور جو لوگ صرف سخت مصیبت اور جان کے خطرے کے وقت ہی اللہ کو پکارنے کے عادی تھے وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اور جب دریا کی

طوفانی موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہیں) ان کی شان یہ ہو گئی تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (رات کے وقت بھی ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں اور خوف و امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں)

عبد و معبود کے رشتہ کے استحکام اور دوام کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو ذرائع اختیار کیے ان میں ذکر اللہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے ذکر اللہ کی جس طرح تاکید فرمائی اور اس کے جو فضائل و منافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار و حکم کو واضح کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت۔۔۔ فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ۔۔۔ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے۔

پھر ذکر اللہ رب العزت کے جو صیغے اور الفاظ تلقین فرمائے وہ توحید کی تکمیل کرنے والے، عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے والے، زندگی کو سکینت و سرور سے اور فضا کو برکت اور نورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں۔ اس ذکر میں اگرچہ ہر وہ چیز شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو اور ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد کرنے والا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔

حقیقی معنوں میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے "اللہ" البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن و احادیث میں وارد ہوئے ہیں انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے یہ سارے اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا الآية" اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں بس انہی ناموں سے اللہ کو

پکارو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ملے گی۔ یعنی جن ناموں کے معانی تمام معنوں سے اچھے ہیں وہ اللہ ہی کے نام ہیں۔ اِن سے مراد وہ الفاظ ہیں جو صرف صفات پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اس ذات پر دلالت کرتے ہیں جو ان صفات کمالات کی حامل ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا وسیلہ دے کر دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے، نیز اس آیت میں ایسے لوگوں سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے جو اللہ کے ناموں میں الحاد اختیار کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ہے حق سے مڑ جانا اور جو چیز حق نہیں ہے اُسے حق کی فہرست میں شامل کرنا۔ یہاں ان لوگوں سے مراد مشرک ہیں جنہوں نے اللہ کے ناموں کو اصل مصداق سے موڑ کر اپنے معبودانِ باطلہ اور بتوں کو ان ناموں سے موسوم کر دیا اور ان ناموں میں حروف کی بھی کمی بیشی کر لی جیسے مثلاً اللہ سے اللات، العزیز سے العزّٰی وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ یُلْحِدُوْنَ کا معنی یکذبون سے کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھ دیئے جو اللہ نے اپنے لیے اختیار نہیں کیے نہ کتاب اللہ میں آئے اور نہ ہی احادیث مبارکہ میں ان کا تذکرہ ہے اور نہ ہی اجماع امت سے ثابت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت کے نام توقیفی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کا نام جواد ہے سخی نہیں ہے، عالم ہے عاقل نہیں ہے، رحیم سے رفیق نہیں ہے۔ اسی طرح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ دوسری آیت میں وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کو خادع، ماکر یا مکار نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو خالق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن خَالِقُ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ (بندروں اور

سوروں کے خالق) نہیں کہا جاسکتا۔

مطلب یہ کہ کسی صفت کے موجود ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام خود نہیں بنایا جاسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو صرف انہی ناموں سے پکارا جائے گا جو بطور تعظیم کے قرآن وحدیث میں آئے ہیں اور جہاں صرف تقابلی طور پر آئے ہیں اظہار عظمت مقصود نہیں جیسے وَهُوَ خَادِعُهُمْ یا مَكَرَ اللهُ وغیرہ تو ایسے ناموں سے اللہ کو نہیں پکارا جاسکتا۔

بخاری ومسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا وہ جنت میں جائے گا۔

حضرات علماء کرام کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد قرآن وحدیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا صحیح مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطلب اور مفہوم کو سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا یا دوسرے لفظوں میں مختصر یوں کہا جائے کہ جو بندہ اِن اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مَنْ أَحْصَاهَا کا معنی مَنْ حَفِظَهَا سے کیا ہے اور بعض روایات میں لفظ ہی حَفِظَهَا استعمال ہوا ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے ننانوے نام محفوظ کرلے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کو زیر نظر کتاب خطبات بندیالوی کی جلد ہشتم ونہم میں نہایت تفصیل کے ساتھ دلنشین اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے اور تمام تر تفصیلات کی

بنیاد قرآن کریم۔۔۔صحیح احادیث۔۔۔معتبر شروحات۔۔۔علماء متقدمین کی تحقیقات اور مصنف علام مدظلہ کے اپنے طویل مطالعہ اور تجربہ پر رکھی گئی ہے۔ یہ کتاب محض اسماء حسنیٰ سے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کے ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے بلکہ یہ استاذی مکرم حضرت مولانا علامہ عطاء اللہ بندیالوی صاحب مدظلہ العالی کے صحیح فہم قرآن وحدیث فکر ونظر اور ذوقِ سلیم کا نتیجہ ہے جنہوں نے کامل الفن اساتذہ سے (جن میں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین، مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی اور شیخ التفسیر مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہم اللہ تعالیٰ سرفہرست ہیں) قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا اور پھر سالہا سال ان موضوعات پر درس دیا، فراغت کے بعد سے اب تک دعوت وارشاد اور تحریر وتصنیف کے کام میں مشغول ہیں اور اس طرح انہیں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے ذہن ودماغ، فہم واستعداد اور ان کی ضرورتوں اور الجھنوں سے گہری واقفیت کا موقع ملا اور ”کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ“ (لوگوں سے ان کی عقل واستعداد کے مطابق کلام کیا کرو) کی وصیت پر عمل کرنے کی توفیق ملی۔ پھر ذوقی طور پر اِس موضوع (اللہ رب العزت کی توحید ذات وصفات جن کے اسماء حسنیٰ عنوانات ہیں) کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص مناسبت عطا کی ہے جس کی وجہ سے یہ موضوع آپ کے لیے صرف علمی اور ذہنی نہیں بلکہ ذوقی اور فطری بن گیا ہے۔ ان تمام وجوہ سے آپ کو اس موضوع پر لکھنے کا حق حاصل تھا جس کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بخوبی ادا کیا ہے اور اردو زبان میں اس موضوع پر ایک جامع، مفید، مؤثر اور دلپذیر ذخیرہ تیار ہو گیا۔

پھر اللہ رب العزت نے استاذ محترم کو فیصلہ کن اور جچی تلی بات کرنے اور دوسروں کو سمجھانے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے وہ بھی اس کتاب میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ نیز احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ایسی شائستہ، منصفانہ اور متوازن کلام کی گئی ہے کہ مخالفین

بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اِس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہمارے اسلاف کی جو تحقیقات اور اسرار و معارف عربی زبان میں اور ضخیم کتابوں میں تھے اور اردو دان طبقے سے مکمل چھپے ہوئے تھے اس کتاب نے ان تک رسائی آسان کر دی ہے اور ان تحقیقات میں اس زمانہ کے ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے وہ کسی انصاف پسند سے مخفی نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کتاب کی افادیت اور علمی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مفید کام کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب میں اسماء حسنیٰ کے اسرار و معارف کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے لوگوں کو اپنے عقائد کی اصلاح کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی اور زندہ و تابندہ تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد آصف عفی عنہ

6 ذوالحجہ 1441 ہجری

فہرست

فہرست

فہرست

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (الواقعہ:96)

پس تو اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح کر۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں ارادہ ہے کہ آپ کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک اسم گرامی اَلْعَظِيْمُ کی تشریح وتفسیر بیان کروں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض علماء نے اَلْعَظِيْمُ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے کہا:

اَلَّذِيْ لَا تَكُوْنُ عَظَمَتُهُ بِتَعْظِيْمِ الْأَغْيَارِ

اَلْعَظِيْمُ وہ ہستی ہے جس کی عظمت ذاتی ہے وہ کسی غیر اور خارجی وصف کی بنا پر عظیم نہیں ہے۔

یعنی اس کی عظمت کسی وصف اور صفت کی محتاج اور مرہونِ منت نہیں ہے، وہ خلاقِ عالم ہونے کی وجہ سے عظیم نہیں ہے وہ اگر خالق کائنات نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عظیم ہوتا۔۔۔اسی طرح وہ رازقِ کل ہونے کی وجہ سے عظیم نہیں ہے اگر وہ روزی رساں نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عظیم ہی ہوتا۔۔۔یہی حال باقی اوصاف کا ہے اگرچہ یہ اوصاف اس میں نہ

بھی پائے جاتے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں تب بھی وہ بلاشبہ عظیم ہی ہوتا۔

حقیقی اور لازوال عظمت صرف اسی ذات کے لیے ہے جس کی صفت اَلْعَظِیْمُ ہے۔۔۔ وہ مخلوقات میں سے کئی لوگوں کو مختلف عظمتوں سے نوازتا ہے۔۔۔ اس طرح طرح کی عظمتیں پیدا ہو رہی ہیں۔

کسی کو تاج و تخت اور حکمرانی و بادشاہی کی عظمت عطا کی۔۔۔ کسی کو جاہ و منزلت کی عظمت سے مالا مال کیا۔۔۔ مگر یہ تاج و تخت اور کرسی و اقتدار جب چھن جاتا ہے تو اس کی عظمت بھی ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص بذات خود عظیم نہیں تھا بلکہ اس کی عظمت کسی دوسری چیز (تاج و تخت، کرسی) کی محتاج اور مرہونِ منت تھی۔۔۔ لہٰذا جب تاج و تخت جاتا رہا اور کرسی نیچے سے کھسک گئی اور سلطنت زائل ہو گئی تو اس شخص کی عظمت بھی زائل ہو گئی۔

تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات۔۔۔ عبرتناک واقعات ملتے ہیں کہ وقت کے بلاشرکت بادشاہوں کی سلطنت جب کسی دشمن نے چھین لی تو وہ ذلت و خواری کی زندگی گزار کر بُری موت مر گئے۔۔۔ کئی قید خانوں میں گل سڑ کر مر گئے۔۔۔ کوئی بھی ان کا پُرسانِ حال نہیں تھا۔

مغل سلطنت کا فرمانروا بہادر شاہ ظفر رنگون میں انگریزوں کی قید میں یہ کہتے ہوئے مر گیا:

؎ کتنا بدنصیب ہے ظفر دفن کے لیے دو گز زمین نہ مل سکی کوئے یار میں

پاکستان میں صدارت کے منصب پر فائز سکندر مرزا لندن کے ایک ہوٹل میں منیجری کرتے ہوئے مر گیا۔۔۔ شہنشاہِ ایران رضا شاہ پہلوی ایران سے بھاگا۔۔۔ کوئی ملک اسے پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا آخرکار مصر میں پناہ ملی اور انتہائی کسمپرسی کے عالم میں کینسر کے مرض کا شکار ہو کر مر گیا۔۔۔ شاید آج ایسے لوگوں کی قبروں کا بھی کسی کو علم نہ ہو۔

کسی شاعر نے کتنی مبنی بر حقیقت بات کہی ہے:

؎ غرور تھا نمود تھی ہٹو بچو کی تھی صدا اور آج تم سے کیا کہیں لحد کا بھی پتہ نہیں

اسی طرح جب تک ایک شخص وزیر، بڑا افسر، کمشنر یا ڈی، پی، او، وغیرہ کے عہدوں پر فائز رہتا ہے سب لوگ اس کے آگے پیچھے جار ہے ہوتے ہیں، جھک جھک کے اسے سلام کرتے ہیں، گھنٹوں ان کے گھروں کے دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں مگر جونہی عہدے سے معزول ہوتا ہے اور کرسی نیچے سے سرک جاتی ہے تو پھر انہیں پوچھتا بھی کوئی نہیں کیونکہ ان کی عظمت کرسی اور عہدے کی وجہ سے تھی وہ ختم تو عظمت بھی ختم۔۔۔عظمت چونکہ ذاتی نہیں تھی لہٰذا ختم ہوگئی۔

اسی طرح کسی شخص کو کسی وجہ سے شہرت کی عظمت سے نوازا۔۔۔اور دور تک اس کی شہرت کے جھنڈے گڑھے ہوئے ہیں۔۔۔گھر گھر اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔۔۔لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔۔۔اس کے عزیز واقارب اس کی شہرت پر فخر کرتے ہیں۔۔۔وہ اپنی بستی، شہر کے لیے بھی باعث فخر ہوتا ہے مگر کبھی اس سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جو اس کی شہرت کو ملیامیٹ کر دیتی ہے پھر وہی لوگ جو اسے عزت و تکریم کی نظروں سے دیکھتے تھے اسے ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔۔۔اس کا مذاق اڑاتے اور پھبتیاں کستے ہیں کیونکہ اس کی عظمت ذاتی نہیں تھی بلکہ شہرت کے طفیل تھی جب شہرت زائل ہوگئی تو عظمت بھی ختم ہوگئی۔

اسی طرح کسی شخص کو اس نے مال و دولت، زمینوں، باغات اور فیکٹریوں کی عظمت سے نوازا۔۔۔اس کے نوکر، دوست اور اہل محلہ اس کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتے ہیں۔۔۔مگر جب وہی دولت اور مال اس سے چھن گیا تو دوست واحباب اس سے آنکھیں چرانے لگتے ہیں۔۔۔کوئی سلام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کسی کو علم کی بنا پر عظمت عطا کی۔۔۔لوگ اہل علم کے سامنے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں ان کا احترام کرتے اور عزت کی جگہوں پر بٹھاتے ہیں۔ مگر وہی اہل علم اَرْذَلِ الْعُمر کو پہنچے اور حواس باختہ ہو گئے تو محلے کے بچے بھی ان پر پتھر اچھالنے لگے۔

یاد رکھیے! کسی کو حسب ونسب کی عظمت عطا کی۔۔۔کوئی اپنے مال کی بنا پر عظیم کہلایا۔۔۔کوئی اپنی طاقت وقوت اور پہلوانی کے فن کی وجہ سے عظمت کا مستحق ٹھہرا۔۔۔ کوئی خوبصورت مکان اور بنگلہ کی وجہ سے۔۔۔اور کوئی اپنے زیورات اور حسن وجمال کی وجہ سے۔۔۔کسی کی عظمت دکان سے ہوتی ہے۔۔۔کسی کی فیکٹری سے۔۔۔کسی کی فن سے۔۔۔کسی کی حسن تکلم سے۔۔۔کسی کی شعروشاعری اور تقریر سے۔۔۔اور کسی کی ذہانت وفطانت کی بنا سے۔۔۔مگر یہ تمام کی تمام عظمتیں فانی اور زوال پذیر ہیں اور ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتیں۔۔۔حقیقی عظمت صرف اس کے لیے جو لم یزل اور لایزال ہے۔۔۔ مدوجزر سے پاک عظمت صرف اس اَلْعَظِيْمُ کے لیے ہے کیونکہ وہ ذاتی اور حقیقی عظمت والا ہے۔ وہی اَلْعَظِيْمُ ہے کہ الوہیت ومعبودیت کے بلند وبالا مرتبے کا مالک ہے۔ وہی جو رب العرش العظیم ہے۔ سورت التوبہ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبہ:129)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

سورت النمل میں اللہ رب العزت نے ہدہد اور ملکۂ بلقیس کا تذکرہ فرمایا ہے۔۔۔ہدہد سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں قوم سبا کی سیاسی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ایک عورت ان پر حکمرانی کرتی ہے انہیں ہر قسم کی سہولیات اور ضرورت کی چیزیں میسر ہیں اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔۔۔یہاں عظیم بڑے کے معنی میں ہے جیسے

کفار کے لیے کہا گیا: وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔۔۔ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور مومنین کے لیے فرمایا گیا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح:29)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھا گیا تو فرمایا گیا کہ تم نے ایسی گھناؤنی بات سن کر کیوں نہ کہا:

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (النور:16)

یا اللہ! پاک ذات تو تیری ہے یہ تو بہت بڑا بہتان اور تہمت ہے۔

ہدہد نے بھی ملکہ سبا کے تخت کو عظیم اسی معنی اور مفہوم میں کہا ہے۔ بعض مفسرین نے تو بڑے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ملکہ سبا کے تخت کا طول اسی ہاتھ، عرض چالیس ہاتھ اور اونچائی تین ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے۔۔۔ مگر محققین کا کہنا یہ ہے کہ یمن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی ہوئی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے لمبے چوڑے اور اونچے تخت کے سمانے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی اس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف، مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس ایسا تخت نہیں تھا۔

ہدہد نے دربار سلیمانی میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: أَلَّا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (25) اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (نمل:25_26)

وہ کیوں سجدہ نہ کریں اس اللہ کو جو زمین وآسمان کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے۔(جب یہ صفات صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہیں تو پھر اس کے دعویٰ کو تسلیم کرنا چاہیے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

ہدہد ان الفاظ سے یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ ملکۂ سبا کا تخت شاہی بھی گو بہت بڑا اور قیمتی ہے مگر اسے عرشِ عظیم سے کیا نسبت؟

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حقیقی معنوں میں عظمتوں والا وہی العظیم ہے جو رب العرش العظیم ہے۔

حقیقی عظمت کا مالک وہی ہے جس نے عظیم قرآن کو عظیم نبی پر اتارا ہے۔۔۔ جو لوگوں کو کرب عظیم (بڑی بڑی مصیبتوں) سے نجات عطا فرماتا ہے۔۔۔ جو لوگوں کو ملک عظیم عطا کرنے والا ہے۔۔۔ جو لوگوں کو فوز عظیم (عظیم کامیابی) سے ہمکنار کرنے والا ہے۔۔۔ حقیقی معنوں میں عظمتوں کا مالک صرف وہی العظیم ہے جس نے بہت سی عظیم اور بڑی بڑی چیزوں کو تخلیق کیا ہے جنہیں دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور فہم کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔۔۔ ذرا تمازت سے بھرپور اور آتشیں کرنوں والے سورج کو دیکھئے۔۔۔! ایک نظر ضیا پاشیاں کرنے والے چاند پر ڈالیے۔۔۔! پھر جگمگ جگمگ کرتے ستاروں پر نگاہ ڈالیے۔۔۔! پانی پر بچھی ہوئی زمین کو دیکھیے۔۔۔! زمین پر گاڑی گئی میخیں پہاڑوں پر نظر ڈالیے۔۔۔! بہنے والے اور ٹھاٹھیں مارتے سمندر اور دریا دیکھئے۔۔۔! سروقد درخت دیکھیے۔۔۔! دیوہیکل جانوروں پر نگاہ دوڑائیے۔۔۔! یہ سب اللہ رب تعالیٰ کی صفت عظمت کے مظاہر ہیں۔ ملائکہ وجنات کی تخلیق فرمائی اور اس تمام مخلوقات سے بڑھ کر عظیم۔۔۔ انسان کو بنایا جس کی عظمت کے سامنے ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کہا مشہور مورخ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے العظیم کا مفہوم یوں بیان فرمایا:

اَلَّذِیْ جَاوَزَ قَدْرُہٗ حُدُوْدَ الْعَقْلِ حَتّٰی لَا تُتَصَوَّرُ الْاِحَاطَۃُ بِکُنْہِہٖ وَحَقِیْقَتِہٖ (النہایہ:3/259)

اَلْعَظِیْمُ وہ ہستی ہے جو عقل کی حدود اور رسائی سے بالاتر ہے اس کی حقیقت کا نہ تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ احاطہ ہی ممکن ہے۔

یعنی اَلْعَظِیْمُ وہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں عظیم ہے۔۔۔اس کی سننے کی قوت اور دیکھنے کی طاقت میں وہ عظیم ہے۔۔۔طاقت وقوت اور غلبہ واقتدار میں عظیم ہے وہ اپنے علم میں عظیم ہے۔

اسی حقیقت کو آیت الکرسی کے آخر میں بیان فرمایا:

وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُہُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرہ:255)

اور زمین وآسمان کا تھامنا اس پر بھاری نہیں اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

مشہور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اَلْعَظِیْمُ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ الْمُعَظَّمِ۔۔۔یعنی عظیم یہاں معظم کے معنی میں ہے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ تمام کائنات اس کی تعظیم کرتی ہے اور لوگ بن دیکھے اس سے ڈرتے ہیں۔

سورت الواقعہ کے اختتام پر ارشاد ہوا:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ۔۔۔پاکی بول اپنے رب کے نام کے ساتھ جو عظمتوں والا ہے۔یعنی کہہ کہ عظمتوں والے مولا! تیرا کوئی شریک نہیں۔۔۔تیری ذات جس طرح نقائص وعیوب سے۔۔۔کمزوریوں اور مجبوریوں سے۔۔۔عاجزیوں اور بے بسیوں سے پاک ہے اسی طرح تیری ذات ہر قسم کے شریکوں سے پاک ہے۔۔۔تیری ذات اولاد سے اور بیوی سے اور کنبہ وقبیلہ سے۔۔۔وزیروں، مشیروں اور نائبوں سے پاک ہے۔۔۔جس طرح تو ذات کے اعتبار سے وحدہ لاشریک ہے اسی طرح تو اپنی

صفات کے لحاظ سے بھی شریکوں سے پاک ہے۔

پاکی بول اپنے رب کے نام کی۔۔۔ کہ مولا! جو صفات تیری ہیں خالق ورازق ہونا۔۔۔ مالک وقادر ہونا۔۔۔۔ متصرف ومختار ہونا۔۔۔ عالم الغیب اور حاضر وناظر ہونا۔۔۔ مشکل کشا اور حاجت روا ہونا۔۔۔ مسجود ومعبود ہونا۔۔۔ نذر ونیاز کے لائق ہونا۔۔۔ صحت وبیماری دینے والا ہونا۔۔۔ رہائی عطا کرنے اور اولاد بخشنے والا ہونا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ مولا! تیری یہ صفات میں مخلوق میں سے کسی کے اندر تسلیم نہیں کرتا۔۔۔ میں ذات وصفات کے اعتبار سے تجھے وحدہ لاشریک سمجھتا ہوں۔

امام الانبیاء ﷺ نے نماز کے رکوع میں اسی تسبیح کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ

مجھے رکوع اور سجدہ میں قرآن کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے پس رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ (اللہ کی تعظیم وتسبیح) پڑھا کرو۔ (مسلم:1/191)

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی ہمیشہ نگاہوں کے آگے رہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم ہونے کا یقین اور استحضار ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی چیزوں اور ہستیوں کا رعب اور دبدبہ ہمارے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوگا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے آگے سب چیزیں حقیر ہیں۔

ایک اللہ والا اپنے بیٹے کے ہمراہ ایک بادشاہ کے دربار میں آئے۔۔۔ بیٹے نے دیکھا کہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اور وزراء دست بستہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔۔۔ فوجی افسر مسلح ہو کر پہریدار بنے ہوئے ہیں۔۔۔ نوعمر بیٹے نے اس سے پہلے بادشاہ کا دربار کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔ اس نے یہ کرّ وفر، یہ جاہ وجلال اور شان وشوکت دیکھی تو اس پر رعب اور دہشت طاری ہو گئی جس کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔۔۔ اللہ والے نے بیٹے کو مرعوب ہوتے دیکھا تو زور سے صدا لگائی:

اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ۔۔۔ ہر قسم کی عظمت اللہ عظیم کے لیے ہے۔

بیٹا کہتا ہے جونہی والد گرامی کی یہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں نے اپنے اندر ایک عجیب وغریب قوت محسوس کی۔۔۔ میرے دل سے دربار کی تمام ترہیبت اور رعب زائل ہو گیا اور دربار میں بیٹھے اور کھڑے تمام لوگ مجھے بکریوں کا ریوڑ معلوم ہونے لگے۔

حدیث نبوی سامعین گرامی قدر! میں آخر میں امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حدیث۔۔۔ حدیث قدسی ہے یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت کہتا ہے:

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ قَصَمْتُہٗ وَلَا اُبَالِیْ

کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہہ بند ہے جو شخص ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا اور اس کی پرواہ بھی نہیں کروں گا۔

اگر اللہ رب العزت کسی شخص کو عظمت عطا فرمائے تو اسے اس پر اترانا اور تکبر نہیں کرنا چاہیے بلکہ عاجزی، تواضع اور انکساری کو حرز جان بنانا چاہیے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، آپ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے اور جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں رحمت کا تذکرہ ہے تو توقف کرتے اور اللہ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں عذاب کا ذکر ہے تو توقف کرتے اور اس عذاب سے پناہ مانگتے۔ (ترمذی، مسلم)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَادَ مَرِیْضاً لَمْ یَحْضُرْ اَجَلُہٗ فَقَالَ عِنْدَہٗ سَبْعَ مِرَارٍ اَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ اِلَّا عَافَاہُ اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ الْمَرَضِ

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کے لیے جائے تو اس کے پاس بیٹھ کر یہ دعا سات مرتبہ پڑھے (اَسْاَلُ اللہَ) میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں جو عظمت والا ہے اور بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے اگر ابھی اس مریض کی موت کا وقت نہیں آیا تو اللہ رب العزت اسے اس سے شفا عطا فرمائے گا۔

(ابوداؤد، کتاب الجنائز، ترمذی، کتاب الطب)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بے چینی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عظمتوں والا بردبار ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب اور معزز عرش کا مالک ہے۔(بخاری:2/939)

یہ دعا بخاری میں دُعا الکرب کے نام سے ہے، اس دعا میں دو مرتبہ لفظ عظیم آیا ہے۔ایک جگہ بطور صفت اللہ تعالیٰ کے لیے اور دوسری جگہ عرش کی صفت کے لیے اللہ تعالیٰ خود بھی عظیم ہے اور اس کا عرش بھی عظیم ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (نوح:13)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری اور بڑائی کی امید (عقیدہ) نہیں رکھتے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَا تَعْرِفُوْنَ حَقَّ عَظَمَتِهٖ وَمِنْ عَظَمَتِهٖ اَنْ لَّا تَعْدِلَ بِهٖ شَيْئًا مِنْ خَلْقِهٖ لَا فِي اللَّفْظِ بِحَيْثُ تَقُوْلُ وَاللّٰهِ وَحَيَاتِكَ مَالِيْ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ

وَلَا فِی الْحُبِّ وَالتَّعْظِیْمِ وَالْاِجْلَالِ وَلَا فِی الطَّاعَۃِ (الدرالمنثور:7/516)

تم نے اللہ رب العزت کی عظمت کو کما حقہ نہیں پہچانا (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا) اور اللہ تعالیٰ کی عظمت یہ ہے کہ تم مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی صفت میں برابر نہ کرو نہ ہی الفاظ میں یوں کہو اللہ کی قسم! اور تیری زندگی کی قسم! اسی طرح یوں بھی نہ کہو کہ میرے لیے اللہ اور تیرے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔۔اور یوں بھی نہ کہو کہ وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا اور تو چاہیے گا اور اسی طرح اللہ رب العزت کی عظمت کا یہ حق ہے کہ کسی مخلوق کو محبت، تعظیم، بزرگی اور اطاعت میں اللہ رب العزت کے برابر نہ سمجھا جائے۔

میں اپنے بیان اور خطبہ کو اس ارشادِ نبوی ﷺ پر ختم کرنا چاہتا ہوں جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب الصحیح کے اختتام پر لائے ہیں۔۔۔اس ارشادِ نبی کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے:

كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ

دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں زبان پر خفیف اور ہلکے ہیں (کہ پڑھنے میں دقت ہوتی اور نہ وقت صرف ہوتا ہے) اعمال کے ترازو میں بوجھل اور وزنی ہوں گے اور وہ کلمے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ

اللہ رب العزت کے اسم گرامی العظیم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ عجز و انکساری اور تواضع و خشوع کو حرزِ جان بنائیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ حاضر ہوں۔ دل و دماغ میں اللہ العظیم کی عظمت ہی کو بٹھائے رکھیں اور غیر اللہ کی بڑائی اور برتری کو دل کے قریب بھی نہ آنے دیں۔

• اعلدہ ۱۱۱ السار غم الجسیں

اَلْوَلِیُّ، اَلْوَالِیُ، اَلْمَوْلٰی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران:68)

سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیم کی پیروی کی اور یہ پیغمبر اور جو لوگ ایمان لائے اور مومنوں کا ولی اللہ ہی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الحج:78)

پس تم نماز کو قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو وہی تمہارا مالک وکارساز ہے پس کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک بڑے ہی حسین اور دلنشین نام اَلْمَوْلٰی کی تفسیر وتشریح بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔

اَلْمَوْلٰی سے ملتا جلتا اور ہم معنی ایک نام ہے اَلْوَلِیُّ ---- اور ایک نام ہے

اَلْوَالِیُ۔۔۔قریب قریب تینوں کا مادہ ایک ہے اور تینوں کا معنی ومفہوم بھی ایک ہے۔

اَلْمَوْلٰی اور اَلْوَلِیُّ۔۔۔ وَلَاءٌ (واؤ کی زبر کے ساتھ) سے ہے جس کے معنی قریب کے ہیں، چاہے یہ قرب مکان کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے لحاظ سے یا دین کے اعتبار سے یا صداقت کے اعتبار سے یا نصرت کے لحاظ سے یا اعتقاد کے اعتبار سے۔

کچھ علماء نے وَلَایَۃٌ (واؤ کی زبر کے ساتھ) کا معنی متولی امور کے کیے ہیں اور وِلَایَۃٌ (واؤ کی زیر کے ساتھ) کے معنی نصرت ودوستی کے کیے ہیں۔ مگر بعض علماء نے دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا اور دونوں کے معنی متولی امور یعنی کسی معاملہ کا متولی ہونا۔

ولی اور مولیٰ دونوں فاعل کے معنی میں بھی آتے ہیں بمعنی مُوالی۔۔۔ ولایت کرنے والا اور کبھی یہ دونوں مفعول کا معنی بھی دیتے ہیں یعنی مُوالی۔۔۔ جس کی ولایت کی گئی۔

اللہ رب العزت مُوالی کے معنی میں بندہ کا ولی بھی کہلاتا ہے اور مولیٰ بھی۔۔۔ اور بندے کو اللہ کا ولی کہا جاتا ہے بمعنی مُوالی یعنی جس کی ولایت کی گئی ہو۔

اَلْوَلِیُ۔۔۔ اَلْوَالِیُ۔۔۔ اور اَلْمَوْلٰی۔۔۔ وِلَاءٌ یا وَلَاءٌ سے ہے اور ولاء معنی شدید تعلق اور قرب کے ہیں۔۔۔ وہ تعلق جو دو چیزوں کے درمیان ہو۔۔۔ اس لیے بندے کا اللہ کا ولی ہونا یا اللہ کا بندے کا ولی ہونا اسی شدید تعلق اور قرب پر دلالت کرتا ہے۔

ولی اور مولیٰ کے کئی معنی ہیں۔ محبت۔۔۔ صداقت۔۔۔ قرب۔۔۔ قرابت۔۔۔ ملک۔۔۔ رفیق۔۔۔ دوست۔۔۔ پشت پناہ۔۔۔ سرپرست۔۔۔ مددگار۔۔۔ محبت کرنے والا۔۔۔ بگڑی بنانے والا۔۔۔ آڑے وقت میں کام آنے والا۔

کچھ علماء نے اَلْوَلِیُّ کا معنی کیا ہے اَلنَّاصِرُ۔۔۔ وَهُوَ تَعَالٰی وَلِيُّهُمْ بِاَنْ يَتَوَلّٰى نَصْرَهُمْ وَاِرْشَادَهُمْ كَمَا يَتَوَلّٰى ذٰلِكَ مِنَ الطِّفْلِ وَلِيُّهُ وَهُوَ تَعَالٰى يَتَوَلّٰى يَوْمَ

اَلْقِیَامَۃِ ثَوَابِھِمْ وَجَزَاءِھِمْ

یعنی اللہ رب العزت ہی مومنوں کے ولی (دوست اور مددگار) ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مومنین کی مدد، ان کی خیر خواہی، ان کی بھلائی اور ان کی تمام ضرورتوں کے پورا کرنے کی ذمہ داری خود قبول فرمائی ہے جس طرح ایک معصوم بچے کی بعض ظاہری ضرورتوں کی ذمہ داری عارضی طور پر اس کا سرپرست اٹھالیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کی جزاءوسزا کے متولی ومددگار رہوں گے۔

مشہور حنفی عالم ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اَلْمَوْلٰی کا معنی یوں کرتے ہیں:

اَلْمُحِبُّ لِاَوْلِیَائِہٖ النَّاصِرُ لَھُمْ عَلٰی اَعْدَائِھِمْ (مرقاۃ:92/5)

ولی اور مولیٰ وہ ہستی ہے جو اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرتا ہے۔

مشہور مفسر قرطبی نے الولی کا معنی کرتے ہوئے کہا:

الولی اس مددگار کو کہتے ہیں جو شفقت ومحبت کرنے والا بھی ہو ایسا مددگار جو ہر قسم کی، ہر وقت، ہر جگہ اور ہر موقع پر انفرادی اور اجتماعی مدد کرے اور اس مدد کے ساتھ محبت اور شفقت بھی ہو۔

سامعین گرامی قدر! الولی، المولیٰ اور الوالی کا معنی اور مفہوم میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔اس معنی اور مفہوم کی تائید میں۔۔۔میں قرآن کریم اور حدیث نبوی کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

سورت البقرہ کے آخری رکوع میں اللہ رب العزت نے مومنوں کو کچھ دعائیں سکھائی ہیں۔۔۔ان دعاؤں کے آخر میں ہے:

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (البقرہ:286)

تو ہی ہمارا مالک وکارساز ہے کافروں کی قوم پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔

اس آیت میں مولیٰ۔۔۔مالک، مددگار اور کارساز کے معنی میں ہے۔

سورت الشوریٰ میں ارشاد ہوا:

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الشوریٰ:8)

کیا ان مشرکین نے اللہ کے علاوہ اور کارساز اور مددگار بنا لیے ہیں حقیقت میں تو وہی کارساز اور مددگار ہے (کیونکہ) وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

جب مردوں کو زندہ کرنے کی صفت اسی کی ہے اور ہر ہر چیز پر قادر اور ہر ہر شئی پر قدرت واختیار اسی کا ہے تو پھر کارساز اور مددگار بھی صرف اور صرف وہی ہو سکتا ہے۔۔۔ جن کو مشرکین نے اپنے گمان میں کارساز اور مددگار سمجھ رکھا ہے ان کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہیں ہے وہ پکار سننے کی طاقت اور جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، نہ نفع ونقصان پہنچانے کی ان میں قوت ہے۔ سورت الاعراف کی آیت نمبر 194 میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی پکار تم کرتے ہو وہ بھی تم جیسے ہی بندے ہیں پس تم ان کو پکارو پھر چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں اگر تم سچے ہو (کہ وہ مددگار اور کارساز ہیں)

اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

کیا تمہارے معبودوں (کے ایسے) پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی (ایسی) آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے (ایسے) کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں آپ کہہ دیجیے اپنے شریکوں کو پکارو (بلاؤ) پھر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ذرا مہلت بھی نہ دو۔

مگر تمہاری سازشیں، مکر اور تدبیریں میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (الاعراف:196)

یقیناً میرا مددگار اور کارساز اللہ ہے جس نے (قرآن جیسی) کتاب نازل فرمائی

اور وہی نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

یہ آیات کریمہ جن کا ترجمہ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا۔۔۔۔انہیں سن کر آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ کے سوا مشرکین جن کو مشکل کشا اور کارساز سمجھ کر پکارتے تھے وہ نرے پتھر کے بت نہیں تھے بلکہ عباد امثالکم۔۔۔۔وہ ان ہی کی طرح اللہ کے بندے تھے۔۔۔۔اسی حقیقت کو سورت الکہف میں اس طرح بیان فرمایا:

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ (کہف:102)

کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے (اور میں انہیں عذاب نہیں دوں گا یا ان سے بازپرس نہیں کروں گا)

ایک لمحہ کے لیے رک کر عبادی کے الفاظ پر غور فرمایئے۔۔۔۔ امیرے بندے اور میرے غلام۔۔۔۔ظاہر بات ہے کہ عبادی سے مراد ملائکہ، مسیح، عزیر اور دیگر نیک بندے ہیں جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارا جاتا ہے۔

سورت الرعد کی آیت نمبر 9 اور 10 میں اللہ رب العزت نے اپنے علم کی وسعت اور اپنی کبریائی کو بیان فرمایا۔۔۔۔پھر آیت نمبر 11 میں کہا کہ ہم کسی قوم کو جو نعمت عطا کرتے ہیں اسے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ قوم اپنی عملی حالت کو نہ بدل لے جب وہ اپنی عملی حالت میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی شکر کے بجائے ناشکری کرنے لگتے ہیں تو پھر ہم بھی اپنی نعمتیں واپس لے لیتے ہیں۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد:11)

اور جب اللہ کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے رد کرنے والا کوئی نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی بھی کارساز نہیں ہے۔

سورت الانفال میں ارشاد ہوا کہ کفار کے خلاف لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر کفار باز آجائیں یعنی اسلام قبول کر لیں یا جنگ سے

اپنے ہاتھوں کو روک لیں تو تم بھی انہیں کچھ نہ کہو:

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الانفال:40)

اور اگر وہ روگردانی کریں (یعنی کفر پر قائم رہیں اور تمہاری مخالفت پر کمر بستہ رہیں) تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارا کارساز اور مددگار ہے کیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے ہاں بڑی طویل مدت کے بعد اور بڑی آزمائشوں کے بعد ان کے والدین اور بھائی مصر پہنچے۔۔۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا دل دنیا سے بھر گیا۔۔۔وہ دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ (یوسف.101)

اے میرے پالنہار! تو نے مجھے بادشاہی عطا فرمائی اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا وآخرت میں میرا والی اور کارساز ہے مجھے فرمانبرداری کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا۔

سورت محمد کی آیت نمبر 7 سے لے کر آیت نمبر 10 تک اللہ رب العزت نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اللہ کے دین کی حمایت ونصرت کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ہر میدان میں ثابت قدم رکھے گا اور کفار کے اعمال کو غارت اور برباد کردے گا اور کفار کو دنیا میں بھی سزا دے گا، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اللہ نے انہیں کس طرح ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا، آگے آیت نمبر 11 میں اس کی وجہ بیان فرمائی:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكٰفِرِينَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمد:11)

یہ (مسلمانوں کی حمایت اور کفار کی ہلاکت) اس لیے ہے کہ ایمان والوں کا مددگار اور کارساز خود اللہ ہے اور اس لیے کہ کفار کا کوئی کارساز نہیں ہے۔

حدیث نبوی غزوۂ احد کے موقع پر امام الانبیاء ﷺ نے بھی اپنے ساتھیوں کو اسی طرح کے جملے سکھائے تھے۔ جب کفار کے لشکر کے سالار ابوسفیان نے اس خوشی میں کہ محمد عربی ﷺ شہید ہوگئے ہیں یہ نعرہ بلند آواز سے لگایا:

اُعْلُ ھُبُل، اُعْلُ ھُبُل۔۔۔ ہبل کی جے، ہبل زندہ باد۔۔۔

یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے اور جواب دیجیے کہ یہ ہبل کون ہے؟ جس کو ابوسفیان پکار رہا ہے اور جس کے نام کے وہ نعرے لگا رہا ہے۔۔۔ اکثر لوگ یہی کہیں گے کہ ہبل بت کا نام ہے اور ابوسفیان نے جنگ کے اس موقع پر بت کو پکارا تھا۔ مگر آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ ہابیل ہے سیدنا آدم علیہ السلام کا بیٹا اور دنیا کا پہلا شہید۔۔۔ جسے حسد کی آگ میں جل کر اس کے بھائی قابیل نے قتل کر دیا تھا۔۔۔ یہ پیغمبر زادہ بھی تھا اور دنیا کا پہلا شہید بھی۔۔۔ یہی ہابیل کا نام بدلتے بدلتے مکہ میں ہبل ہو گیا اور مشرکین مصائب وحاجات کے مواقع پر اسے پکارنے لگے۔

ابوسفیان نے غزوۂ احد میں اسی کے نام کا نعرہ لگایا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مشکل کی اس گھڑی میں ہابیل نے ہماری مدد کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شرکیہ نعرے کا جواب یوں دلوایا:

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ

اللہ ہی بلند و بالا اور جاہ و جلال اور بزرگی والا ہے۔

ابوسفیان نے پھر کہا:

لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ

ہماری تو عزیٰ نقیرنی نے مدد کی ہے اور تم عزیٰ کے منکر ہو۔

آپ نے اس نعرے کا جواب دلوایا:

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ

اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (بخاری)

سورت آل عمران میں کہا گیا:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران:68)

مومنوں کا ولی اور مددگار اللہ ہے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْوَلِیُّ کا ایک معنی مُحِب، ہمدرد اور دوست کے بھی آتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں مومنوں کو مومنوں کے ولی کہا گیا اور منافقوں کو منافقوں کا ولی بتایا گیا ہے۔

سورت الدخان میں قیامت کے دن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (الدخان:41)

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

سورت التحریم میں ارشاد ہوا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (تحریم:4)

پس بیشک اللہ اور جبریل اور نیک بخت مومن اس نبی کے دوست ہیں۔

سورت البقرہ میں ارشاد ہوا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:257)

ایمان والوں کا دوست اور کارساز اللہ ہے وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی

کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

ایک جگہ پر ارشاد باری ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:127)

ان (مومنوں) کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے ہاں اور وہی اللہ مومنوں کا دوست ہے بسبب ان کے اعمال کے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ یقیناً اللہ ہی مومنوں کا ہمدرد اور دوست اور محب ہے۔ پھر اسی اللہ سے محبت کرنے کی وجہ سے اور ہر حال میں اسی کی اتباع اور فرمانبرداری کرنے کی بنا پر اللہ کے بندوں کو اولیاء کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:62)

یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ کوئی غم۔

اگلی آیت میں واضح فرمایا کہ اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ ولی اللہ کی صفات کیا ہیں؟

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس:63)

جو ایمان لائے اور رب کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔

ولی اور مولیٰ دوست، محب، رفیق، قرابتی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جس کی قرآن کریم سے میں نے کئی مثالیں پیش کر دی ہیں۔ اسی معنی کو ذہن میں رکھ کر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔۔۔ کو پڑھیے اور دیکھیے۔۔۔ کچھ لوگوں نے امیر المومنین، داماد نبی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل پر اس روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ مگر انصاف سے بتایئے! لغت کے کسی امام نے مولیٰ کا معنی خلیفہ کیا ہے؟ مولیٰ کا معنی مددگار بھی ہے، کارساز بھی، مالک بھی، غلام بھی، سرپرست بھی، پشت پناہ بھی، دوست اور محب بھی۔۔۔ مگر لغت کے کسی امام نے مولیٰ کا معنی امام یا خلیفہ نہیں کیا۔

ذرا دیکھو تو سہی! امام الانبیاء ﷺ نے یہ ارشاد اور یہ الفاظ کب کہے تھے؟ حجۃ الوداع سے واپسی پر جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے حج کرنے تشریف لائے تھے اور یمن کے کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی شکایت کی تھی۔۔۔۔اس موقع پر آپ نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۔۔۔۔ بتایئے یہاں مولیٰ کا کون سا معنی کرنا مناسب ہے؟ یقیناً دوست اور رفیق والا۔۔۔یعنی جس کا میں دوست اس کا علی دوست۔

منفی رنگ اللہ رب العزت نے ایک جگہ پر منفی رنگ اپنایا اور فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (عنکبوت:41)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے (مکڑی گھر بنانے کے لیے باہر سے کوئی چیز نہیں لاتی بلکہ سب کچھ اندر سے نکالتی ہے اسی طرح مشرک و بدعتی بھی اپنے عقیدے کے لیے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں لاتا بلکہ سب کچھ اندر سے نکالتا ہے) اور تمام گھروں میں زیادہ کمزور اور بودا گھر مکڑی ہی کا ہے کاش کہ وہ جان لیتے۔

ایک حدیث یہاں ایک ارشاد نبوی بھی سن لیجیے۔ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

لَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ

کوئی غلام اپنے مالک کو اپنا مولا نہ کہے

فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ

کیونکہ تمہارا مولیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (مسلم)

دنیا میں بھی ہر ایک کا مولیٰ۔۔۔یعنی کارساز اور مختار صرف اللہ ہے اور قیامت

کے دن۔۔۔۔ ھُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ (کہف:44)

وہاں سب اختیار اللہ سچے کے لیے ہے۔کمال ایمان یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کی تولیت میں سپرد کردے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اَلْكَرِيْمُ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (6) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (7) فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ (الانفطار:6.8)

اے انسان! تجھے اپنے کریم رب سے کس چیز نے بہکا دیا جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کیا پھر تجھے درست اور برابر بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑا اور ڈھالا۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں میرا ارادہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ایک حسین نام اَلْكَرِيْمُ کی تفسیر اور تشریح بیان کروں۔ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْكَرِيْمُ کرم سے ہے اور کرم کے معنی ہیں عظمت۔۔۔ شرف۔۔۔ عزت۔۔۔ اور جود و سخا۔۔۔ یقین جانیے کہ کریم ایک ایسا لفظ ہے جس کا مکمل اور پوری طرح کما حقہ ترجمہ کے لیے اردو زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔۔۔ علمائے کرام عوام کو سمجھانے کے لیے اس کا ترجمہ سخی کر دیتے ہیں اور یہ بھی غالباً اس لیے کرتے ہیں کہ سخی انسان عموماً شریف اور معزز شخص ہوتا ہے۔

یاد رکھیے! کریم اسے کہتے ہیں جس میں تمام اخلاق حسنہ، اوصاف جمیلہ اور صفات حمیدہ پائے جائیں اور ظاہر بات ہے کہ یہ خوبیاں سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتیں۔

اہل عرب کریم کی صفات میں کہا کرتے ہیں کہ کریم وہ ہے جو وعدہ کرے تو وفا کرے۔ قدرت کے باوجود قصور معاف کرے، عیب دیکھے تو پردہ پوشی کرے، خطا معلوم کرے تو درگزر سے کام لے، بلاوجہ کسی پر ناراض نہ ہو، بلاوجہ اور بے انصافی سے کسی کو سزا نہ دے۔ بلاشک اللہ رب العزت ان تمام معانی کے اعتبار سے کریم ہے اور وہی حقیقی کرامت کا مالک ہے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اَلْكَرِيْمُ کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

كَثِيْرُ الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ الَّذِيْ لَا يَنْفَدُ عَطَاؤُهُ وَلَا تَفْنٰى خَزَائِنُهُ (مرقاۃ:5/88)

بہت زیادہ سخی اور عطا کرنے والا کہ اس کی عطائیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور اس کے خزانے کبھی فنا نہیں ہوتے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

اَلْكَرِيْمُ الَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ اسْتِحْقَاقٍ وَبِدُوْنِ الْمِنَّةِ (مرقاۃ:3/212)

کریم اس ہستی کو کہتے ہیں جو بغیر استحقاق اور بغیر احسان جتلائے عطا فرماتا ہے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑا ہی خوبصورت معنی کیا ہے:

اَلْكَرِيْمُ الَّذِيْ يُعْطِيْ قَبْلَ السُّؤَالِ

کریم وہ ذات ہے جو مانگنے سے پہلے عطا کرتا ہے۔

اسی معنی کی جانب سورت ابراہیم میں اشارہ کیا گیا۔۔۔۔ارشاد ہوتا ہے:

وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم:34)

اسی اللہ نے تمہیں تمہاری منہ مانگی چیزوں میں سے دیا اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو پوری گن بھی نہ سکو یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معنی کیا ہے کہ جو چیزیں مانگنے کے قابل اور لائق تھیں اللہ اَلْكَرِيْمُ نے وہ چیزیں تمہیں بن مانگے عطا کر دیں۔

کبھی غور تو کرو کہ شکم مادر میں اَلْكَرِيْمُ سے کچھ بھی نہیں مانگا تھا، ہم اسے جانتے بھی نہیں تھے اور ہمیں مانگنا آتا بھی نہیں تھا، نہ ہم بولنے کے قابل تھے، نہ ہاتھ اٹھانے کی طاقت تھی نہ کچھ کہنے کا سلیقہ تھا۔۔۔ مگر اس اَلْكَرِيْمُ نے بن مانگے ہمیں وجود بخشا، خوبصورت اعضاء بنائے، آنکھوں کو قوتِ بصارت اور کانوں کو قوتِ سماعت عطا کی۔۔۔

اسی کو قرآن کریم نے بڑے حسین انداز میں بیان فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۔۔۔۔۔۔۔ میرا دروازہ چھوڑ کے غیر اللہ کے دروازوں کا رخ کرنے والے ناشکرے انسان تجھے تیرے کریم رب سے کس چیز نے فریب خوردہ بنا دیا اور بہکا دیا کہ اسے چھوڑ کر تو غیر اللہ کے دروازوں پر سجدہ ریز ہے اور ان کو پکار رہا ہے۔ اپنی پوری زندگی میں ایک دن اور ایک ساعت اور ایک لمحہ اور ایک وقت تو ایسا بتا کہ تو نے مجھے پکارا ہو اور میں نے تجھے جواب نہ دیا ہو؟

اے ناشکرے انسان! تو بھول گیا ہے کہ ماں کا پیٹ تھا، تین اندھیرے تھے (ماں کے پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس جھلی اور پردے کا اندھیرا جس میں لپیٹ کر ہم تیری تصویریں بنا رہے تھے) اَلَّذِىْ خَلَقَكَ ۔۔۔ اسی کریم نے تجھے بنایا ۔۔۔ فَسَوّٰكَ ۔۔۔ پھر ٹھیک ٹھاک کیا ۔۔۔ فَعَدَلَكَ ۔۔۔ پھر اسی نے تجھے درست اور برابر بنایا ۔۔۔ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کا تناسب دیکھ ۔۔۔ اپنے پاؤں کی بناوٹ دیکھ ۔۔۔ ہونٹوں اور آنکھوں کا تناسب دیکھ ۔۔۔ یہ سب کچھ ہم نے تجھے بن مانگے عطا کیا اور اس وقت عطا کیا جب تو مانگنے، ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کے قابل نہیں تھا ۔۔۔ حیرت اور تعجب ہے کہ

آج جب تو جوان ہوا، طاقت ور اور توانا ہوا، اور مانگنے کے لائق ہوا تو کہتا پھرتا ہے ''اللہ میری سنتا نہیں اور بزرگوں کی موڑتا نہیں''۔۔۔''لہٰذا میری ان کے آگے اور ان کی رب کے آگے'' یہ بزرگ اس وقت کہاں تھے؟ جب ہم تین اندھیروں میں تیری صورت اور شکل بنا رہے تھے اور ماں کا گندا خون ناف کے ذریعہ تیری خوراک بنا رہے تھے۔

اَلْكَرِيْمُ کا یہی معنی معمولی اضافے کے ساتھ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے:

اَلْمُتَفَضِّلُ بِلَا مَسْئَلَةٍ وَلَا وَسِيْلَةٍ (مرقاۃ:5/88)

اَلْكَرِيْمُ وہ ہے جو بن مانگے فضل وکرم کرنے والا ہے اور اس کا فضل طلب کرنے میں بندوں کو کسی وسیلے، واسطے یا سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔

یعنی اَلْكَرِيْمُ وہ ذات ہے جس سے بھلائیاں، خیر، انعامات اور عطیات حاصل کرنا اور اس کے خزانوں سے اپنے دامن کو بھرنا ہر ایک کے لیے انتہائی سہل اور آسان ہے۔۔۔کوئی مالدار ہو یا نادار، غریب ہو یا امیر، حاکم ہو یا محکوم، پیر ہو یا مرید، امام ہو یا مقتدی، نیک ہو یا بد، عورت ہو یا مرد۔۔۔غرضیکہ ہر ایک کی رسائی اس کے در تک بہت آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ اَلْكَرِيْمُ کے دربار میں اپنی ضرورتیں اور حاجات اور عرضیاں پہنچانے کے لیے نہ کوئی وقت مخصوص ہے نہ کوئی جگہ مقرر ہے اور نہ کسی کے واسطے، وسیلے اور طفیل کی ضرورت ہے۔ اسی لیے تو وہ الرحمن اور الرحیم کہلاتا ہے۔ اگر وہ بدکاروں اور گنہگاروں کی نہ سنے اور صرف نیکوکاروں اور صالحین کی سنے تو پھر وہ رحمن کیسا اور پھر وہ رحیم کیسا؟ اس نے خود کہا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ:186)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں

قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے پس لوگوں کو چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

سامعین گرامی قدر! میں بیان کر رہا تھا کہ اَلْكَرِيْمُ اسے کہتے ہیں جو بن مانگے عطا کرتا ہے۔۔۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اَلْكَرِيْمُ سے خلافت ارضی کا مطالبہ نہیں کیا تھا اس نے سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور خلافت ارضی ان کے سپرد کر دی۔

اَلْكَرِيْمُ کا ایک اور معنیٰ علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْكَرِيْمُ کا ایک اور معنیٰ کیا ہے:

اَلْكَرِيْمُ الَّذِيْ يُعْطِيْ بِغَيْرِ سَبَبٍ ۔۔۔۔ کریم وہ ہستی ہے جو بغیر سبب و وسائل کے عطا کرتا ہے۔ اَلَّذِيْ لَا يَحْتَاجُ اِلَى الْوَسِيْلَةِ ۔۔۔۔ اَلْكَرِيْمُ وہ ذات ہے جو اسباب اور وسائل کا پابند اور محتاج نہیں ہے۔

اس کی مرضی اور چاہت ہو تو مریم کو بغیر خاوند کے لڑکا عطا فرما دے حالانکہ اس کا اپنا بنایا ہوا قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ جب تک نر مادہ کا جوڑا امتزاج نہ کرے اس وقت تک اولاد پیدا نہیں ہوتی، مگر وہ اسباب و قواعد اور ضوابط کا پابند اور محتاج نہیں، کبھی کبھی بغیر اسباب و وسائل کے بھی عطا کر دیتا ہے۔ مریم نے جب بیٹے کی بشارت ملنے پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (مریم:20)

میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔

مریم کے تعجب کے جواب میں کہا گیا:

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۔۔۔۔ یونہی (یعنی بغیر مرد کے چھوئے تیری گود ہری کر دوں گا یہی تو میرا کمال ہے) تیرے رب نے کہہ دیا کہ اس طرح بیٹا دینا بھی میرے لیے آسان ہے۔

اَلْکَرِیْمُ نے بغیر وسائل و اسباب کے سیدنا زکریا علیہ السلام کو بانجھ بیوی سے جس کی عمر بھی ننانوے سال تھی سیدنا یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمادیا۔

اَلْکَرِیْمُ کے ایک معنی ہوں گے وہ ہستی جو اپنے بندوں کو ان کی آرزوں، تمناؤں اور چاہت سے زیادہ عطا کرتی ہے۔ یعنی مانگنے سے زیادہ دینے والا۔۔۔۔ بندے اپنے ظرف کے مطابق مانگتے ہیں وہ ضرورت کو مدنظر رکھ کر مانگتے ہیں اور اَلْکَرِیْمُ اپنے کرم و فضل کے مطابق عطا کرتا ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے بیماری سے شفا مانگی تو اَلْکَرِیْمُ نے شفا کے ساتھ جوانی بھی لوٹائی، پہلے سے دگنی اولاد بھی عطا کی اور مال و دولت کے ذخیرے بھی مرحمت فرمائے۔

سیدنا آدم و حوا علیہما السلام نے اپنی مغفرت و بخشش کی درخواست کی مگر اَلْکَرِیْمُ نے اپنی رحمت سے نہ صرف یہ کہ ان کی توبہ کو شرف قبولیت عطا فرمایا بلکہ کہا کہ نو ذوالحج کو عرفات کے میدان میں اولادِ آدم میں سے جو مسلمان بھی گناہوں کی مغفرت طلب کرے گا میں اسے گناہوں سے ایسے پاک کردوں گا گویا کہ اس کی ماں نے اسے آج جنا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی کے آخری ایام میں دو دعائیں مانگا کرتے تھے۔۔۔ ایک یہ کہ اللہ موت شہادت کی دے اور موت بھی مدینۃ الرسول میں آئے۔۔۔ اللہ رب العزت نے ان کی دونوں دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا۔۔۔ موت شہادت کی عطا فرمائی اور مدینۃ النبی کے اندر عطا فرمائی مگر انہیں مانگنے سے زیادہ عطا فرمایا کہ ان کا مدفن اور آخری آرام گاہ امام الانبیاء ﷺ کے پڑوس میں بنادی۔

اَلْکَرِیْمُ کا ایک اور معنی کچھ علماء نے اَلْکَرِیْمُ کو اَلْمُکْرِمُ کے معنی میں لیا ہے یعنی عزت عطا کرنے والا۔۔۔ یقیناً یہ صفت صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ پر فرمایا:

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (آل عمران:26)

تو جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ عزت و عظمت عطا کرنا چاہتا ہے اسے ساری دنیا کے بادشاہ اور وزیر مل کر بھی ذلیل نہیں کر سکتے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے خلاف کس قدر سازشیں ہوئیں، بھائیوں نے حسد کی آگ میں جل کر والد گرامی سے جدا کیا اور کنوئیں میں ڈال دیا..... قافلے والوں نے مصر کے بازار میں کوڑیوں کے بھاؤ غلام بنا کر فروخت کر دیا، زلیخا اور ارباب اقتدار نے سازش کر کے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں دھکیل دیا۔ مگر الکریم اور المکرم نے ہر جگہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو عزتوں اور عظمتوں سے نوازا..... ایک تدبیر کے ذریعہ جیل سے نکالا اور وزارت خزانہ کے تخت پر بٹھا دیا۔

شیخ التفسیر مولانا عبدالغنی جاجروی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی خوبصورت بات فرمائی ہے کہ..... یوسف علیہ السلام کو بھائی بنانا چاہتے تھے بے وطن..... اور قافلے والے زر یعہ ثمن..... مگر اللہ بنانا چاہتا تھا شاہ زمن۔

اللہ رب العزت جسے اس کی شامت اعمال کی وجہ سے ذلت کے گڑھے میں پھینک دے اسے پھر عزت کے مقام پر کوئی بھی نہیں بٹھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (الحج:18)

جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

اَلْکَرِیْمُ کا ایک اور معنی

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْکَرِیْمُ کا ایک بڑا ہی حسین معنی کیا ہے۔

اَلْکَرِیْمُ الَّذِیْ یُعْطِیْ وَیُثْنِیْ

کریم وہ ہستی ہے جو عطا بھی کرتا ہے اور پھر خود تعریف بھی کرتا ہے۔

پھر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنیٰ کی تائید میں قرآن کریم کی ایک آیت کو پیش فرمایا۔۔۔سورت الحجرات میں اللہ رب العزت نے اصحابِ رسول کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے صحابہ کے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی، ایمان کو ان کے دلوں میں کھبا (مزین کر) دیا۔۔۔ کفر، گناہوں اور نافرمانیوں سے ان کے دلوں کو متنفر کر دیا۔۔۔ یہ نعمتیں عطا کر کے آگے ان کی تعریف فرمائی:

أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7) فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً (الحجرات:7.8)

یہی لوگ ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کا اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں کئی جگہوں پر ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے آزمائش کی کئی بھٹیوں کو عبور کیا۔۔۔ مصائب کی آندھیوں کا سامنا کیا۔۔۔ دکھوں اور غموں کا شکار ہوئے۔۔۔ تقریباً اٹھارہ سال تک بیماری میں مبتلا رہے اور بیماری سے پہلے خدمت کرنے والی اولاد اللہ نے واپس لے لی۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے بڑی صبر اور حوصلے سے ہر مصیبت اور ہر دکھ کو جھیلا اور ہمیشہ شاکر و صابر ہی رہے۔ اَلْکَرِیْمُ نے خود صبر جیسی اعلیٰ نعمت انہیں عطا کی اور پھر خود ہی اس کی تعریف و توصیف بھی کی۔

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص:44)

یقیناً ہم نے ایوب کو صابر پایا کیا خوب بندہ تھا بڑا رغبت کرنے والا۔

سامعین گرامی قدر! اَلْکَرِیْمُ وہ ہستی ہے جو کفار اور مسلمانوں سب کو عطا کرتی ہے، اپنوں اور غیروں سب کو دیتی ہے۔ علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

لَا يُبَالِي مَنْ أَعْطَى وَلَا مَنْ يُحْسِنُ كَانَ مُؤْمِنًا أَوْ كَافِرًا أَمُقِرًّا أَوْ جَاحِدًا

اَلْکَرِیْمُ وہ ذات ہے جو بلا تفریق عطا کرتی ہے اور اچھا معاملہ کرتی ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ جس کو عطا کر رہا ہے وہ مومن ہے یا کافر، اس کی وحدانیت والوہیت کا

اقرار کرنے والا ہے یا منکر ہے۔

بلکہ دشمنوں اور غیروں کو بسا اوقات دنیا کی دولت، وقت کی حکمرانی، اولاد کی نعمت، جماعت اور لشکر کا رعب، زمینیں اور باغات اور مال واسباب زیادہ دیتا ہے۔

فرعون اور نمرود کو دیکھیے! ہامان اور قارون پر نظر ڈالیے! شداد اور ابوجہل کی زندگیوں کو دیکھیے! آج بھی مخالفین اسلام کفار کی ظاہری اور معاشی حالت مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔

اللہ رب العزت اَلْكَرِيْمُ ہے اس لیے کہ وہ رسولِ کریم کا بھیجنے والا ہے:

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ (الدخان:17)

اور (فرعونیوں کے ہاں) آیا معزز رسول۔

اللہ رب العزت اَلْكَرِيْمُ ہے کیونکہ وہ قرآن کریم کا نازل کرنے والا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (الواقعہ:77)

بیشک یہ قرآن ہے عزت والا۔

اللہ رب العزت اَلْكَرِيْمُ ہے اس لیے کہ وہ اجر کریم کا عطا فرمانے والا ہے:

وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (الحدید:18)

اور خیرات کرنے والوں کے لیے عزت والا اجر ہے۔

اللہ رب العزت اَلْكَرِيْمُ ہے کیونکہ جواد مطلق اور غنی برحق صرف وہی ہے:

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (النمل:40)

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے تخت آ جانے پر کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے وہ اس کے ذریعہ میری آزمائش کرنا چاہتا ہے کہ میں اس نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری، جو کوئی شکر کرتا ہے تو شکر کرنے کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے) اور جو کوئی

ناشکری کرتا ہے (تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے اللہ کو کیا نقصان؟) بیشک میرا رب بے پرواہ کرم والا ہے۔

حدیث نبوی آخر میں ایک حدیث بھی سن لیجیے تاکہ معاملہ نور علیٰ نور ہو جائے۔۔۔

خلیفہ رابع۔۔۔۔۔۔۔۔داماد نبی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے مجھے یہ کلمات سکھائے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی غم لاحق ہو یا کسی تنگی میں مبتلا ہو جاؤ تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ الْحَلِيْمُ سُبْحَانَهٗ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (نسائی)

اللہ کرم والے اور حوصلے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کی ذات شریکوں سے پاک ہے برکت والی ذات اللہ کی ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی کلمات میت کو تلقین کرتے اور بیماروں پر پڑھ کر دم کرتے تھے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْكَرِيْمُ جب دینے پر آجائے تو بندوں کی توقعات اور امیدوں سے بڑھ کر دیتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ کتنا عطا کیا ہے اور کس کو عطا کیا ہے؟ اَلْكَرِيْمُ وہ ہے جو نہ مانگنے والے سے ناراض ہو جائے اور مانگنے والے کو بھی ضائع نہ ہونے دے بلکہ اسے تمام وسیلوں، واسطوں اور سفارشوں سے مستغنی کر دے۔

اللہ رب العزت کے اس اسم اَلْكَرِيْمُ سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ قدرت وطاقت کے باوجود دوسروں کے قصور اور غلطیوں کو معاف کر دیا کریں اور جب کسی سے وعدہ کریں تو اسے نبھانے کی پوری کوشش کریں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر:15)

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک بڑے دلنشین اور حسین نام اَلْغَنِیُّ کی تفسیر اور تشریح کرنا چاہتا ہوں۔۔۔اللہ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

اَلْغَنِيُّ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ الَّذِيْ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلَى غَيْرِهٖ

کلام عرب میں اَلْغَنِیُّ اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔

وَكَذَالِكَ اللّٰهُ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلَى أَحَدٍ جَلَّ وَتَعَالَى عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

اسی طرح اللہ ہی ایسا غنی ہے جو بلند مرتبے اور بزرگی وشان کی بنا پر اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کے بھی محتاج نہیں ہیں۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔۔۔

سورت الانعام میں بیان فرمایا کہ ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کے سبب درجات عطا ہوں گے۔ اللہ رب العزت بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔۔۔ مگر ایک بات ذہن نشین رہے کہ اللہ بندوں کی عبادت و بندگی کا ضرورت مند اور محتاج نہیں ہے بلکہ

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (الانعام:133)

اور تیرا رب بے پرواہ ہے (لیکن اس شان غنا کے باوجود اپنی مخلوق کے لیے رحمت والا ہے)

سورت آل عمران میں حج کی فرضیت کو بیان فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران:97)

اور اللہ کے لیے ہے ان لوگوں کے ذمے جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں بیت اللہ کا حج کرنا۔

آگے فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران:97)

اور جو کوئی کفر کرے گا (یعنی طاقت کے باوجود حج نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ (نہ صرف اس سے بلکہ) تمام جہانوں کے لوگوں سے بے پرواہ ہے۔

اسی بات کو سورت العنکبوت میں بیان کرتے ہوئے کہا:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (عنکبوت:6)

اور جو بھی (نیک اعمال کے لیے) کوشش کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے کوشش کرتا ہے (ورنہ) اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

سورت البقرہ کی کئی آیات میں صدقہ و خیرات کی فضیلت کو بیان فرمایا گیا، ریاکاری اور نمائش کے لیے مال خرچ کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی، مال خرچ کرنے کے بعد فقیر کو احسان جتلانا یا اسے دکھ دینے سے منع کیا گیا۔ ارشاد ہوا: قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَّمَغْفِرَةٌ

خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَا اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (البقرہ:263)

بھلی بات کہنا (یعنی رقم نہ ہونے کی صورت میں فقیر کو نرم لہجہ میں جواب دینا) اور معاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو (بھلا اللہ کو تمہارے صدقات کی کیا ضرورت ہے؟) اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔

بعض علماء نے اَلْغَنِیُّ کا معنی کیا ہے:

اَلْغَنِیُّ ھُوَ الَّذِیْ اِسْتَغْنٰی عَنِ الْخَلْقِ وَعَنْ نُصْرَتِھِمْ وَتَائِیْدِھِمْ لِمُلْکِہٖ فَلَیْسَتْ بِہٖ حَاجَۃٌ اِلَیْھِمْ وَھُمْ اِلَیْہِ فُقَرَاءُ مُحْتَاجُوْنَ

اَلْغَنِیُّ وہ ہستی ہے جو اپنی مخلوق سے کلی لحاظ سے مستغنی ہو اور مخلوق کی نصرت وتائید سے بھی مستغنی ہو اسے اپنی مخلوق کی ذرہ برابر احتیاج نہ ہو اور ساری مخلوق اس کے دروازے کی سوالی اور محتاج ہو۔

سورت محمد کی آیت نمبر 38 میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے بخل اور کنجوسی سے منع فرمایا اور کہا وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ۔۔۔۔ اور جو شخص بخل اور کنجوسی کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے (یعنی اپنے آپ کو انفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے)

وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (محمد:38)

اور اللہ بے نیاز ہے (اسے تمہارے صدقات وخیرات کی ضرورت نہیں ہے) اور تم فقیر اور محتاج ہو۔

سورت فاطر کی آیت نمبر 9 سے لے کر آیت نمبر 13 تک اللہ رب العزت نے اپنی قدرت وطاقت، غلبہ واختیار اور مالک ومتصرف ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں بادلوں کے ہانکنے کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ مردہ زمین کو زندگی عطا کرنے کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ انسان کی عجیب انداز میں تخلیق کا ذکر فرمایا۔۔۔ پھر اپنے علم کی وسعت وکشادگی کو بیان

فرمایا۔۔۔سمندروں کے ساتھ ساتھ چلانے، ان سے زیور اور گوشت حاصل کرنے کا احسان جتلایا۔۔۔رات اور دن کے نظام کا ذکر فرمایا۔۔۔سورج اور چاند کی تسخیر کا ذکر کر کے فرمایا۔۔۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ۔۔۔ ان صفات کا حامل اللہ ہی تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت اور اسی کا راج ہے۔

رہے تمہارے معبود اور مشکل کشا، وہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر چڑھے ہوئے باریک سے پردے کے بھی مالک نہیں ہیں وہ تمہاری پکاریں سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پھر آیت نمبر 15 میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر:15)

اے لوگو! تم اللہ کے دروازے کے فقیر اور مانگت ہو اور اللہ وہی ہے بے پرواہ اور بے نیاز خوبیوں والا۔

اَلنَّاسُ میں الف لام استغراقی ہے اور یہ عام ہے جس میں عوام وخواص، نیک وبد، بادشاہ اور رعایا، مل اونر اور مزدور، مالک اور مزارع، پیر اور مرید، امام اور مقتدی، انبیاء، اولیاء، اتقیاء، صلحاء، سب آجاتے ہیں وہ سب کے سب اللہ کے در کے محتاج ہیں۔۔۔وہ سب کے سب اللہ کے دروازے کے سوالی اور گدا ہیں۔۔۔وہ سب کے سب اللہ کے دربار کے مانگت اور فقیر ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام کو عرفات کے میدان میں دیکھ! کس کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔۔۔؟ سیدنا نوح علیہ السلام کو دیکھ! کشتی میں سوار ہوتے ہوئے کس کے نام کی دہائی دے رہے تھے۔۔۔؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی ہوئی آگ میں دیکھ۔۔۔! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بحر قلزم کے کنارے پر دیکھ۔۔۔! سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھ! کس کے آگے دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔۔۔؟ سیدنا ایوب علیہ السلام بیماری اور مشکلات میں گھر کے کس کے آگے التجا کناں ہیں۔۔۔؟ سیدنا زکریا علیہ السلام

بڑھاپے میں اولاد کے لیے کس کے دروازے کو کھٹکھٹا رہے ہیں۔۔۔؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کس کو پکارا۔۔۔؟ غارِ ثور میں کائنات کے سردار اور امام الانبیاء ﷺ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے ساتھ کس پر بھروسہ کیا ہے؟

میدانِ بدر میں ساری رات سر سجدے میں رکھ کر اور رو، رو کر کس کے آگے التجا کی ہے؟ اصحاب رسول بشمول سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشکل کی گھڑیوں میں اور دکھ کے مواقع پر کسے پکارتے تھے اور کس سے مانگتے تھے؟ کس کے دروازے پر دستک دیتے تھے اور کس کے دروازے کے مانگت تھے؟ صرف اللہ ہی کو وہ سب پکارتے رہے اور اسی سے مانگتے رہے۔۔۔ پھر اللہ اَلْغَنِیُّ نے سچ کہا ہے نا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر:15)

فقراء جمع فقیر کی ہے۔۔۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ فقیر کا معنی کیا ہے؟ کیا فقیر کا معنی داتا ہے۔۔۔؟ کیا فقیر گنج بخش کو کہتے ہیں۔۔۔؟ یا فقیر مانگنے والے، دامن پھیلانے والے، گدا اور مانگت کو کہتے ہیں۔

حدیث نبوی اسی مضمون سے ملتا جلتا میرے پیارے پیغمبر ﷺ کا ایک فرمان اور ارشاد بھی سن لیجیے۔ مدینہ میں قحط سالی کی شکایت ہوئی، بارشیں بند ہو گئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔۔۔ آپ نے ان الفاظ سے دعا مانگی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ

(ابوداؤد، کتاب الاستسقاء)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنہار ہے بڑا مہربان انتہائی رحم کرنے والا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے

کرتا ہے تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تو بے پرواہ ہے اور بے نیاز ہے اور ہم فقیر اور سوالی ہیں (ان نعمتوں کے مالک) ہم پر بارش برسا۔

یہ دعا کسی کھلے میدان میں مانگی گئی تھی، ابھی آپ مسجد نبوی نہیں پہنچے کہ دعا شرف قبولیت سے سرفراز ہوئی اور بارش برسنے لگی، کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تیزی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے، دیواروں کی اوٹ میں جانے لگے اور تیزی سے چلتے ہوئے پھسلنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر نبی اکرم ﷺ مسکرائے آپ کے وندان مبارک ظاہر ہونے لگے۔۔۔ پھر خیال آیا کہ اتنی جلدی بارش کا برسنا۔۔۔ کہیں اسے میرا کمال نہ سمجھ لیا جائے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے عقیدے خراب نہ ہونے لگیں اس لیے فوراً فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ اللهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنِّیْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ ہر چیز پر قادر صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

دعاءِ نبوی اسی مضمون کی تائید کرتی امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا بھی سن لیجیے، جو آپ نے میدانِ عرفات میں روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے اور عاجزی وزاری کے ساتھ ہاتھ آگے بڑھا بڑھا کر اللہ سے مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِیْ وَتَرٰی مَكَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَا یَخْفٰی عَلَیْكَ شَیْءٌ مِنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِیْنِ

میرے مولا! یقیناً تو میرے کلام کو سنتا ہے اور تو میرے ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے یقیناً تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے میرا کوئی عمل تجھ سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے، میں غم زدہ ہوں، سوالی، فریاد کرنے والا، پناہ مانگنے والا، ڈرنے والا، خوف زدہ اپنے قصور کا اعتراف کرنے والا، مولا میرا سوال ایک مسکین کے سوال کی طرح ہے۔

ھُوَ الْغَنِیُّ قرآن کریم نے کئی جگہوں پر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے اس نجس عقیدے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمارے نبیوں کو بیٹا بنالیا ہے، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے۔۔۔ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح باپ اپنے کچھ اختیار بیٹوں کے حوالے کر دیتا ہے اسی طرح اللہ نے بھی کچھ اختیار ہمارے نبیوں کے حوالے کر دیے ہیں یا جس طرح باپ اپنی اولاد کی بات اور خواہش کو رد نہیں کرتا اسی طرح اللہ بھی نبیوں اور فرشتوں کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (یونس:68)

وہ کہتے ہیں اللہ نے اولاد بنالی۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے اس باطل قول کا رد کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

سُبْحٰنَهٗ ھُوَ الْغَنِیُّ

اللہ اولاد سے پاک ہے (پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اولاد تو سہارے کے لیے ہوتی ہے اور اللہ کسی سہارے کا محتاج نہیں ہے) وہ کسی کا محتاج نہیں ہے (بلکہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

سب اپنے حال میں ہیں احتیاج مند
دل میں کسی کو جان کے حاجت روا نہ مانگ
مانگ اور مانگ مانگ سدا مانگ حق سے مانگ
مت مانگ کچھ نہ مانگ بشر سے ذرا نہ مانگ
مسلمان ایک بات تجھے راز کی کہوں
تو حق سے حق کو مانگ کبھی ماسوا نہ مانگ

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن کریم میں تقریباً اٹھارہ مقام

پر آیا ہے۔ اللہ کے ایک نام اَلْحَمِیْدُ کے ساتھ، دس بات اَلْحَلِیْمُ کے ساتھ، ایک بار ذوالرحمۃ کے ساتھ ایک بات اور تنہا اَلْغَنِیُّ پانچ بار قرآن میں آیا ہے۔

عربی لغت میں غنی کے معنی بے نیاز کے آتے ہیں۔۔۔ پھر یہ لفظ اپنا یہ مفہوم لے کر ایران پہنچا اور وہاں سے ہندو پاک میں آیا تو فارسی اور اردو میں اس کا معنی مالدار اور دولتمند کے ہو گئے (اسی معنی میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ لوگ عثمان غنی کہتے ہیں)

فارسی اور اردو میں دولتمند اور مالدار شخص کے لیے غنی کا لفظ شاید اس لیے استعمال ہونے لگا کہ دولتمند شخص اپنی دولت اور مال کے بل بوتے پر بہت سی چیزوں سے بے نیاز اور بے پرواہ رہتا ہے۔

اسی معنی کی روشنی میں عربی زبان میں حسین اور خوبصورت عورت کو "غانیہ" کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے قدرتی حسن و جمال کی وجہ سے مصنوعی آرائش (میک اپ) سے بے نیاز ہوتی ہے۔۔۔ یا اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کو دوسری عورتوں سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔۔۔ یا اس لیے کہ وہ اپنی ضروریات سے بے پرواہ اور بے نیاز رہتی ہے کیونکہ شوہر خود بخود اس کا خیال رکھتا ہے۔ حقیقت میں غنی کے معنی دولتمند اور مالدار کے نہیں ہیں بلکہ بے نیاز اور بے پرواہ کے ہیں۔ دولتمند اور مالدار شخص کیسے غنی ہو سکتا ہے؟ ایک مالدار شخص کیسے بے نیاز اور بے پرواہ ہو سکتا ہے بلکہ جتنا مال بڑھے گا اتنی ہی احتیاج بھی زیادہ ہو گی۔۔۔ اولاد زیادہ ہو گی تو ضرورتیں بڑھتی جائیں گی اسی لیے کسی نے کہا ہے:

آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند۔۔۔۔۔۔۔ جو غنی ہیں وہ زیادہ محتاج ہیں

امیر آدمی کو کپڑے سلوانے کے لیے روزی کی احتیاج ہے، وہ جوتیوں کے لیے موچی کا محتاج ہے، کپڑوں کی دھلائی کے لیے دھوبی کا، مکان کی تعمیر کے لیے معمار اور مزدوروں کا، دروازوں، کھڑکیوں اور فرنیچر کی تیاری کے لیے ترکھان کا، بالوں کی کٹنگ کے

لیے نائی کا، رنگ وروغن کے لیے کاریگر کا، کار کی مرمت کے لیے مکینک کا اور ڈیسٹر کا، کھانا پکانے کے لیے باورچی کا، سفر کے لیے ڈرائیور کا، علاج ومعالجہ کے لیے ڈاکٹر اور حکیم کا، خدمت کے لیے نوکروں چاکروں کا، ان کے بغیر دنیا کا امیر سے امیر ترین شخص حتی کہ ملک کا حکمران بھی زندگی نہیں گزار سکتا۔

تھوڑا سا آگے بڑھ کے دیکھو اور سوچو! تو بدن کو غذا کی ضرورت ہے اور غذا کو باریک رگوں میں پہنچانے کے لیے پانی کی ضرورت ہے، زمینوں کو بارش کی ضرورت ہے، بادلوں کو ہوا کی ضرورت ہے۔

غرضیکہ ایک انسان کو اپنی زندگی کی سانسیں قائم رکھنے کے لیے دنیا کے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ کی ضرورت اور احتیاج ہے پھر جو شخص اس قدر اور اس حد تک محتاج ہو وہ فقیر نہ کہلائے تو پھر تم ہی بتاؤ اس کا نام رکھا جائے؟ ثابت یہ ہوا کہ ہم سب کے سب اور ہم میں سے ہر ایک محتاج ہے اور غنی صرف اور صرف اللہ ہی اَلْغَنِیُّ ہے۔

جن احمقوں نے کہا تھا۔۔۔اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ۔۔۔اللہ منگتا ہے اور ہم غنی ہیں۔۔۔وہ معرفت سے بے بہرہ اور جاہل لوگ تھے۔ مگر جن خوش نصیب لوگوں نے غنی مطلق۔۔۔اَلْغَنِیُّ کے در پر سر رکھا، اسی کو قادر مطلق مانا، اسی کے در کے فقیر رہے، اسی کے دربار کے سوالی رہے۔۔۔اسی کے آگے جھولیاں پھیلاتے رہے اور اسی کے مانگت رہے۔۔۔اور اپنے آپ کو دنیا سے اور دنیاداروں سے مستغنی رکھا اور غریب، فقیر اور بھوکے رہ کر بھی لوگوں کی نگاہوں میں غنی نظر آئے۔

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرہ:273)

جاہل لوگ (ان فقیروں اور محتاجوں کو) ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں غنی خیال کرتے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں نبی اکرم ﷺ کی ایک دعا بھی سن لیجیے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ

اے اللہ! میں غنی (مالداری) کے فتنہ سے اور فقر کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس دعا میں دولتمندی اور تونگری کے فتنہ سے اور ساتھ ہی فقر، بھوک اور محتاجی کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

یاد رکھیے! دولت دنیا اور اسباب دنیا بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اللہ کی رحمت بھی اور نعمت بھی، بشرطیکہ اسے حلال اور جائز ذرائع سے کمایا جائے اور اسے صحیح مصارف میں خرچ کیا جائے۔

یہ پناہ ایسی دولتمندی اور تونگری سے مانگی گئی ہے جو غلط اور ناجائز ذرائع سے حاصل ہو اور فخر وغرور اور تکبر کا سبب بنے۔ اسی طرح آپ نے فقر کو بھی پسند فرمایا، مگر اس سے مراد ایسا فقر ہے جس کے ساتھ صبر اور قناعت بھی ہو۔

اسی طرح اگر فقر اور محتاجی کے ساتھ صبر اور قناعت نہ ہو اور فقر کو دور کرنے کے لیے ناجائز حربے اور حیلے استعمال کرنے لگے تو ایسے فقر سے آپ نے پناہ مانگی ہے۔

اللہ کے اسم گرامی اَلْغَنِيُّ سے تعلق قائم کرنے والوں کو لازم ہے کہ ہر حالت میں اپنے آپ کو غنی مطلق کے دروازے کا فقیر اور سوالی سمجھے اور تمام دنیا کے لوگوں کو محتاج وگدا سمجھے اور اپنی احتیاجی صرف اسی کے آگے بیان کرے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى (48) وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم:49-48)

اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر بنا دیتا ہے اور وہی شعریٰ (ستارہ) کا مالک ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں اللہ رب العزت کے ایک بڑے ہی خوبصورت اسم گرامی اَلْمُغْنِیُ کی تفسیر بیان کرنے کا ارادہ ہے، اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اَلْمُغْنِیُ کا معنی یوں فرماتے ہیں:

اَلْمُغْنِیُ الَّذِیْ یُغْنِیْ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ بِمَا شَاءَ

اَلْمُغْنِیُ وہ ہستی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جس چیز سے چاہے غنی بنا دے۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ

اَلْمُغْنِیُ وہ ذات ہے جو اپنے پسندیدہ بندوں کو اپنے ماسوا سے ایسا غنی بنا دیتا ہے کہ انہیں اللہ کے سوا کسی اور کی حاجت نہیں رہتی۔

اَلْمُغْنِیُ کا معنی ہوا۔۔۔ بے نیاز اور غنی بنانے والا۔۔۔ کشادگی پیدا کرنے والا۔۔۔ بے پرواہ کر دینے والا۔ قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اللہ رب العزت کی اس صفت کا تذکرہ ہوا ہے۔

سورت النجم کی آیت نمبر 36 اور 37 میں سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے صحیفوں کا تذکرہ ہوا اور پھر اگلی آیتوں میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا جو ان صحیفوں میں درج تھے کہ ان صحیفوں میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ کے دربار میں کوئی شخص دوسرے کے اعمال کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس نے کمایا، وہی اللہ خوشیاں عطا کر کے ہنساتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر کے رلاتا ہے، زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، پانی کے ایک گندے قطرے سے نر اور مادہ وہی تخلیق کرتا ہے، قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے اٹھانا اس کے ذمہ ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى (النجم:48)

اور وہی اللہ غنی کرتا ہے اور خزانہ عطا کرتا ہے۔

اَغْنٰی کا معنی ہے کسی کو اتنی دولت دینا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا اور اس کی تمام ضروریات اور حاجات پوری ہو جاتی ہیں اور اَقْنٰی کا مطلب ہے کسی کو اتنا سرمایہ اور خزانہ عطا کرتا ہے کہ اس کی ضروریات سے بچا رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے سنبھال لیتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

بعض نے اَقْنٰی کے معنی اَفْقَرَ کیے ہیں یعنی اللہ نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا یہ معنی ماقبل کے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ماقبل میں متقابل چیزوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ سے خطاب قرآن کریم کے آخری پارہ میں سورت الضحیٰ معرکۃ الآراء سورت ہے۔ جس میں اللہ رب العزت نے دو قسمیں اٹھا کر آپ پر ہونے

والے تین انعامات کا ذکر فرمایا، نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ بیزار ہوا۔۔۔ یقیناً آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہوگی۔۔۔ عنقریب تیرا رب تجھے اتنے انعام سے نوازے گا کہ تو خوش اور راضی ہو جائے گا۔

پھر اللہ نے ماضی میں ہونے والے تین انعام اور نعمتوں کا ذکر فرمایا۔

کیا آپ یتیم نہیں تھے پھر اللہ نے جگہ عطا فرمائی۔۔۔ پھر اپنے تک پہنچنے کے لیے آپ کو حیران اور سرگردان پایا اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى

اور تجھے تنگدست اور مفلس پایا پھر تونگر اور غنی بنا دیا۔

کیسے غنی فرمایا؟ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجارت میں آپ مضارب ہو گئے (یعنی مال ان کا اور محنت آپ کی) اس میں بہت نفع ہوا، پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی ہو گئی انہوں نے اپنا تمام مال حاضر کر دیا یہ ظاہری اور دنیوی غنا تھا۔

باقی نبی اکرم ﷺ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکتا ہے؟

فَأَغْنٰى کا مطلب ہے اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا۔

غنائے رسول ﷺ نبی اکرم ﷺ کے غناء کی ایک جھلک دیکھیے۔۔۔۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ

امام الانبیاء ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لائے اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھجور کا ایک ڈھیر تھا۔ آپ نے پوچھا۔۔۔ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ۔۔۔ بلال یہ کیا ہے؟ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا: شَيْءٌ ادَّخَرْتُهٗ

لِغَدٍ۔۔۔ کل کے لیے کچھ جمع کیا ہے؟ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: اَمَا تَخْشٰی اَنْ تَرٰی لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کل قیامت کے دن تو اسے جہنم کا دھواں دیکھے۔

پھر آپ نے فرمایا:

اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا (بیہقی: 2/383)

اے بلال! خرچ کر اور صاحب عرش سے تنگدستی کا خوف نہ کر۔

اللہ مومنوں کو غنی کر دے گا اللہ رب العزت نے شرک وکفر کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا، جزیرۃ العرب کا مرکزی مقام مکہ فتح ہو گیا اور يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کی تعبیر لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لی۔۔۔ تب 9 ہجری میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبہ: 28)

مشرک نرے پلید ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

پلیدی سے مراد عقائد کی پلیدی ہے یعنی ان کے قلوب شرک وکفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ سب سے بڑے مقدس مقام اور توحید کے مرکز اور ایمان کے محور میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

حدود حرم میں مشرکین کی آمدورفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ اور خوف لاحق ہوا کہ کفار کے مکہ نہ آنے سے تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان ہو گا اور حج کے موقع پر یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے آتے ہوئے تجارت کا جو سامان یہ لوگ لاتے تھے اور ہم تجارت سے اپنی معیشت اور گذران چلاتے تھے وہ سب ختم ہو جائے گا اور ہم فاقوں مریں گے۔۔۔۔ مکہ اور گردونواح کا علاقہ کوئی زرعی علاقہ تو تھا نہیں، مکہ کے باشندوں کی آمدنی کا واحد ذریعہ

تجارت ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (التوبہ:28)

اور اگر تمہیں بھوک، فقر اور مفلسی کا اندیشہ ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

پھر اللہ نے اپنے وعدے کو پورا فرما دیا اردگرد کے لوگ مسلمان ہو گئے اور وہ تجارت کا مال مکہ مکرمہ لانے لگے، بارشیں خوب برسنے لگیں، پیداوار میں اضافہ ہونے لگا، فتوحات اور غنائم کے دروازے کھل گئے، اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی، اور اللہ نے مسلمانوں کو خوشحال فرما دیا۔۔۔ واقعی وہ اَلْمُغْنِیْ ہے جو لوگوں کو غنی اور بے نیاز بنانے والا ہے۔

ایک اور مقام اسی سے ملتا جلتا ایک اور مقام قرآن کریم میں ملاحظہ فرمائیں۔

سورت النور میں بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لیے کچھ احکام بیان ہوئے مثلاً غضِ بصر، استیذان اور پردہ وغیرہ کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بیوہ عورت اور رنڈوے مردوں کا نکاح کر دیا کرو۔۔۔ اسی طرح لونڈی اور غلام کو اس لائق سمجھو کہ حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح کے بعد مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا نکاح بھی کر دیا کرو۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور:32)

اگر وہ مفلس اور فقیر ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

یعنی محض غربت اور مفلسی اور تنگدستی نکاح میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔۔۔

ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ اَلْمُغْنِیْ ان کی تنگدستی اور مفلسی کو اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے وسعت، غناء اور فراخی میں بدل دے۔

ایک اور مقام سورت النساء کی آیت نمبر 128 میں میاں بیوی پر زور دیا گیا ہے کہ وہ جھگڑے کی صورت میں ہر ممکن کوشش کریں کہ صلح کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ خاص کر کے مردوں سے کہا گیا کہ وہ ایثار کریں اور نیکی کا معاملہ کریں۔

شریعت اسلامیہ ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ نوبت طلاق تک نہ پہنچے۔۔۔ اسلام میں طلاق کو انتہائی ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد)

طلاق حلال تو ہے مگر ایسا حلال ہے جو اللہ کو انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

مگر اس کے باوجود شریعت اسلامیہ نے اس کی اجازت دی ہے اس لیے کہ بعض اوقات حالات ایسے موڑ پر آجاتے ہیں کہ طلاق کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔۔۔ ان حالات میں مرد اور عورت کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔۔۔ ان حالات میں پھر یہ نہ سوچو کہ عورت بے چاری کا کیا بنے گا اور مرد کہاں دھکے کھائے گا۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا (النساء:130)

اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے (فضل کی) وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا (کیونکہ) اللہ ہے ہی بڑی وسعت والا بڑا حکمت والا۔

حدیث نبوی سامعین گرامی قدر! میں نے اللہ رب العزت کی صفت اَلْمُغْنِیُ کے بارے میں قرآن مجید کی کئی آیات آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں۔۔۔ اب ایک حدیث مبارکہ بھی آپ کو سنا دیتا ہوں۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے پیسوں کا سوال کیا تو آپ نے انہیں عطا کر دیا، انہوں نے پھر مانگا تو آپ نے دوبارہ عنایت کر

دیا، وہ مانگتے رہے آپ دیتے رہے حَتّٰی نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ یہاں تک کہ آپ کے پاس جتنا مال تھا وہ ختم ہو گیا۔

پھر آپ نے فرمایا:

مَا یَکُوْنُ عِنْدِیْ مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْکُمْ

دیکھو میرے پاس جو مال و دولت ہو گا وہ میں اسے اٹھا نہیں رکھوں گا مگر جو شخص سوال کرنے اور مانگنے سے بچے گا تو اللہ بھی اسے بچائے گا۔۔۔ وَمَنْ یَّسْتَغْنِ یُغْنِهِ اللّٰهُ۔۔۔ اور جو کوئی (دنیا کے مال و دولت سے) بے پرواہی کرے گا تو اللہ بھی اس کو بے نیاز کر دے گا۔ (بخاری، کتاب الزکوۃ)

دعائے نبوی | سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک غلام آیا جو زر کتابت کی ادائیگی سے عاجز آ گیا تھا اس نے کچھ تعاون اور مدد کی درخواست کی۔۔۔۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھا دوں جو امام الانبیاء ﷺ نے مجھے سکھائے تھے۔۔۔ اگر تیرے اوپر پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہو گا تو بھی اللہ تعالیٰ تیری طرف سے ادا فرما دیں گے۔

اَللّٰهُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

میرے مولا! مجھے حلال مال عطا کر کے حرام سے باز رکھ اور اپنے فضل سے مجھے اپنے علاوہ دوسروں سے بے نیاز کر دے۔ (ترمذی، کتاب الدعوات)

امام الانبیاء ﷺ خود بھی یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ غِنَایَ وَغِنَا مَوْلَایَ

اے اللہ! میں آپ سے اپنی اور اپنے آزاد کردہ غلاموں کے غنا کا سوال کرتا ہوں (مسند احمد: 3/453)

غنائے ظاہری اور غنائے باطنی اللہ رب العزت اَلْمُغْنِیُ ہے کسی کو تو وہ غنائے ظاہری عطا فرماتا ہے کہ اس کے مال و دولت کے ڈھیر، مال کی فراوانی، سونے چاندی کے خزانے سب کچھ ہوتا ہے مگر غنائے باطنی عطا نہیں کرتا۔۔۔ ایسا مالدار ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ہی پکارتا رہتا ہے۔۔۔ روز بروز حرص بڑھتا رہتا ہے پھر مرتے دم تک اس کی پیاس نہیں بجھتی۔

اَلْمُغْنِیُ خوش نصیب لوگوں کو غنائے باطنی عطا فرماتا ہے اور جس کو غنائے باطنی کی دولت سے نوازتا ہے گو وہ بالکل تہی دست اور خالی دامن ہو مگر بادشاہوں کے دلوں سے زیادہ اس کا دل مستغنی ہوتا ہے وہ بھوک اور فقر و فاقہ کے باوجود بھی غنی معلوم ہوتا ہے۔۔۔ جاہل اور نادان اسے غنی ہی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا۔

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرہ:273)

امام الانبیاء ﷺ سے کہا گیا اگر آپ کہیں تو میں آپ کے لیے احد پہاڑ سونے کا بنا دوں۔۔۔ مگر آپ سے بڑھ کر قلبی غنا کس کو حاصل ہوگا۔۔۔ آپ نے عرض کیا مولا! ایک وقت کا کھانا عطا کر اور دوسرے وقت کا نہ دے تاکہ تجھ سے مانگتے ہوئے لذت و سرور حاصل ہو۔ اسی کی جانب رحمت کائنات ﷺ نے ارشارہ فرمایا:

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

ساز و سامان اور اسباب کی زیادتی کا نام غنا نہیں ہے بلکہ اصل غنا تو دل کا غنا ہے۔(بخاری:2/954)

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سامعین گرامی قدر! قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا اسم گرامی اَلصَّبُوْرُ کسی جگہ نہیں آیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور نام اَلشَّکُوْرُ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

شکور کا لفظی معنی بہت شکر کرنے والے کے ہیں۔۔۔ مگر جب اَلشَّکُوْرُ اسم الٰہی کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو پھر معنی ہوں گے شکر قبول کرنے والا۔

اسی طرح صبور کا لفظی معنی، بہت صبر کرنے والا۔ مگر اسماء الٰہی میں اس کا معنی ہوگا تحمل اور ضبط کرنے والا۔ یعنی اپنے دشمنوں کو مبتلائے عذاب کرنے میں ضبط و تحمل، بردباری اور درگزر کرنے والا۔

مشہور مفسر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلصَّبُوْرُ کا معنی کتنا خوبصورت کیا ہے:

اَلَّذِیْ لَا تُزْعِجُهُ كَثْرَةُ الْمَعَاصِیْ اِلٰى كَثْرَةِ الْعُقُوْبَةِ

اَلصَّبُوْرُ وہ ہستی ہے جسے گناہوں کی زیادتی اور کثرت سزا میں زیادتی پر برانگیختہ نہیں کرتی۔

بعض نے کہا ہے کہ

اَلصَّبُوْرُ الَّذِیْ اِذَا قَابَلْتَهُ بِالْجَفَاءِ قَابَلَكَ بِالْعَطِیَّةِ وَالْوَفَاءِ

اَلصَّبُوْرُ وہ ہستی ہے کہ اگر تم اس کے سامنے ظلم اور زیادتی کر کے بھی جاؤ گے تب بھی وہ تمہارا استقبال بخشش وعطا سے کرے گا۔

وَاِذَا عَرَضْتَ بِالْعِصْيَانِ اَقْبَلَ اِلَيْكَ بِالْغُفْرَانِ

اَلصَّبُوْرُ وہ ذات ہے کہ اگر تم نافرمانیاں اور گناہ کر کے اس سے روگردانی اور اعراض کرو گے تب بھی وہ مغفرت اور بخشش کے ساتھ تمہاری طرف بڑھے گا۔

بعض علماء نے اَلصَّبُوْرُ کا معنی یوں کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ لَا يُعَاجِلُ الْعُصَاةَ بِالْاِنْتِقَامِ مِنْهُمْ بَلْ يُؤَخِّرُ ذَالِكَ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى وَيُمْهِلُهُمْ لِوَقْتٍ معلوم

اَلصَّبُوْرُ وہ ذات ہے جو گنہگاروں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وقت مقررہ تک انہیں مہلت دیے رکھتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت کی صفت حلیم اور صبور تقریباً دونوں کا معنی اور مفہوم ایک ہی ہے مگر ایک نفیس سا فرق دونوں میں موجود ہے کہ صفت صبور میں نافرمانوں کو مہلت کی اتنی گنجائش نہیں ہے جتنی گنجائش صفت حلیم میں پائی جاتی ہے۔

بلاشک اللہ رب العزت اَلصَّبُوْرُ ہے جو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، تحمل اور برداشت سے کام لیتا ہے ورنہ ہم اس قابل کہاں کہ ہمارا ناپاک وجود سطح زمین کو ناپاک کرتا رہے۔

سطح زمین پر ہر روز، ہر آن اور ہر گھڑی اتنے گھناؤنے اور مکروہ مظالم ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ہر روز کی اخباریں ظلم کی داستانیں سناتی رہتی ہیں۔۔۔ یتیموں پر۔۔۔ ناداروں پر۔۔۔ غریبوں پر۔۔۔ مسکینوں پر۔۔۔ اور کمزوروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ بیٹا اپنے حقیقی والد کو قتل کر رہا ہے۔۔۔ بھائی سگے بھائی کا گردن زدنی بنا ہوا ہے۔

عورتوں کی عصمت دریاں ہو رہی ہیں۔۔۔ معصوم بچیوں کی عزت تک سے کھیلا جاتا ہے۔۔۔ معصوم اور پھول جیسے بچوں کو درندگی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔۔۔ رشوت کا بازار گرم سے گرم تر ہو رہا ہے۔۔۔ اور سودی کاروبار اپنے عروج پر ہے۔۔۔ کم تولنا اور کم ماپنا ہنر کہلاتا ہے۔۔۔ دھوکہ دہی ہوشیاری کہلاتی ہے۔۔۔ جھوٹ بولنا دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔۔۔ بہتان تراشی عام ہے۔۔۔ اللہ کی حدود کو توڑا جا رہا ہے۔۔۔ احکام الٰہی سے بغاوت ہو رہی ہے۔۔۔ اسلام کے ارکان پر عمل پیرا ہونے والے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔۔۔ حقوق اللہ میں کوتاہی ہو رہی ہے۔۔۔ اور حقوق العباد پامال ہو رہے ہیں۔۔۔ مگر حیرت اور تعجب ہے کہ باوجود جبار وقہار ہونے کے۔۔۔ باوجود عزیز وغالب ہونے کے۔۔۔ باوجود قادر قدیر اور مقتدر ہونے کے۔۔۔ باوجود عزیز ذوانتقام ہونے کے وہ غصے اور غضب میں نہیں آتا۔۔۔ ظالم اور نافرمانوں کے گرد گھیرا تنگ نہیں کرتا۔۔۔ ان کی روزی بند نہیں کرتا۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایک صفت الصَّبُوْرُ بھی ہے جو ضبط وتحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے نافرمانوں کو ایک وقت مقررہ تک مہلت اور ڈھیل دیتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی سَمِعَهٗ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنَّهٗ يَدْعُوْنَ لَهٗ وَلَدًا ثُمَّ يُعَافِيْهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ (بخاری، کتاب التوحید)

اللہ سے بڑھ کر اس برائی اور اذیت پر جو سنی جائے صبر کرنے والا اور کوئی نہیں (باوجود ہر طرح کی قوت اور طاقت رکھنے کے) لوگ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں اور اس کی اولاد مقرر کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کو تندرستی اور رزق دیتا ہے۔

صبر کا حکم | اللہ رب العزت الصَّبُوْرُ ہے یعنی حوصلے والا۔۔۔ تحمل والا۔۔۔ ضبط وصبر والا۔۔۔ برداشت کرنے والا۔۔۔ نافرمانوں کو بھی برداشت کرنے والا۔

وہ اَلصَّبُوْرُ اپنی مخلوق کو بھی ایسے ہی ضبط وصبر اور برداشت کا حکم دیتا ہے۔۔۔وہ اپنے بندوں کے لیے صبر وبرداشت کو پسند کرتا ہے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبریاں بھی دیتا ہے اوران کے لیے بیش قیمت انعامات کے وعدے بھی کرتا ہے۔

سورت البقرہ میں تحویل قبلہ کی بحث کے بعد مومنوں کو صبر کی تلقین فرمائی گئی کہ تم نے بیت المقدس سے رخ موڑ کر بیت اللہ کی جانب کرلیا ہے۔۔۔اب یہود پہلے سے بڑھ کر تمہیں ستائیں گے اور زبانی اور جسمانی ایذاء پہنچائیں گے لہٰذا تم نے ہر حالت میں صبر کے دامن کو تھام کر رکھنا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرہ:153)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ (اللہ سے) مدد مانگو یقیناً اللہ (کی مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے بعد آیت نمبر 155 میں فرمایا کہ تم نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے اور تم میری محبت کا دم بھرتے ہو۔۔۔تو میں بھی تمہیں پرکھ کے دیکھوں گا، تمہارا امتحان لوں گا، تمہیں ٹھونک بجا کر دیکھوں گا کہ تم ایمان اور محبت الٰہی کے دعوے میں کس قدر سچے ہو؟ میں تمہاری آزمائش کروں گا دشمن کا ڈر دے کر۔۔۔ بھوک پیاس کے ذریعہ۔۔۔ مالوں، جانوں اور پھلوں کے ذریعہ۔۔۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔۔۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ یہ صبر کرنے والے کون ہیں؟ اسے بھی رب العزت نے خود بیان فرما دیا ہے۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرہ:156)

انہیں جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو بول اٹھتے ہیں ہم خود اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! مصیبت کے وقت جو جملے اور حسین کلمات اللہ رب العزت نے سکھائے ہیں یہ اتنے جامع اور اعلیٰ کلمات ہیں کہ سمجھ کر پڑھا جائے تو آدھا غم اور تکلیف تو اسی وقت دور ہو جاتی ہے۔ کسی کے مرنے پر یا مال وزمین اور گھر بار میں نقصان ہونے پر۔۔۔ غم اس لیے ہوتا ہے کہ میرا نقصان ہو گیا۔۔۔ میرا والد اور میرا بھائی اور میرا بیٹا دنیا سے چلا گیا۔۔۔ میری دکان جل گئی۔۔۔ میرا زیور چوری ہو گیا۔۔۔ میری فصل برباد ہو گئی۔

اس جملے نے بتایا کہ کوئی چیز بھی تیری نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔۔۔ اِنَّا لِلّٰهِ۔۔۔ ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں۔۔۔ میں بھی اور میرا باپ بھی۔۔۔ میں بھی اور میرا بیٹا بھی۔۔۔ میں بھی اور میری زمین بھی۔۔۔ میں بھی اور میرا مال بھی سب کچھ اللہ رب العزت کا ہے۔

آج میرا والد چلا گیا۔۔۔ میرا عزیز مر گیا تو یہ یہ جدائی کوئی لمبی جدائی نہیں ہے بلکہ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہم نے بھی کل مر کے اللہ کے حضور پہنچ جانا ہے۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا بہت خوبصورت، دلربا اور ایمان افروز مفہوم بیان فرمایا کہ ہم سب اللہ کے ہیں اور یہ مصیبت اور دکھ اور غم کے لمحات جو ہم پر آئے ہیں، ان مصائب ومشکلات میں ہم غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ رجوع کرتے ہیں تو صرف اللہ رب العزت کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں صبر کرنے والوں کو بڑی خوشخبری سنائی: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ:157)

یہی (صبر کرنے والے) لوگ ہیں جن پر اللہ کی عنایات اور مہربانیاں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

صابرین کی تعریف یہود نے تحویل قبلہ کے حکم پر اچھا خاصا طوفان بدتمیزی بپا کیا تھا۔ وہ لوگوں کو مختلف باتیں کر کے اسلام سے برگشتہ کرنے کی مذموم کوششیں کرتے تھے۔۔۔ اللہ رب العزت نے سورت البقرہ میں تحویل قبلہ کی بحث کے اختتام پر فرمایا کہ نیکی صرف اس میں محدود نہیں ہے کہ عبادت کے وقت اپنے چہرے مشرق کی طرف کرنے ہیں یا مغرب کی جانب موڑنے ہیں بلکہ بڑا نیک تو وہ آدمی ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، تمام آسمانی کتابوں پر اور اللہ کے تمام نبیوں پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہے۔

اور اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر رشتے داروں۔۔۔ یتیموں۔۔۔ مسکینوں۔۔۔ مسافروں۔۔۔ سائلین۔۔۔ اور غلام آزاد کرنے میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ نماز کو قائم رکھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور وعدوں کا پابند ہے۔

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ (البقرہ:177)

تنگدستی، دکھ، درد اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے۔

اَلْبَاْسَآءِ سے مراد فقر اور بھوک و تنگدستی ہے اور الضَّرَّآءِ سے مراد بیماری، اور دکھ درد ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ:177)

یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کو صبر کا حکم قرآن کریم میں کئی مقامات پر امام الانبیاء ﷺ کو صبر کا حکم اور تلقین فرمائی ہے۔ سورت النحل کے آخر میں فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ (النحل:127)

آپ (کفار کی ایذاء پر) صبر کریں اور بغیر اللہ کی توفیق کے آپ صبر کر بھی نہیں سکتے اور آپ (مشرکین کے حال پر) رنجیدہ نہ ہوں۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:35)

میرے پیغمبر! آپ صبر کریں جیسے آپ سے پہلے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

بنی اسرائیل کو حکم فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حکم جاری کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کر دیا جائے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اللہ نے ایک عجیب تدبیر کی اور موسیٰ کو فرعون کے گھر میں پرورش کے لیے پہنچا دیا۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور وہ فرعون کے دربار میں نعرۂ تکبیر لگانے پہنچ گئے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں سے خوف زدہ ہو کر ایک مرتبہ پھر فرعون نے حکم جاری کیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔

بنی اسرائیل یہ حکم سن کر پریشان ہوئے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعونیوں کے ظلم وستم کا شکار تھے اور آپ کے پیغمبر بن کر آنے کے بعد بھی ہم فرعونیوں کے مظالم کا شکار ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا:

اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا (الاعراف:128)

اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

پھر اللہ نے فرعونیوں کو مختلف عذابوں میں پکڑا اور آخر کار بنی اسرائیل کی نظروں کے سامنے انہیں ذلت کے ساتھ غرقِ دریا کر دیا۔ بنی اسرائیل کو عمالقہ قوم کے مقابلے میں فتح عطا فرمائی اور ملک شام اور ارضِ فلسطین ان کے حوالے کر دیئے۔۔۔ ان انعامات

کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف:137)

اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے پورا ہو گیا۔

یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ وعدۂ الٰہی کا ایفاء۔۔۔ اور فرعون کی ذلت وخواری اور۔۔۔ بنی اسرائیل کی برتری کی وجہ بتائی گئی بِمَا صَبَرُوْا۔۔۔ کہ انہوں نے فرعونیوں کے مظالم اور مصائب پر صبر سے کام لیا۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا صبر برادران یوسف نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگایا اور رات کے وقت روتے ہوئے گھر آئے اور کہا یوسف کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کرتہ دیکھا تو وہ کہیں سے بھی پھٹا ہوا نہیں تھا فوراً سمجھ گئے کہ بیٹوں نے کوئی سازش کی ہے۔ فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (یوسف:18)

بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنائی ہے اب صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔

صبر جمیل کیا ہے؟ صبر جمیل کا مطلب ہے نہ کسی غیر کے سامنے شکوہ ہوگا اور نہ تم سے انتقام کی کوشش ہوگی صرف اپنے پروردگار کے دربار میں درخواست کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور غیبی مدد سے تمہاری سازش اور تدبیر کو بے نقاب کردے اور جو باتیں تم بیان کر رہے ہو ان کی اصل حقیقت اس طرح آشکارا کردے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کی تعریف سیدنا ایوب علیہ السلام کئی سال بیماری میں مبتلا رہے۔ بیٹے اور بیٹیاں بیماری سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ مال واسباب برباد ہو گیا۔۔۔ مگر انہوں نے صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اللہ رب العزت نے انہیں صحت وجوانی بھی لٹادی اور مال ومتاع بھی پہلے سے زیادہ عطا فرمایا اور خود تعریف فرمائی:

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص:44)

ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا بہت خوب بندہ تھا اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔

صبر کا مفہوم کیا ہے؟ لغت میں صبر کے معنی حبس وامساک کے ہیں۔ یعنی نفس کو روکنا اور اس پر قابو پانا۔ لغت کے مشہور امام راغب نے کہا ہے:

اَلصَّبْرُ الْاِمْسَاكُ فِيْ ضَيْقٍ

تنگی کی حالت میں اپنے آپ کو روکے رکھنا۔

اور اصطلاحِ شریعت میں صبر کا مفہوم ہے: نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دینا اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالنا۔ (مفردات)

یاد رکھیے! صبر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔۔۔ مثلاً بھوک کے وقت نڈھال ہو جانا۔۔۔ درد کی شدت سے کراہنا۔۔۔ رنج اور غم کے وقت ٹھنڈی سانس لینا۔۔۔ عزیزوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا۔۔۔ ان میں سے کوئی چیز بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں ہے۔۔۔ شریعت نے جو صبر کا حکم دیا ہے اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات اور مصائب کی آندھیوں کے وقت گھبرانہ جاؤ، ثابت قدم رہو، دل قابو میں رکھو اور شریعت کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔

ہمارے ہاں عام طور پر صبر کا مفہوم انتہائی محدود ہو گیا ہے۔۔۔یعنی عزیزوں کی موت کے صدمے کو حوصلے سے سہہ لینا۔۔ فقر وفاقہ اور تنگدستی کے موقع پر حوصلہ رکھنا۔۔۔ بیماری اور مصیبت کے وقت صبر سے کام لینا۔۔۔مگر صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔۔۔میں بیان کر چکا ہوں اپنے نفس پر قابو پانے کا نام صبر ہے۔

(1) اپنے نفس کو حرام کاموں اور ناجائز باتوں سے روکنا۔۔۔یعنی جن چیزوں اور جن کاموں سے شریعت نے منع کر دیا ہے وہ باتیں نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں اور وہ چیزیں کتنی ہی لذیذ ہوں۔۔۔نفس کو ان سے روکے رکھنے کا نام صبر ہے۔

(2) اپنے نفس کو طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔۔۔۔یعنی جن کاموں کا شریعت نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبیعت پر کتنی ہی گراں کیوں نہ ہو۔۔۔ان کاموں کی طرف نفس کو مائل رکھنا۔

(3) مصائب وآفات پر صبر کرنا۔۔۔یعنی جو مصیبت آ گئی ہے اس پر حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا۔۔۔اور اس مصیبت کو اللہ کی طرف سے سمجھنا۔۔۔اور ثواب کی امید رکھنا۔(ابن کثیر:1/142)

شریعت کی اصلاح میں صابرین صرف انہی لوگوں کو کہا جائے گا جو تینوں طرح کے صبر کا مظاہرہ کریں۔بعض روایات میں کہ میدانِ حشر میں آواز لگائی جائے گی۔۔۔ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گذار چکے ہوں گے پھر اللہ ایسے خوش نصیب لوگوں کو بلاحساب جنت میں داخل فرمائے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ قرآن کی اس آیت سے اسی طرح اشارہ ہو رہا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:10)

صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جائے گا۔

قرآن نے مصائب وتکالیف کے مواقع پر صبر کرنے کی تلقین کی۔۔۔امام الانبیاء ﷺ نے صبر کی تلقین بھی فرمائی اور دکھوں کے وقت صبر کر کے بھی دکھایا۔۔۔۔۔جزع فزع اور بے صبری کے مظاہروں سے بڑی سختی سے روکا۔ایک موقع پر فرمایا:

مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ فَلَیْسَ مِنَّا (مسلم)

جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنے رخساروں پر تھپڑ مارے اور اپنا گریبان پھاڑا اور جاہلیت کی صدائیں بلند کیں وہ ہم سے نہیں ہے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندے کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ

اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ

اگر اس کو خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ (مسلم:2/413)

اور اگر اسے کوئی دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کہتا ہے (حدیث قدسی ہوئی)

یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ (ابن ماجہ:141)

اے ابن آدم! اگر تو نے صدمہ کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کا ارادہ کیا تو میں بھی تیرے لیے جنت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔

جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا دکھ کا سامنا ہوتا ہے تو اس کا زیادہ اثر

ابتداء ہی میں ہوتا ہے ورنہ کچھ دن بیت جانے کے بعد غم کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور صبر آ ہی جاتا ہے۔۔۔اس لیے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچتے ہی اللہ کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے اسی صبر کی اہمیت بھی ہے، فضیلت بھی اور اجر کا وعدہ بھی۔

امام الانبیاء ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر روتے ہوئے صبر ہی کے جملے فرمائے تھے:

وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يُرْضِيْ بِهٖ رَبُّنَا۔۔۔ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی اور خوش ہو۔

نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے صبر اور حوصلے کا مظاہرہ فرمایا اور کہا اگر آپ نے ہمیں صبر کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو میں آپ کی جدائی کے غم میں دماغ کا پانی خشک کر دیتا۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا میں اپنی بہن سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی سختی کے ساتھ جزع فزع کرنے اور بے صبری کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا جس طرح ہماری ماں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمارے نانا کے انتقال پر صبر کیا تھا میری جدائی پر تم بھی اسی طرح صبر کرنا۔ (جلاء العیون)

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد بھی سن لیجیے، فرمایا:

اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَاِذَا ذَهَبَ الرَّأْسُ ذَهَبَ الْجَسَدُ كَذَالِكَ اِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْاِيْمَانُ (اصول کافی:410)

صبر کا ایمان میں وہی مقام ہے جو سر کا جسم میں ہے جب انسان کا سر کٹ جاتا ہے تو جسم بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو ایمان رخصت ہو گیا۔

آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد سنیے گا:

اَنَا بَرِیٌٔ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ (بخاری)

جو شخص (مصیبت کے وقت) بال مونڈوا دے، بین کر کے روئے اور کپڑے

پھاڑے میں محمد ﷺ اس سے بیزار ہوں۔

سورت العصر میں انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے جن چار باتوں کو بیان کیا گیا ان میں چوتھی بات ہے۔۔۔وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔۔۔ایک دوسرے کو صبر کی تاکید وتلقین کرتے رہے یعنی حق کے معاملہ میں اور دعوت وتبلیغ کے راستے میں جس قدر سختیاں، دشواریاں اور مصائب اور دکھ پیش آئیں تو پورے صبر واستقامت اور استقلال سے برداشت کریں۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلصَّبُوْرُ سے تعلق پیدا کرنے والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ خود بھی دشمنانِ دین کی ایذاء دینے والی باتوں کو سن کر صبر وتحمل کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کریں۔

دین کی دعوت توحید وسنت کی آواز بلند کرنے۔۔۔اور شرک وبدعات کے خلاف عملی جدوجہد کے راستے میں آنے والی تکالیف اور پریشانیوں پر صبر کرنا۔۔۔صبر کا سب سے اعلیٰ اور بلند ترین درجہ ہے۔۔۔قرآن کریم پڑھ کر دیکھیے۔۔۔کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے پیغامِ الٰہی پہنچانے کی پاداش میں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلیں اور کتنے دکھ برداشت کیے۔

آخر میں ایک دعا آپ کو سناتا ہوں اسے یاد فرمالیجیے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا (مجمع الزوائد، کتاب الادعیہ: 211)

اے میرے مولا! مجھے نہایت شکر کرنے والا اور اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ
(البقرہ:117)

آسمانوں اور زمین کا نیا پیدا کرنے والا اور وہ جس کام کو کرنا چاہے اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک حسین اور خوبصورت نام اَلْبَدِیْعُ کی تفسیر اور تشریح بیان کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْبَدِیْعُ بدع سے مشتق ہے۔۔۔ اور بِدْعٌ اور اِبْدَاعٌ کے معنی ہیں ایسا بنانا جس کا پہلے نمونہ موجود نہ ہو۔ امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے:

کہ جب یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوں گے بغیر آلات و مادہ کے اور بغیر زمان و مکان کے کسی چیز کا وجود میں لانا۔

لغت کے علماء اور مفسرین نے اَلْبَدِیْعُ کا معنی یوں کیا ہے:

اَلْبَدِیْعُ هُوَ الْمُبْتَدِعُ الَّذِیْ فَطَرَ الْخَلْقَ اِبْتِدَاءً لَا عَلٰی مِثَالٍ سَابِقٍ

اَلْبَدِیْعُ وہ ہستی ہے جس نے مخلوق کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ابتدأ پیدا کیا ہے۔
بدیع کے معنی ہوئے بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ اور میٹریل
کے وجود میں لانے والا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اَلْبَدِیْعُ کا مفہوم تحریر فرمایا ہے:

اَلْبَدِیْعُ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو۔۔۔ نہ مال مسالہ کا۔۔۔ نہ مقام ومکان کا
پابند۔۔۔ نہ زمان ووقت کا مقید ومحتاج۔۔۔ نہ کسی نمونہ کا نہ استاذ کا۔۔۔ وہ صناع ہے،
کاریگر نہیں۔۔۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت اور شرکت کے
چیزوں کو وجود میں لانے والا۔

سورت البقرہ میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے نجس اور غلیظ عقیدے کی پانچ
وجوہ سے تردید فرمائی۔۔۔ پہلے ان کے مشرکانہ عقیدے کو ذکر کیا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (116)

اور وہ کہتے ہیں اللہ نے اولاد بنالی۔

یعنی اللہ ہمارے نبیوں سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ اس نے انہیں بیٹا بنالیا ہے
اور بیٹے سے ان کی مراد نائب اور مختار تھی۔ یا یہ کہ اللہ ان کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔
پانچ وجوہ سے ان کے قول کی پرزور تردید فرمائی۔

پہلی وجہ سُبْحَانَهٗ۔۔۔ اللہ کی ذات شریکوں ونائبوں اور اولاد وبیوی سے
پاک ہے۔ سبحان کے معنی ہیں وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور بیٹا بنانے میں نہ صرف
اس کی طرف ایک ظاہری عیب منسوب کرنا پڑتا ہے کہ جس طرح باپ بیٹے کا محتاج ہوتا ہے
اللہ بھی بیٹے کا محتاج ہے۔

دوسری وجہ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ بلکہ اسی کی ملکیت ہے جو

کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

زمین و آسمان کی تمام مخلوق اللہ کی مملوک اور ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء، اتقیاء ہوں یا اصفیاء، نوری ہوں، ناری ہوں، یا خاکی، یہ سب اللہ کے مملوک ہوئے پھر بیٹے یا بیٹیاں کس طرح ہو سکتے ہیں؟

نیز بیٹے کی ضرورت اسے ہوتی ہے جو محتاج ہو اور فانی ہو تاکہ بعد میں اس کا کوئی وارث ہو اور اس کا نام زندہ رہے۔ اللہ رب العزت نہ محتاج ہے اور نہ فانی، وہ حیی لا یموت ہے۔ زمین و آسمان کا تنہا مالک ہے اسے کسی نائب یا وارث کی کیا ضرورت ہے؟

تیسری وجہ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۔۔۔ سب کے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

سب انبیاء اور اولیاء ۔۔۔ سیدنا عزیر اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام اور فرشتے سب کے سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں ۔۔۔ سب اللہ کی ربوبیت کے اقراری اور اپنی عبدیت کے معترف ہیں اور حاجات و مشکلات میں اسی کو پکارنے والے ہیں پھر وہ اس کے بیٹے کیونکر ہو سکتے ہیں؟

چوتھی وجہ بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔۔۔ مادہ کے بغیر آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔

جب اللہ ہر چیز کا ایسا خالق ہے کہ اس کو مادہ اور آلات کی ضرورت نہیں ہوتی اور بیٹے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پھر بیٹے کا تجویز کرنا اللہ کی طرف کمزوری کو منسوب کرنا ہے۔

پانچویں وجہ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۔۔۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز اور وہ کام وجود میں آجاتا ہے۔

جو اللہ اتنا قادر ہو اور قدیر ہو کہ ارادے سے چیز وجود میں آجائے تو تم خود ہی بتاؤ

اسے بیٹوں اور نائبوں کی کیا ضرورت ہے۔

دوسری آیت اسی بات کو سورت الانعام میں بھی بیان فرمایا۔ پہلے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے اس گندے عقیدہ کا ذکر کیا کہ انہوں نے جنات کو جو اللہ کی مخلوق ہے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے اور اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لیں ہیں۔

یہاں بھی اللہ رب العزت نے پانچ دلیلوں سے مشرکین کے عقیدے کا رد فرمایا ہے سُبْحٰنَهٗ۔۔۔ کہ اللہ کی ذات اولاد سے اور شریکوں سے پاک ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کو نئی طرح بنانے والا ہے۔۔۔ وہ فاعل علی الاطلاق ہے اسے کسی ولد اور نائب کی کیا ضرورت ہے؟

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۔۔۔ اس کے لیے بیٹا کہاں سے اور کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی بیوی تو ہے نہیں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔۔۔ اللہ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے۔

جسے تم اللہ کا ولد کہتے ہو وہ بھی اللہ کی تخلیق ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مخلوق اپنے خالق کی ولد ہو۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الانعام:101)

اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

ہر ہر شئی کو اللہ رب العزت جانتا ہے۔ ماضی، حال، مستقبل کی تمام چیزوں کا اسے علم ہے مگر اس کے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کا ولد یا نائب ہو۔

اَلْبَدِیْعُ کا ایک اور معنیٰ مشہور مفسر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْبَدِیْعُ کا ایک بہت ہی خوبصورت معنیٰ کیا ہے۔

اَلْبَدِیْعُ الَّذِیْ اَظْهَرَ عَجَائِبَ صَنْعَتِهٖ وَغَرَائِبَ حِكْمَتِهٖ

اَلْبَدِیْعُ اس ذات کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی کاریگری اور حکمت کے عجائب وغرائب کو مخلوق پر ظاہر فرماتا ہے۔

یعنی اپنی تخلیق، کاریگری، صنعت اور حکمت کو لوگوں کے سامنے یوں آشکارا اور ظاہر کرتا ہے کہ مخلوق اللہ اَلْبَدِیْعُ کی قدرت وکاریگری کو دیکھ کر اس کی عظمت وشان اور اس کی الوہیت ومعبودیت کو پہچان سکے۔

اَلْبَدِیْعُ ہی ہے جس نے چلتے ہوئے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور زمین ڈولنے لگی تو اس پر پہاڑ کی میخیں ٹھونک دیں اور یہ سب کچھ بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ابتداً بنایا۔ آسمان کی اتنی وسیع وعریض چھت بغیر کسی ستونوں کے اَلْبَدِیْعُ ہی نے کھڑی کی ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کے نظام کو دیکھ کر اَلْبَدِیْعُ کی کاریگری کی تعریف کیے بغیر بندہ نہیں رہ سکتا۔

حیوانات کی تخلیق۔۔۔ چرندوں۔۔۔ پرندوں۔۔۔ اور درندوں کو اس نے کیسے بنایا؟ حشرات الارض کو دیکھیے کتنے رنگ کے، کتنی شکلوں کے اور کتنے حجم کے کیڑے مکوڑے اس نے بغیر کسی مادہ کے پیدا فرمائے۔

کہتے ہیں کہ جتنے اعضاء اور جوڑ۔۔۔ اَلْبَدِیْعُ نے ہاتھی میں فٹ کیے ہیں اتنے ہی جوڑ ایک حقیر چیونٹی میں بھی فٹ کیے ہیں۔ عجائب مخلوقات پر میں اور کیا بیان کروں۔۔۔ دور کیوں جاتے ہو انسان اپنی تخلیق کو دیکھے یہ اَلْبَدِیْعُ کا ایک عجوبہ روزگار ہے۔

چوپائے اور جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔۔۔ اور یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ چار ستونوں پر جسم کا وزن درست اور مناسب رہتا ہے مگر اشرف المخلوقات اور احسن تقویم انسان کا صرف دو پاؤں پر چلنا پھرنا، بھاگنا، دوڑنا، حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔۔۔ دو پاؤں پر اتنے بڑے جسم کا متوازن رہنا بڑا عجیب ہے۔

چونکہ یہ انسان زمین پر اَلْبَدِیْعُ کا خلیفہ ہے اس لیے انسان بھی روز بروز طرح طرح کی ایجادات کرتا رہتا ہے۔ بڑی بڑی ایجاد کرنے والے جسے ہم موجد کہتے ہیں

حقیقت میں یہ موجد نہیں ہوتے بلکہ صرف تالیف، ترتیب اور ترکیب دینے والے یا انکشاف کرنے والے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ اَلْبَدِيْعُ کی بنائی ہوئی مختلف چیزوں کو ترکیب دے کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں۔۔۔ یا اللہ اَلْبَدِيْعُ کی کسی مخفی یا پوشیدہ چیز کو برسر عام لے آتے ہیں۔

جس شخص نے ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون یا لیزر شعائیں ایجاد کیں اس نے ایجاد تو کچھ نہیں کیا صرف انکشاف کیا ہے۔۔۔ سب چیزیں پہلے سے موجود تھیں مگر عام لوگوں کو ان کا علم نہیں تھا۔ اس نے ان چیزوں کو تالیف وترتیب دے کر ایک چیز بنا دی۔۔۔ لہٰذا سارے موجد، بدیع، مبدع وموجد نہیں ہوتے اَلْبَدِيْعُ صرف اللہ کی ذات ہے۔۔۔ نئی چیز بنانے والوں کو ہم مجازاً بدیع کہہ دیتے ہیں۔

اَلْبَدِيْعُ۔۔۔ کا معنی ہوا ایسی چیز کو پیدا کرنا اور بنانا جس کی کوئی پہلے نظیر اور مثال نہ ہو۔ اس معنی کو مدنظر رکھ کر اس آیت کو سنیے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ (الاحقاف:9)

آپ کہیں میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

یعنی اے کفار ومشرکین! تم میری دعوت سے اور میری تبلیغ سے اور میری باتوں سے بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھا رسول ہوں یا کوئی انوکھا پیغام لایا ہوں۔۔۔ مجھ سے پہلے بھی رسول اور نبی آتے رہے اور یہی پیغام سناتے رہے ہیں۔

وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۔۔۔ یعنی دنیا کے معاملات میں میرے ساتھ اور آپ کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے اس کا مجھے علم نہیں ہے۔۔۔ کہ میں مکہ مکرمہ ہی میں رہوں گا یا ہجرت پر مجبور ہو جاؤں گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمہارے ہاتھوں شہادت کا رتبہ پاؤں گا۔۔۔ تم جلدی سزا پاؤ گے یا تمہیں کچھ مہلت دی جائے گی ان تمام

باتوں کا علم صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کل کیا ہوگا؟

تاہم آخرت کے بارے میں مجھے صرف علم نہیں بلکہ حتمی یقین ہے کہ مومن جنت کے وارث اور رب کی رضا کے حقدار ہوں گے اور کفار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

بدعت کو بدعت کیوں کہتے ہیں؟

لغوی معنیٰ میں بدعت ہر نئے کام کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں بدعت ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی مثال اور جس کا نمونہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں موجود نہیں ہوتا۔ اور جس نئے کام کی وجہ شریعت میں بروئے حکم الٰہی یا حکم رسول موجود نہیں ہوتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری، کتاب الصلح)

جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نکالتا ہے جو ہمارے دین میں نہیں تو وہ مردود ہے۔

نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعۃ المبارک میں پڑھتے تھے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ (مسلم: کتاب الجمعہ)

ہر نئی بات (جو دین میں دین سمجھ کر زیادہ کی جائے) گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔

یہاں شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ـــ بدترین کام وہ ہے جو دین میں نئے نئے نکالے جائیں ـــ اسے خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ ـــ بہترین طریقہ محمد عربی ﷺ کا طریقہ ہے ـــ کے مقابلے میں لا کر بتایا گیا کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے بلکہ وہ کام بدعت ہے جو کامل شریعت میں دین سمجھ کر اور ثواب کی امید رکھ کر اضافہ کیا جائے۔

یاد رکھیے! بدعت ہمیشہ نیکی کا رنگ لیے ہوئے ہوتی ہے۔۔۔ بدعت ایک زہر ہے جس پر سنہری رنگ کا کیپسول چڑھایا گیا ہے۔۔۔ بدعت شراب کی ایک ایسی بوتل ہے جس پر روح افزاء کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔

خوب یاد رکھیے! ہر اچھا نظر آنے والا کام دین نہیں ہوگا بلکہ دین وہ ہے جس پر محمد عربی ﷺ کی مہر ہوگی۔ یاد رکھیے! دین کے نام پر پرانی باتوں کو آگے لانا اس کا نام سنت ہے اور دین کے نام پر نئی باتوں کو آگے لانے کا نام بدعت ہے۔

دعائے نبوی ﷺ سامعین گرامی قدر! آخر میں ایک دو دعاؤں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو اس نے یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلے سے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی احسان کرنے والا آسمانوں اور زمین کو ابتداً بنانے والا اور عظمت وجلال والا ہے اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ کلمات سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ دَعَا بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی

یقیناً اس بندے نے اللہ رب العزت کو اس عظیم نام سے پکارا ہے کہ جب بھی اس عظیم نام کو پکارا گیا تو اسے قبول فرمایا اور جب بھی اس کے ذریعہ مانگا گیا اللہ نے عطا فرمایا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ
(آل عمران:4)

یقینا جن لوگوں نے کفر کیا اللہ کی آیات کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے

اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں آج کے خطبہ میں اللہ رب العزت کے ایک بڑے ہی حسین نام اَلْمُنْتَقِمُ کی تفسیر اور تشریح بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے:

اَلْمُنْتَقِمُ اَیِ الْمُعَاقِبُ لِلْعُصَاةِ عَلٰی مَكْرُوْهَاتِ اَفْعَالِهِمْ

اَلْمُنْتَقِمُ وہ ہستی ہے جو اپنے نافرمان بندوں کو ان کے مکروہ اور ناپسندیدہ کاموں پر سزا دیتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

اَلْمُنْتَقِمُ هُوَ الَّذِیْ يُبَالِغُ فِی الْعُقُوْبَةِ لِمَنْ شَاءَ

اَلْمُنْتَقِمُ وہ ذات ہے جو کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو بڑی سخت گرفت فرماتا ہے۔

قرآن میں اللہ رب العزت کا صفاتی نام اَلْمُنْتَقِمُ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا البتہ کچھ سورتوں میں ذُوانتقام استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ پر اللہ تعالیٰ کی صفت العزیز کے ساتھ استعمال ہوا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مجرم اور دشمن سے انتقام اور بدلہ لینے کے لیے اور انہیں سزا دینے کے لیے قوت وطاقت اور غلبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

سورت ابراہیم میں فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے نبیوں سے جو وعدہ کیا ہے کہ میں ہر حال میں ان کی مدد کروں گا یا میں تمہیں غلبہ عطا کروں گا۔۔۔ اللہ اپنے اس وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے انبیاء کے مخالفین سے بدلہ لے گا کیونکہ

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (ابراہیم:47)

یقیناً اللہ غالب اور زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

سورت زمر کی آیت نمبر 29 میں ایک مثال کے ذریعہ شرک کی تردید اور مشرکین کی جہالت کو بیان فرمایا گیا۔۔۔ شرک کی پرزور تردید اور توحید الٰہی کے بیان کرنے پر مشرکین نبی اکرم ﷺ کو اپنے معبودوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے معبودوں کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہو، انہیں غصہ آ گیا تو تمہیں برباد ہی نہ کر دیں۔

اس کے جواب میں کہا گیا کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے راہ راست پر کون لا سکتا ہے؟ اور جس کے لیے وہ ہدایت کا فیصلہ کر دے اسے گمراہ کون کر سکتا ہے؟ باقی رہی تمہاری دھمکی اور بے بس معبودوں سے ڈرانا تو

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ (زمر:37)

کیا نہیں ہے اللہ غالب بدلہ لینے والا؟ (یقیناً ہے)۔

تو جو شخص ایک طاقت ور، زور آور اور قادر وقدیر کا بندہ بن چکا ہے اسے ان عاجز اور بے کس معبودوں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز، منتقم کی امداد وحمایت اور ساتھ اس بندے کو کافی نہیں ہے۔

سورت المائدہ میں احرام کی حالت میں شکار کرنے کی سزا یہ تجویز ہوئی کہ دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے شکار شدہ جانور کی قیمت لگوائی جائے اور اس قیمت کا ایک جانور لے کر حدودِ حرم میں ذبح کیا جائے یا اس قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں میں فی محتاج صدقۂ فطر کی مقدار سے تقسیم کیا جائے یا ہر محتاج کے صدقہ کے برابر روزے رکھ لے۔۔۔جاہلیت کے زمانے میں جو کچھ ہو چکا وہ معاف ہے:

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (المائدہ:95)

اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا (یعنی اس حکم کی مخالفت کرے گا اور تحریم کے بعد اس فعل کا اعادہ کرے گا) تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اللہ زبردست وغالب ہے انتقام لینے والا۔

سورت الروم کی آیت نمبر 44 میں فرمایا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیئے جائیں گے۔۔۔کفار پر ان کے کفر وانکار کا وبال لازماً پڑے گا اللہ انہیں پسند نہیں کرتا۔۔۔پھر آیت نمبر 47 میں فرمایا کہ اس وبال کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ مجرمین ومکذبین سے انتقام لے اور مومنین کاملین کو اپنی امداد واعانت سے دشمنوں پر غالب کر دے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم:47)

ہم نے آپ سے پہلے کتنے رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے وہ نبی قوموں کے پاس دلیلیں اور نشانیاں لے کر آئے پھر ہم نے گنہگاروں سے انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی

...وکرنا لازم ہے۔

یعنی جب قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی اور انکار پر ہی کمربستہ ہو گئے بلکہ انبیاء کا تمسخر اڑایا اور معصیت کے مرتکب ہوئے تو ہم نے انہیں سزا اور انتقام کا نشانہ بنایا اور انہیں نشانِ عبرت بنا دیا۔ قومِ نوح کو سیلاب کے عذاب میں ایسا پکڑا کہ ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔۔۔۔۔ قومِ عاد کو ان کی تکذیب اور مسلسل انکار کی وجہ سے ایسے برباد کیا کہ ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (الاعراف:72)

جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ہم نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

قومِ ثمود کو اوپر سے ایک شدید ترین چیخ اور نیچے سے ہولناک زلزلہ کے ذریعہ تباہی کے گھاٹ اتار دیا، وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

قومِ لوط نے جب سرکشی کی انتہاء کر دی اور غیر فطری فعل کے ذریعہ تمام حدود کو پھلانگ گئے اور سیدنا لوط علیہ السلام کو دھمکیوں کے ذریعہ مرعوب کرنے لگے اور انہیں شہر سے جلاوطن کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو اللہ نے ان کی بستی کو الٹ کر رکھ دیا۔

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ (ہود:83)

پھر جب ہمارا عذاب کا حکم پہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیروزبر کر دیا (اوپر کا حصہ نیچے کر دیا) اور ان پر کنکر ملے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ اور وہ بستی ان ظالموں (مشرکین مکہ) سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔

قومِ شعیب شرک کے مرض کے ساتھ کم تولنے، کم ماپنے اور ڈاکہ زنی جیسی امراض کا بھی شکار تھے۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے بڑی شفقت کے جذبے سے انہیں تبلیغ فرمائی اور راہ راست پر آنے کی دعوت دی۔ قوم نے انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور مسلسل ان

کی تکذیب کرتی رہی۔۔۔ایک چیخ نے ان کے دلوں کو پارہ پارہ کر دیا اس کے بعد ایک ہولناک بھونچال نے آلیا پھر انہیں مہلت نہ ملی اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام، فرعونیوں کے ہاں حق کی دعوت لے کر آئے۔۔۔ان کی صداقت کے لیے انہیں معجزات بھی دیئے گئے۔۔۔انہوں نے حق کی دعوت فرعونیوں تک پہنچائی۔۔۔جادوگروں سے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔۔۔مگر فرعونیوں اور اس کی قوم نے مسلسل ان کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر کہتے رہے۔۔۔پھر اللہ نے فرعونیوں سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور انہیں قحط سالی اور پھلوں کی کمی کے عذاب میں جکڑ لیا

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (الاعراف:130)

شاید وہ سمجھ جائیں۔

مگر وہ ایسے ڈھیٹ اور بے حیا نکلے کہ جب کوئی بھلائی پہنچتی تو کہتے یہ تو ہمیں ملنی ہی ملنی تھی یہ ہمارا حق بنتا ہے اور جب کسی مصیبت اور برائی کا شکار ہوتے تو اسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمانوں کی نحوست بتاتے۔

پھر اللہ رب العزت نے ان سے انتقام لیا اور وقتاً فوقتاً مختلف عذابوں میں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ جیسے طوفان، مکڑیاں، گھن کا کیڑا، مینڈک اور خون وغیرہ۔

جب بھی عذاب میں مبتلا ہوتے، بھاگتے ہوئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آتے اور دعا کی درخواست کرتے کہ اگر یہ بلا ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اور جب عذاب ہٹا لیا جاتا تو عہد شکنی کرتے۔ آخرکار

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (الاعراف:136)

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی انہیں دریا میں غرق کر دیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری

آیتوں کو جھٹلاتے تھے اوران سے اعراض کرتے تھے۔

سورت یٰسین میں تین انبیاء کے ایک واقعہ کو ذکر کیا گیا جنہوں نے قوم کو اپنی رسالت کو ماننے کی دعوت دی مگر قوم نے انہیں جھٹلایا۔۔۔انہیں منحوس بتایا۔۔۔انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی اور پھران انبیاء کو قتل کردینے کے درپے ہوگئے۔

شہر کے دوسرے کنارے پر ایک ترکھان حبیب نامی رہتا تھا اسے معلوم ہوا تو بھاگتا ہوا آیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ نبی تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے لہٰذا ان کی اتباع کرو۔

قوم کے سردار اور شرارتی لوگ ان نبیوں کو چھوڑ کر حبیب کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تو حبیب نجار نے ایک خوبصورت اور دلپذیر تقریر کی جسے تیسویں پارہ کی ابتداء میں بیان کیا گیا ہے۔

کہ میں اس اللہ کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے کیا میں انہیں اپنا معبود بنالوں کہ اگر میرا رحمن مولا مجھے کوئی دکھ اور نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور وہ معبود مجھے بچا اور چھڑا نہ سکے۔

لوگوں نے اسے قتل کردیا اور اللہ نے اسے حکم دیا اُدْخُلِ الْجَنَّةَ۔۔۔جنت میں چلا جا۔۔۔اللہ رب العزت نے ان بدمعاشوں سے انتقام کیسے لیا؟ آسمانوں سے کوئی لشکر اتار کر۔۔۔فرمایا اس کی ضرورت نہیں تھی،

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ (یٰسین:29)

وہ تو صرف زور کی ایک چیخ تھی (جبریل نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے جسموں سے روحیں نکل گئیں) اور وہ سب کے سب بجھے انگارے کی طرح ہوگئے۔

اللہ رب العزت نے اپنے باغیوں اور نافرمانوں سے انتقام لیا ہے۔۔۔نمرود سے انتقام لیا اور اسے ایک حقیر مچھر کے ذریعہ ہلاک کردیا۔۔۔قارون سے انتقام لیا اور

اسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا، بلعم باعور نے بغاوت کی تو اسے کتے کی موت مار دیا۔

ابولہب سے ایسا انتقام لیا کہ ایک انتہائی منحوس اور نفرت انگیز مرض میں گرفتار ہوا اور اسی میں مر گیا۔ کوئی عزیز اور قریبی رشتہ دار لاش کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔۔۔آخرکار کرایہ کے بھنگیوں نے لاٹھی سے ٹھوکر لگاتے لگاتے اسے ایک گڑھے میں ڈالا۔

ابولہب کے بیٹوں نے میرے نبی کی گستاخی کی، آپ نے ان میں سے ایک کو بددعا دی کہ اللہ اس پر کسی درندے کو مسلط کر دے۔۔۔ایک قافلہ میں دورانِ سفر رات کے وقت سب کے درمیان سوئے ہوئے اس خبیث پر شیر کی صورت میں ایک درندہ مسلط ہوا، وہ سب کو سونگھتے سونگھتے اسی کے پاس پہنچا اور اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیا۔

ابوجہل سے انتقام لیا اور اس چوہدری اور وڈیرے کو دو بچوں کے ہاتھوں مروا دیا۔ ابوجہل جیسے سردار کی گردن قلم کرنے کے لیے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے دبلے پتلے کمزور شخص کو بھیجا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ایسے ایسے عجیب وغریب واقعات انتقامِ الٰہی کے ہوئے ہیں کہ جنہیں سن کر بدن کانپ جاتا ہے اور دل لرز اٹھتا ہے۔

ہلاکو خان جس کا طوطی بولتا تھا۔ آخرکار پاگل ہو کر موت کے گھاٹ اترا۔ شاہ ایران رضا شاہ پہلوی ایرانی انقلاب کے بعد ایران سے بھاگ گیا۔۔۔۔دنیا کا کوئی ملک اسے پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک ایک حکمران کے آگے ہاتھ جوڑ کے پناہ مانگتا پھرتا تھا۔۔۔آخرکار مصر نے پناہ دی اور کینسر کے مرض میں کڑھتے کڑھتے اور سسکیاں لیتے لیتے مر گیا۔

ایک سچا واقعہ ہے کہ ایک بیوہ عورت عائشہ نامی کے بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا۔۔۔ تھانیدار نے قاتلوں سے بھاری رشوت لے کر مقدمہ اسی بیوہ عورت پر درج کر دیا اور وجہ

لکھی کہ یہ عورت بدچلن تھی اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا ہے تاکہ میں کھل کر بدچلنی کی زندگی گزار سکوں۔۔۔ثبوت اور گواہ بھی تھانیدار نے فراہم کر دیئے اور عدالت سے اس بیوہ کو سزا دلوا دی۔

انتقامِ الٰہی غضب میں آیا، وہ مظلوم عورت روزانہ خواب میں اس تھانیدار کو نظر آتی حتیٰ کہ وہ پاگل ہو گیا اور سڑکوں پر پھرتے ہوئے ایک ہی آواز لگاتا تھا "عائشہ مجھے معاف کر دے"۔

ایک سچا واقعہ انتقامِ الٰہی کا اور سنیئے:

سیالکوٹ کے ایک مالی کا بیٹا ترقی کرتے کرتے آگرہ کالج کا پرنسپل ہو گیا۔۔۔ میٹرک وغیرہ پاس کرنے کے بعد ماں باپ سے جدا ہو گیا۔۔۔لندن جا پہنچا، وہاں سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری لی اور بڑی اونچی جگہ شادی کر لی۔

والدین تو ہر وقت تلاش اور کھوج میں لگے رہتے تھے، انہیں کہیں سے پتہ چلا کہ تمہارا بیٹا بہت بڑا آدمی بن گیا ہے اور آگرہ کالج میں پرنسپل ہے۔ ماں باپ بڑے شوق اور خوشی سے آگرہ پہنچے اور پوچھتے پچھاتے اس کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ بیٹے نے ذرا بھی خوشی کا اظہار نہ کیا بلکہ انہیں چپڑاسی کے مکان میں ٹھہرایا اور پھر انہیں گھر سے نکال دیا۔

اللہ نے کیسے انتقام لیا۔۔۔ آگرہ کے ایک بڑے مالدار گھرانے کے ایک پروفیسر سے اس کی ناچاقی ہو گئی۔۔۔۔اس نے آگرہ کے قصابوں سے کہہ کر اس کے ہاتھ پاؤں تڑوا دیئے۔۔۔ گورنمنٹ نے بڑے علاج کروائے مگر افاقہ نہ ہوا۔۔۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ انڈیا کا یہ مشہور ماہر جناتات اور آگرہ کالج کا پرنسپل آگرہ کی سڑکوں پر بھیک مانگا کرتا تھا۔

کسی نے سچ کہا ہے:

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب اہل دولت سے کہو اتنا نہ اترایا کریں

ایک دوسرے شاعر نے کہا:

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی

ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

اسے ایک فارسی شاعر نے کتنے خوبصورت انداز میں اپنے شعر میں بیان کیا:

تو مشو مغرور بر حلم خدا　　　دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

سورت البروج میں اللہ رب العزت نے اصحاب الاخدود کا تذکرہ فرمایا جو مومنوں کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالتے اور خود کنارے پر بیٹھ کر جلنے والوں کا تماشا دیکھتے تھے۔۔۔اس بیان کے بعد اللہ رب العزت نے بیان فرمایا کہ وہ ان لوگوں سے کس چیز کا بدلہ اور انتقام لے رہے تھے:

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (البروج:8)

اور وہ کافران سے صرف اس بات کا انتقام لے رہے تھے کہ وہ لوگ غالب خوبیوں والے اللہ پر ایمان لائے تھے۔

سورت المائدہ کی آیت نمبر 58 میں بیان ہوا کہ اہل کتاب اذان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور یہ تمسخر اڑانا ان کے بے عقل ہونے کی دلیل ہے۔اگلی آیت میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہوا کہ آپ اہل کتاب سے پوچھیں کہ تمہیں ہم سے آخر عداوت کیا ہے؟ تم ہم سے کس قصور کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ (المائدہ:59)

آپ کہیں: اہل کتاب! تم ہم سے صرف اس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور اس چیز پر (بھی) ایمان لائے جو پہلے نازل ہو چکا اور یقیناً تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

اور تم ہمارا تمسخر اڑانے والے اور ہم سے انتقام لینے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ تم اللہ کی وحدانیت، الوہیت اور سچی توحید پر قائم ہو بلکہ تم اپنے اپنے نبیوں کو الٰہ بھی مانتے ہو اور ان کے بارے میں ابن اللہ کا عقیدہ بھی رکھتے ہو۔

علاوہ ازیں تم سب انبیاء اور رسل کی تصدیق بھی نہیں کرتے ہو۔۔۔ کچھ انبیاء پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اور کچھ کی تکذیب کرتے ہو۔

اب تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ انتہاء درجہ کے نافرمان اور باغی شخص کو اللہ کے موحد اور فرمانبردار بندوں پر آوازے کسنے اور تمسخر اڑانے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے۔

اس مبارک اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مظلوموں اور بے کسوں کی مدد کرنی چاہیے۔۔۔۔ مجرم کو سزا دینا بھی شریعت کا ایک اصول ہے۔ جس طرح ایک بے گناہ اور شریف انسان کی حفاظت کرنا اور اس کا ساتھ دینا ایک اصول ہے۔ جرائم پیشہ افراد کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا انصاف اور تمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (النحل:18)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم انہیں نہیں گن سکتے بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میرے اللہ نے مجھے توفیق بخشی تو اللہ کی ایک حسین نام اَلْمُنْعِمُ کی کی تفسیر وتشریح بیان کروں گا۔۔۔اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مُنعِم کو اسمائے حسنٰی میں شمار کیا ہے اگرچہ مُنعِم کا لفظ بطور اسم قرآن کریم میں اللہ کے لیے مستعمل نہیں ہے۔ مگر اَنْعَمْتُ اور اَنْعَمْنَا قرآن میں آیا ہے کہ میں نے انعام کیا، ہم نے انعام کیا تو اس لحاظ سے وہ اَلْمُنْعِمُ ہے۔۔۔پھر قرآن کریم میں اکثر جگہوں پر اس نے اپنی مختلف نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

لغت میں نعمت سے مراد وہ لذت اور حظ ہے جو کسی شئی سے حاصل ہو۔ پھر ہر ایسی چیز کو نعمت کہا جانے لگا جو انسان کی صحت وقوت اور فرحت وانبساط کی زیادتی کا باعث بنے۔

قرآن کریم میں نعمت کا اطلاق قلیل وکثیر، مادی اور روحانی ہر قسم کی نعمت پر ہوتا

ہے۔ سورت النحل کی آیت نمبر 3 سے لے کر آیت نمبر 16 تک اللہ تعالیٰ نے انسان پر ہونے والی مادی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔ جن میں آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر ہوا۔۔۔ انسان کے اپنے وجود کا تذکرہ ہوا۔۔۔ جانوروں کی صورت میں اپنی نعمت کا ذکر کیا کہ کچھ کا تم گوشت کھاتے ہو، کچھ سے مزید منافع حاصل کرتے ہو، کچھ کی اون اور ریشم سے تم لباس بناتے ہو، اور جانور تمہارے لیے عزت کا سبب بھی ہیں، وہ تمہاری بار برداری کا کام بھی کرتے ہیں۔۔۔ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا الگ ذکر کیا کہ تم ان پر سواری کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں۔

پھر بادلوں سے بارش کے برسنے والی نعمت کا ذکر فرمایا جس کا پانی تم پیتے ہو اور فصلوں کو اسی کے ذریعے سینچتے ہو۔۔۔ جس پانی کے ذریعہ کھیتی، زیتون، کھجوریں، انگور اور دوسرے پھلوں اور میووں کی نعمت حاصل کرتے ہو۔

پھر رات اور دن کی نعمت کا ذکر کیا اور سورج و چاند اور ستاروں کی نعمت کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ سمندروں میں مچھلیوں کی پرورش کی تا کہ تم تازہ گوشت کھاؤ اور سمندروں سے موتی، ہیرے اور جواہرات اپنے زیوروں کے لیے نکالو۔

پھر اس نعمت کا ذکر فرمایا کہ زمین پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تا کہ زمین تمہارے لیے قرار گاہ بن جائے، زمین میں نہریں چلائیں اور چلنے کے لیے راستے بنائے اور جگہ جگہ علامتیں بنا دیں۔

یہ سب نعمتیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تو چند نعمتیں تھیں باقی اللہ کی نعمتیں تو اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل:18)

اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو تم انہیں گن نہیں سکتے ہو۔

اس کے ساتھ اپنی دو صفتوں کو ذکر فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی ان بے شمار اور لاتعداد نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہو سکتا ہے لہٰذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے اللہ اس سے درگذر کرتا اور معمولی شکریہ پر بہت سا اجر عطا فرماتا ہے۔

یا کفرانِ نعمت کے بعد جو شخص توبہ کر کے شکر گزار بن جائے اللہ تعالیٰ اس کی گذشتہ کوتاہیوں اور غفلتوں کو بخش دیتا ہے اور آئندہ کے لیے اس پر اپنی رحمت فرماتا ہے۔

اسی طرح کی ایک آیت سورت ابراہیم میں بھی آئی ہے لیکن وہاں۔۔۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا کے ساتھ۔۔۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ۔۔۔ آیا ہے۔ (ابراہیم: 34)

یعنی انسانوں میں بہت سے بے انصاف اور ناشکرے ہیں جو اتنے بے شمار اور بے حد وحساب انعامات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے اور شکر ادا نہیں کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جو یہود مدینہ اور گردونواح میں موجود تھے اللہ نے انہیں آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے کی ہر ممکن دعوت دی، کبھی ترغیب کے ذریعہ اور کبھی ترہیب کے ذریعہ، کبھی ان کے آباؤ اجداد پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ کر کے اور کبھی ان کے وڈیروں کی شرارتوں اور خباثتوں اور پھر ان خباثتوں کے انجام کا ذکر کر کے۔۔۔۔

سورت البقرہ میں انہیں اپنے انعامات یوں یاد دلائے:

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ: 47)

اے یعقوب کی اولاد! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیا اور میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت بخشی۔

یہ پہلا انعام ہے جو اَلْمُنْعِمُ نے بنی اسرائیل پر فرمایا کہ میں نے تمہیں تمام عالمین پر فضیلت عطا کی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام عالمین میں تو نبی اکرم ﷺ کی امت بھی شامل ہے حالانکہ بنی اسرائیل امت محمدیہ سے افضل نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عالمین سے مراد ان کے دور اور ان کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ قیامت تک کے لوگ مراد نہیں ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

اَلْمُرَادُ فَضَّلْتُكُمْ عَلٰى عَالِمِيْ زَمَانِكُمْ

صاحب روح المعانی نے لکھا:

اَلْمُرَادُ بِالْعَالَمِيْنَ سَائِرُ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ وَقْتِ التَّفَضُّلِ

اس آیت میں نزول قرآن کے وقت موجودہ یہودیوں کے باپ دادا کی ان کے ہم عصر اقوام پر فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔

یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ یا بنی اسرائیل آیت کے مخاطب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کے بنی اسرائیل ہیں مگر اس سے مراد ان کے آباؤ اجداد ہیں جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور ان کے بعد تھے، جنہوں نے دین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی نہیں کی، تورات میں تحریف کے مرتکب نہیں ہوئے، اللہ کے تمام احکامات کی بسر و چشم اطاعت کی، وقت کے پیغمبر کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔۔۔ ایسے باوفا اور باکردار لوگوں کو اللہ رب العزت نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔

انہیں فرعونیوں کے مظالم و شدائد سے نجات دی۔۔۔ ان کے لیے سمندروں میں راستے بنائے۔۔۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے سب سے بڑے دشمن اور اس کے لاؤلشکر کو پانی میں غرق کر دیا۔۔۔ ایک کھلے میدان میں انہیں کھانے کے لیے من وسلویٰ عطا کیا۔۔۔ ایک پتھر سے ان کے لیے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیے۔۔۔ ہدایت

وراہنمائی کے لیے انہیں تورات عطا کی۔۔۔ان میں انبیاء مبعوث کرنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ سب انعام اور یہ ساری نعمتیں موجودہ زمانہ کے یہود کے آباؤاجداد پر ہوئی تھیں۔۔۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آباؤاجداد کو عطا ہونے والی نعمتیں ان کی اولاد کے حق میں بھی نعمتیں ہوتی ہیں کیونکہ انہی نعمتوں کی وجہ سے ان کو عزتیں، رفعتیں اور فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں اور یہی نعمتیں یہود کے بقا کا سبب تھیں کیونکہ اگر فرعون کی نسل کشی جاری رہتی یا فرعون کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی غرق کردیا جاتا تو آج دنیا میں یہودیوں کا وجود تک نہ ہوتا۔

قرآن نے ایک مقام پر اسے یوں بیان فرمایا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ (المائدہ:20)

اور جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے (بیشتر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہوئے ہیں جن کا سلسلہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اختتام پذیر ہوا) اور تمہیں بادشاہ بنایا (متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے، بعض نبیوں کو بھی اللہ نے ملوکیت عطا فرمائی جیسے سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کی طرح ملوکیت (بادشاہت) بھی اللہ کا انعام ہے جسے علی الاطلاق برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے اگر ملوکیت بری چیز ہوتی تو اللہ نہ کسی نبی کو بادشاہ بناتا اور نہ اس کا تذکرہ بطور انعام فرماتا) اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہم نماز کی اکثر رکعتوں میں ہر روز کئی مرتبہ دعا مانگتے ہیں: اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔۔۔ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔۔۔۔یہ سیدھا

راستہ کونسا ہے؟ آگے اسے بیان فرمایا: صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۔۔۔ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

مشہور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے اپنی عبادت اور اطاعت کا انعام کیا ہے اور وہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں جنہوں نے تیری عبادت اور تیری اطاعت کی۔ (جامع البیان: 1/59)

اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۔۔۔کون لوگ ہیں؟ اسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر ذکر فرمایا:

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ (النساء: 69)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیائ، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

قرآن کریم نے ایک اور مقام پر انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡرَآءِیۡلَ وَمِمَّنۡ ہَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا (مریم: 58)

یہی وہ انبیاء ہیں (جن کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے) جن پر اللہ نے انعام فرمایا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے یہ سب کے سب ہماری طرف سے ہدایت یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے تھے ان کے سامنے جب رحمن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ یوں تو امت محمدیہ پر اللہ اَلْمُنْعِمُ نے بہت سے انعامات اور احسان فرمائے ہیں مگر ان انعامات میں سے بہت سے اعلیٰ اور اولیٰ اور عظیم انعام یہ ہے کہ جس نبی محترم ﷺ کا ہمیں امتی بنایا وہ امام الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہے، وہ رحمۃ للعالمین بھی ہے اور شفیع المذنبین بھی، وہ سب انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل بھی ہے اور اشرف بھی۔

دوسرا عظیم انعام اس امت پر اَلْمُنْعِمُ نے قرآن جیسی کتاب ہدیٰ عطا کرکے فرمایا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی، جسے تحریف سے محفوظ فرمایا اور جسے سابقہ تمام آسمانی کتب کے لیے ناسخ ہونے کا درجہ دیا۔

امت محمدیہ پر ایک انعام یہ ہوا کہ انہیں کامل و مکمل دین (جو قیامت کی صبح تک آنے والے ہر شخص کی راہبری کے لیے کافی ہے) عطا فرمایا اور اس امت پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔

ارشاد باری ہوا:

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اتمام نعمت سے مراد اسلام کا غلبہ ۔۔۔۔ کفر و شرک کی مغلوبیت ۔۔۔۔ دین کی تکمیل ۔۔۔ علم و حکمت کا اعطاء، مال غنیمت کی وسعت، امن و امان کی بحالی ہے۔

اتمام نعمت یہ ہے کہ دینی اور دنیوی امور میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو کسی معاملے میں کسی دوسرے کا محتاج نہ رہنے دیا ۔۔۔ بلکہ دینی اور دنیوی نعمتوں میں ان کو اس قدر حصہ دیا کہ وہ دوسروں کے محتاج نہ رہے بلکہ دوسرے ان کے محتاج ہو گئے ۔۔۔ گویا یہ

اتمام نعمت دین کے کامل ہونے ہی کا نتیجہ ہے۔

جو لوگ اسلام کو کامل دین ماننے کے باوجود زندگی کے کچھ شعبوں میں اسلام سے راہنمائی لینے کے بجائے دوسرے مذاہب کی رسومات کی نقالی کرتے ہیں وہ اتمامِ دین والی نعمت کے ناشکرے بنتے ہیں۔ دین اسلام کامل اور مکمل دین ہے جس نے اپنے پیروکاروں کی زندگی کے ہر موڑ پر اس طرح راہنمائی فرمائی ہے کہ انہیں دوسرے نظاموں اور طور طریقوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرما کر انہیں قیامت تک محفوظ رہنے والی کتاب عطا کر دی اور خود ان کی سیرت طیبہ، حیاتِ مبارکہ، ان کے ارشادات عالیہ، ان کے اعمال وافعال، عبادات ومعاملات، ان کی حرکات وسکنات، اور ان کی خلوت وجلوت تک کے حالات بلکہ آپ کی اداؤں تک کو احادیث وسیرت کی کتابوں میں محفوظ فرمانے کا اہتمام کر دیا۔ حکومت وعدالت، شادی وغمی، تجارت وحرفت، معاملات وحقوق، رہن سہن غرضیکہ زندگی گذارنے کے طور طریقے واضح فرمائے۔

آج کوئی شخص شادی وغمی کے موقع پر شریعت سے ہٹ کر غیروں کی نقالی کرتے ہوئے خرافات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اتمامِ نعمت کا ناشکرا تصور ہوگا۔

آج اگر کوئی مہربان دین اور ثواب سمجھ کر ایسا کام اور ایسا عمل سرانجام دیتا ہے جس عمل اور جس کام کا وجود امام الانبیاء ﷺ کے مقدس دور میں اور اصحابِ پیغمبر کے سنہری دور میں موجود نہیں تھا۔۔۔ تو یہ شخص عملی طور پر اس بات کا مدعی ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ کا دین ناقص اور نامکمل ہے جس میں نیکی اور ثواب کا یہ کام اور یہ عمل بیان نہیں ہوا جو آج میری سمجھ میں آیا ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام | سیدنا سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی ایک وادی سے گذرنا چاہتے ہیں۔۔۔ چیونٹیوں کی ملکہ نے اپنی رعایا کو خبردار کیا کہ سلیمان علیہ السلام

اپنے لاؤ لشکر سمیت ادھر ہی آ رہے ہیں لہٰذا تم جلدی جلدی اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں بے خبری میں سیدنا سلیمان علیہ السلام اور اس کے ساتھی تمہیں اپنے قدموں کے نیچے نہ کچل دیں۔

اللہ رب العزت نے چیونٹی کی یہ بات سیدنا سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک پہنچائی اور چیونٹی کی بولی سمجھائی بھی۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی بات سمجھ کر فرط سرور و نشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا کہ اللہ اَلْمُنْعِمُ نے مجھ پر کتنا عظیم انعام فرمایا:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (النمل:19)

چیونٹی کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس پڑے اور دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی ہیں اور میرے ماں باپ پر کی ہیں اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے تو خوش رہے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے۔

حدیث نبوی سامعین گرامی قدر! آخر میں امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی سماعت فرمالیجیے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

مَا أَنْعَمْتُ عَلَى عِبَادِي مِنْ نِعْمَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِهَا كَافِرِينَ يَقُولُونَ الْكَوْكَبُ وَبِالْكَوْكَبِ (مسلم)

جب میں اپنے بندوں پر کوئی نعمت کرتا ہوں تو ان میں کچھ لوگ اس نعمت کا انکار (ناشکری) کرتے ہیں (جب وہ) کہتے ہیں فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ایسا ہوا۔

اس ارشاد سے واضح ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کو ستاروں کی گردش سے منسوب کرنا اللہ کی نعمتوں کا انکار اور ناشکری کے زمرے میں آتا ہے۔۔۔تو پھر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو غیر اللہ سے منسوب کرنا بھی ناشکری اور کفرانِ نعمت کے زمرے میں آئے گا۔۔۔آج ہم ایسے جملے سنتے رہتے ہیں کہ "ہمیں جو کچھ دے رکھا ہے ہمارے حضرت صاحب کی نظرِ کرم ہے" جبکہ سب کا عطا کرنے والا اور ہر ایک کو دینے والا اور ہر کسی کی جھولی بھرنے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے جو اَلْمُعْطِیْ ہے، داتا ہے اور اَلْمُنْعِمُ ہے، ہر ایک پر نعمتیں کرنے والا۔۔۔اور انعام سے جھولیاں بھرنے والا اَلْمُنْعِمُ ہی ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الزخرف:59)

وہ (عیسیٰ علیہ السلام) بندہ ہی ہے جس پر ہم نے انعام کیا (انہیں رسول بنایا، انجیل عطا کی، کفار و مشرکین کی مذموم سازشوں سے محفوظ فرمایا، مخالفین کے نرغے سے نکال کر زندہ آسمانوں پر اٹھایا) اور عیسیٰ کو بنی اسرائیل کے لیے نشانِ قدرت بنایا (بغیر باپ کے ولادت ہوئی، پنگھوڑے میں کلام کیا، محیر العقول معجزات عطا ہوئے)

قیامت کے دن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال ہوگا اسے سورت المائدہ کی آیت نمبر 116 میں ذکر فرمایا کہ کیا تم لوگوں سے کہہ کر آئے تھے کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لینا۔

اس سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو وہ نعمتیں یاد دلائیں گے جو اللہ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر کیں: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ (المائدہ:110)

اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ بیٹے مریم کے میرا انعام یاد کرو جو تجھ پر ہوا اور تیری والدہ پر ہوا۔

اگلی آیات میں ان انعامات کو ذکر کیا گیا۔۔۔انعامات یاد دلانے سے مقصد یہ ہے کہ میں نے تو آپ پر نعمتوں کی بارش برسائی اور آپ نے لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔

پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سوال کا بڑا ہی حسین اور خوبصورت جواب دیں گے جسے سورت المائدہ کی آیت نمبر 116 اور 117 میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

یاد رکھیے! مُنعِم حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی نعمتیں حدِ شمار سے باہر ہیں۔۔۔ ظاہری اور باطنی نعمتیں اس نے کثرت کے ساتھ عطا کی ہیں اور اسی کے دروازے پر دستک نعمت ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اَلْبَاعِثُ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ:213)

سب لوگ ایک امت تھے (پھر جب ان میں اختلاف ہوئے تو) اللہ نے اپنے نبیوں کو خوشخبری سنانے اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک حسین اور دلنشین اسم گرامی اَلْبَاعِثُ کی تشریح اور تفسیر بیان کروں گا۔ اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْبَاعِثُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

بَاعِثُ الرُّسُلِ اِلَى الْاُمَمِ بِالْاَحْكَامِ

اَلْبَاعِثُ وہ ہستی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو احکام دے کر لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے۔

یعنی کسی کو قاصد بنا کر کسی جگہ بھیجنے والے کو باعث کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے اسے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ خطبہ میں تلاوت کردہ آیت سورت البقرہ کی آیت نمبر 213 ہے جس میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً۔۔۔۔سب لوگ ایک امت تھے یعنی ایک دین پر تھے۔

اور یہاں وحدت سے مراد دین اور عقیدے کی وحدت ہے، یعنی ابتداء میں سب لوگ دین اسلام اور دین توحید کے پیروکار تھے۔ سب موحد اور توحید پرست تھے۔

مُتَّفِقِيْنَ عَلَى دِيْنِ الْإِسْلَامِ (مدارک:1/83)

سب دین اسلام پر متفق تھے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

مُتَّفِقِيْنَ عَلَى التَّوْحِيْدِ مُقِرِّيْنَ لِعُبُوْدِيَّتِهٖ (روح المعانی:2/100)

سب کے سب دین توحید پر متفق تھے اور اللہ ہی کی معبودیت کے قائل تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آغاز میں اور فطرتاً انسان توحید پرست تھا شرک کی منحوس بیماری بعد میں پھیلی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ:213)

پھر اللہ نے نبیوں کو مبعوث کیا جو خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے تھے۔

یہاں ذہنوں میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سب لوگ ایک دین پر تھے اور توحید پر متفق تھے تو پھر انبیائے کرام علیہم السلام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں سب لوگ توحید پر متفق تھے پھر ان کے درمیان اختلاف ہو گیا اور کچھ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے تو اللہ نے اپنے رسول بھیجے تا کہ وہ لوگوں کو دین توحید اور راہ راست پر

لائیں۔۔۔اتباع کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور اعراض کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔

فَاخْتَلَفُوْا یہاں محذوف ہے اس کا قرینہ آیت کا آنے والا حصہ ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے نبیوں کو کتابیں بھی دیں تاکہ وہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کی روشنی میں لوگوں کے مابین ہونے والے اختلاف کا فیصلہ کریں۔۔۔۔اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں توحید کے بارے اختلاف پیدا ہو چکا تھا جس کو مٹانے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی۔

فَاخْتَلَفُوْا یہاں محذوف ہے کا دوسر قرینہ قرآن کریم کی آیت ہے۔ سورت یونس میں ارشاد ہوا:

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس:19)

اور سب لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ:2)

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

قرآن نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا ذکر کیا جن میں حضرت شموئیل علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اس زمانے میں عمالقہ قوم غالب ہو چکی تھی اور انہوں نے بنی اسرائیل کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، قوم کے شرفاء نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ

ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (البقرہ:246)

ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے (جس کی قیادت میں) ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا (البقرہ:247)

ان سے ان کے نبی نے کہا کہ بیشک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور مقام محمود سورت بنی اسرائیل میں نبی اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کریں۔

عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (بنی اسرائیل:79)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

مقام محمود وہ مقام ہے جو قیامت کے دن اللہ رب العزت امام الانبیاء ﷺ کو عطا کرے گا اور اسی مقام پر آپ سر سجدہ میں رکھ کر کئی دن تک اللہ کی حمد وثنا، تعریف وتوصیف اور مدح سرائی کریں گے، تسبیحات، تحمیدات، تکبیرات اور تہلیلات ہوں گی پھر اللہ کہیں گے:

مَا يُبۡكِيۡكَ يَا مُحَمَّدُ

میرے محبوب کیوں روتے ہو؟

سَلۡ تُعۡطَ

تو مانگ میں تیرا دامن بھر دوں گا۔

وَاشۡفَعۡ تُشَفَّعۡ

تو شفاعت کے لیے لب کھول تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔

قُلۡ تُسۡمَعۡ

تو بول تیرے بول سنے جائیں گے۔

مقام محمود وہ مقام ہے جہاں نبی اکرم ﷺ شفاعت کبریٰ کریں گے اور آپ کی شفاعت شرف قبولیت پائے گی۔

اَلۡبَاعِثُ کا دوسرا مفہوم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلۡبَاعِثُ کا ایک مفہوم یہ بھی لکھا ہے:

اَلۡبَاعِثُ الَّذِیۡ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ لِلۡحَشۡرِ وَالنُّشُوۡرِ

اَلۡبَاعِثُ وہ ہے جو حشر کے لیے تمام لوگوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا۔

اللہ ہی اَلۡبَاعِثُ ہے جو مرنے کے بعد اور فنا ہو جانے کے بعد ہر ایک کو پھر سے زندہ کرے گا۔۔۔ خواہ وہ قبروں میں مدفون ہوں یا درندوں کے پیٹوں میں ہوں یا مچھلیوں کے بطن میں، یا دریاؤں یا سمندروں کی تہوں میں یا میڈیکل کالجوں میں انہیں چیر پھاڑ دیا گیا ہو یا ہندوؤں نے آگ کے ذریعہ جلا دیا ہو۔۔۔ وہ اَلۡبَاعِثُ سب کے منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو جوڑ دے گا۔۔۔ اگر کوئی شخص اپنی لاش جلوا کر اپنی راکھ کے ذرات ساری دنیا میں پھیلا دے تب بھی اَلۡبَاعِثُ اس کے جسم اور روح کو جوڑ کر اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔

بَلٰی قَادِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ (القیامۃ:4)

ہاں ہم قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں۔

اسی معنی کے اعتبار سے قیامت کے دن کو یوم البعث بھی کہا جاتا ہے۔

سورت الحج میں ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ (الحج:5)

اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے؟

تو ذرا اپنی پیدائش اور تخلیق کو دیکھو، تمہارے بابا آدم کو مٹی سے بنایا تھا، اور تمہیں حقیر اور نجس پانی کے ایک قطرے سے جسے ہم رحم مادر میں کئی حالتوں میں بدلتے رہتے ہیں پھر دنیا میں اس کی نشوونما کرتے رہتے ہیں۔۔۔ جو اللہ ایسا قادر ہو کہ نیست سے ہست کر دے اور نابود سے بود کر دے اور عدم سے وجود میں لائے کیا وہ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھانے پر قادر نہیں ہے؟

آگے کہا:

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الحج: 7)

اور یقیناً قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یقیناً اللہ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

سورت ہود میں ارشاد ہوا:

قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ (ہود: 7)

اگر تم کہتے ہو کہ (اے لوگو!) تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ (ہود: 7)

تو جواب میں کافر کہتے ہیں یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

سورت الحج میں اللہ رب العزت نے کفار کے اس تعجب کو دور کیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کیسے ہوگی؟ بکھرے ہوئے اجزاء اور بوسیدہ ہڈیوں اور خاک ہوئے جسموں کو دوبارہ کیسے بنایا جائے گا؟

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً۔۔۔ تو دیکھتا ہے کہ زمین بنجر اور خشک ہے۔۔۔۔ خراب پڑی ہے اور دبی ہوئی ہے۔

فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ ۔۔۔ پھر جب ہم اس زمین پر رحمت کی بارش برساتے ہیں۔

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (الحج:5)

بارش برسنے کے نتیجے میں وہ ابھرتی اور تازہ ہوتی ہے پھر پھولنے لگتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اور چیزیں اگاتی ہے۔۔۔۔اناج اگنے لگا، درخت لہلہانے لگے، پھل اور پھول کھلنے لگے، رنگ برنگ میوے زمین کی رونق بننے لگے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اس سے ایک حقیقت یہ ثابت ہوئی کہ مردہ اور بنجر زمین میں جان ڈالنے والا اللہ ہی معبود برحق ہے، عبادت و پکار کے لائق صرف وہی ہے، سجدوں کے لیے صرف اسی کا در ہے، اور نذر و نیاز صرف اسی کے نام کی دینی چاہیے۔

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى

اور اس سے دوسری حقیقت یہ ثابت ہوئی کہ جو ہستی اپنی قدرت سے زمین کے سینے میں چھپے ہوئے بیج اور تخم کو کونپل اور اناج کی صورت میں باہر نکال سکتی ہے وہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

اَلْبَاعِثُ کا تیسرا مفہوم

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ علماء سے اَلْبَاعِثُ کا یہ معنی نقل کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يَبْعَثُ الْاَرْزَاقَ اِلٰى عِبَادِهٖ وَلَوْ لَمْ يَكْتَسِبْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (مرقاۃ:5/90)

اَلْبَاعِثُ وہ ہے جو بندوں تک بغیر محنت کے ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جہاں سے ان بندوں کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

قرآن نے بیان کیا:

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران:27)

اور تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی عطا کرتا ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:3)

اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

احادیث مبارکہ سامعین گرامی قدر! آخر میں امام الانبیاء ﷺ کے کچھ ارشادات اور فرامین بھی سن لیجیے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا:

مَا الْإِيمَانُ۔۔۔۔ایمان کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: اَلْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ (بخاری، کتاب الایمان)

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اللہ کی ملاقات پر اور اللہ کے رسولوں پر اور (موت کے بعد) دوبارہ جی اٹھنے پر یقین رکھو۔

ایمان مفصل ذرا ایک مرتبہ سب حضرات ایمان مفصل پڑھیں، میں وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ کا اقرار شامل ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (یعنی قسمتیں کھوٹی بھی وہی کرتا ہے اور کھری بھی وہی کرتا ہے) اور موت کے بعد

اٹھائے جانے پر۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھ لیتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ

اے اللہ! مجھے اس دن کے عذاب سے بچایئے جس دن آپ اپنے بندوں کو جمع کریں گے (یا فرمایا) اپنے بندوں کو اٹھائیں گے۔

اگرچہ اللہ رب العزت کا یہ نام قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔۔۔۔ مگر بَعَثَهُ، يَبْعَثُ لَبَعَثْنَا، يَبْعَثُهُمْ سے یہ نام تخریج کیا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

اَلشَّهِيْدُ، اَلشَّاهِدُ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (المائدہ:117)

سامعین گرامی قدر! آج جمعۃ المبارک کے خطبہ میں آپ حضرات کے سامنے میں اللہ رب العزت کے ایک اہم اور حسین نام اَلشَّهِيْدُ کی تشریح اور تفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ خالق کائنات اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

شہید کا لفظی معنی گواہ، مُطَّلِع، واقف، مُبَیِّن (بیان کرنے والا) اور حاکم کے ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلشَّهِيْدُ الْمُطَّلِعُ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ ---اَلشَّهِيْدُ وہ ہے جو کائنات کی تمام اشیاء پر مطلع ہے--- سَمِعَ جَمِيْعَ الْاَصْوَاتِ خَفِيَّهَا وَجَلِيَّهَا--- اَلشَّهِيْدُ وہ ذات ہے جو ہر جلی اور خفی آواز کو سنتی ہو--- وَاَبْصَرَ جَمِيْعَ الْمَوْجُوْدَاتِ دَقِيْقَهَا وَجَلِيْلَهَا صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا--- اَلشَّهِيْدُ وہ ہے جو ہر بڑی اور چھوٹی چیز کو دیکھتا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اَلشَّهِيْدُ کا معنی بڑے ہی عجیب انداز میں فرمایا

ہے:

فَإِنَّهُ تَعَالٰى شَهِيْدٌ عَلٰى أَفْعَالِهِمْ حَفِيْظٌ لِأَقْوَالِهِمْ عَلِيْمٌ بِسَرَائِرِهِمْ وَمَا تُكِنُّ ضَمَائِرُهُمْ

اللہ رب العزت اپنے بندوں کے تمام افعال اعمال کو دیکھتے ہیں بندوں کے تمام اقوال ان کے ہاں محفوظ ہیں، وہ بندوں کے بھیدوں اور رازوں سے بھی باخبر ہیں، یہاں تک کہ ان باتوں سے بھی واقف ہیں جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اَلشَّهِيْدُ کی جو تفسیر فرمائی ہے تو اس اعتبار سے اللہ رب العزت کی ذات ہی اَلشَّهِيْدُ کہلائے جانے کی مستحق ہے۔

اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن کریم میں کئی مقامات پر آیا ہے ان میں سے چند ایک مقام میں آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ سورت سبا کی آیت نمبر 46 میں مشرکین مکہ کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ تم بلا سوچے سمجھے صاحب قرآن ﷺ کو مجنون کہہ کہہ کر تنگ اور پریشان کر رہے ہو تم ہر قسم کے تعصب وعناد سے کنارہ کش ہو کر انصاف اور عدل کے دامن کو تھام کر کئی کئی مل بیٹھ کر بحث ومشورہ کر لو اور الگ الگ تنہائی میں اس حقیقت پر غور کرو کہ تمہارا یہ رفیق (سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ) جو چالیس برس تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا، جس کے بچپن سے لے کر لڑکپن تک اور پھر کہولت کے ایک ایک لمحہ تک تم باخبر اور واقف ہو۔ جس کی امانت ودیانت، صدق وپاکیزگی، عفت وعصمت، فہم وفراست، دانش ودانائی کے تم ہمیشہ قائل رہے ہو۔ غور کرو اور مبنی بر انصاف فیصلہ کرو کہ آج یکایک یہ مجنون کیسے ہو گیا ہے؟ کیا دیوانے بھی حکمت وفراست کی ایسی لطیف اور نفیس باتیں کیا کرتے ہیں؟ یا کوئی مجنون اپنی قوم کا اس قدر خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ میرا نبی ﷺ تو تم کو مہلک خطرات اور تباہ کن مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے۔ وہ تمہیں گزری ہوئی اقوام کی تاریخ

سناتا ہے۔ ان جیسے انجام بد سے ڈراتا ہے، وہ محکم دلائل، مضبوط براہین اور مثالوں کے ذریعہ تمہیں کامیابی وکامرانی کی جانب بلاتا ہے۔ بھلا ایسے اوصاف رکھنے والے دیوانے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ پاگلو! یہ کام ان اولوالعزم انبیاء کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شرپسندوں نے ہمیشہ مجنون اور دیوانہ کہا ہے۔

پھر آیت نمبر 47 میں فرمایا کہ میری دعوت توحید کے پیچھے حب مال وجاہ پوشیدہ نہیں ہے، میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا بلکہ میری دعوت وتبلیغ بے غرض اور بے لوث ہے۔ آخر میں فرمایا:

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

اللہ رب العزت ہی ہر چیز پر مطلع ہے اور ہر ایک کے حال سے باخبر ہے۔

یعنی میری سچائی اور نیت سے اللہ بخوبی آگاہ اور باخبر ہے۔

سورت آل عمران میں اللہ رب العزت نے یہود ونصاریٰ کی خباثتوں اور شرارتوں کا ذکر فرمایا کہ سمجھتے، جانتے اور بوجھتے ہوئے تم اللہ رب العزت کی آیات اور توحید ورسالت کے واضح اور بین دلائل کا انکار کر رہے ہو، تم لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے سے روک رہے ہو اور سچ کے داعی پیغمبر کی تکذیب پر کمربستہ ہو اور لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں شرکیہ شبہات ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہو۔ تم کیا سمجھ رہے ہو کہ اللہ رب العزت تمہارے ان افعال اور گھناؤنی عادات سے بے خبر ہے؟ ہرگز نہیں:

وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ (آل عمران:98)

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر مطلع ہے۔

سورت البروج میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاخدود کا تذکرہ فرمایا۔۔ کسی کافر بادشاہ نے مسلمانوں کو سزا دینے کے لیے خندقیں کھدوائیں اور انہیں خوب آگ سے بھروا کر دین پر ثابت رہنے والے مسلمانوں کو آگ میں جھونک دیا۔ قرآن نے بیان کیا کہ جن لوگوں کو ان کی

عورتوں اور بچوں سمیت آگ میں جھونکا جارہا تھا ان کا قصور کیا تھا؟

ان کا قصور یہ تھا کہ وہ اس اللہ پر ایمان لائے تھے جو غالب، زبردست اور خوبیوں کا مالک ہے۔ جس اللہ کی دو صفتیں اس کی ربوبیت کی دلیل ہیں۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البروج:9)

ایک صفت یہ ہے کہ وہ مالک ومختار اور متصرف وقادر ہے اور دوسری صفت یہ کہ وہ ہر چیز پر مطلع اور ہر ہر شئ سے واقف اور باخبر ہے۔ یعنی مالک ومتصرف اور مختار کل بھی ہے اور عالم الغیب بھی ہے۔

قیامت کے دن عیسائیوں سے ان کے شرک کی بابت پوچھا جائے گا کہ تم نے مریم اور ابن مریم کو معبود بنایا تھا؟ تم زندگی میں ان کی عبادت وپکار کرتے رہے اور ان کے نام کی نذر ونیاز دیتے رہے؟

عیسائی جواب میں کہیں گے کہ اس کا حکم ہمیں خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دے کر گئے تھے۔۔۔۔ مشرکین وکفار کی یہ پرانی عادت اور قدیم ریت ہے کہ وہ اپنے شرکیہ اعمال وافعال کے جواز کے لیے بزرگوں کا نام استعمال کرتے ہیں۔

نجران کے عیسائی وفد کے ذمہ داروں نے بھی امام الانبیاء ﷺ کے سامنے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ومعبودیت پر یہی دلیل پیش کی تھی کہ اس کی تلقین ودعوت تو خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔

اللہ رب العزت نے ان کی تردید میں فرمایا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ (آل عمران:79)

کسی ایسے بشر کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت عطا کرے یہ لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم سب رب

والے ہوجاؤ۔

قیامت کے دن جب عیسائی اپنے شرک کا تمام تر ملبہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ڈالنے کی مذموم کوشش کریں گے تو اللہ رب العزت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلا کر پوچھے گا:

أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ (المائدہ:116)

کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنالو۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جواب میں کہیں گے کہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں تھا، ایسی شرکیہ اور غلیظ بات کہنا تو بڑی دور کی بات ہے اس کا تو وسوسہ بھی میرے دل میں کبھی نہیں آیا۔

میں تو ماں کی گود سے لے کر تیرے حضور آنے تک ایک ہی دعوت دیتا رہا ہوں کہ معبود صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدہ:117)

جب تک میں موجود رہا تو میں ان پر نگران رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہی ہر چیز پر مطلع اور باخبر تھا۔

سورت الحج میں ارشاد باری ہے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (الحج:17)

یقیناً ایمان والے اور یہودی اور عیسائی اور مجوسی اور مشرکین ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ فیصلہ کردے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر مطلع اور باخبر ہے۔

یاد رہے کہ ان کے درمیان یہ فیصلہ نہیں ہوگا کہ حق پر کون ہے اور ان میں سے

باطل پر کون ہے؟ یہ فیصلہ تو امام الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرما کر اور قرآن کریم اتار کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسلام ہی سچا اور مبنی برحق مذہب ہے۔ یہاں فیصلے سے مراد وہ جزا اور سزا ہے جو کفار کو دی جائے گی اور فیصلے سے مراد وہ انعام و اکرام ہیں جو مومنین کا مقدر بنیں گے، اس جزا و سزا سے بھی مزید واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق کے راستے پر کون تھا اور باطل کی وادیوں میں سرگردان اور حیران پھرنے والا کون تھا؟

مشہور تابعی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اَلشَّهِيْدُ کا ایک معنی حاکم و مختار کا بھی کیا ہے۔۔۔جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے:

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (26) وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ (یوسف: 26.27)

عورت کی برادری کے ایک شخص نے شہادت دی (یعنی فیصلہ کیا) کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔

یہاں جس شخص کو شاہد بنایا جا رہا ہے وہ محل کے اندر بند کمرے میں موجود نہیں تھا بلکہ اس نے قرائن و حالات کو دیکھ کر فیصلہ کیا اور قرآن نے اسے شہادت اور گواہی قرار دیا۔

وہ مہربان کچھ لحات کے لیے ضد و عناد سے کنارہ کش ہو کر قرآن کی اس آیت پر غور کریں جو اپنی تقریر و تحریر میں عوام الناس کو ورغلاتے ہیں کہ شاہد کا معنی گواہ ہے اور گواہ کا موقع واردات پر موجود ہونا ضروری ہے چونکہ قرآن میں امام الانبیاء ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا ۔۔۔(ایک صاحب نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے اور اس آیت کا ترجمہ کیا ہے ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے)

زلیخا کے قبیلے کے جس شخص نے گواہی دی تھی کیا وہ موقع پر موجود تھا؟ ہرگز نہیں، پھر قرآن کریم میں اسے شاہد کیوں کہا گیا؟ یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ کا معنی حاکم کا ہے یعنی اس شخص نے قرائن وحالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا۔

شہادت کا ایک معنی بتلانا اور بیان کرنا بھی ہے۔ چنانچہ سورت آل عمران میں ارشاد ہوا:

شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران:18)

اللہ رب العزت اور فرشتے اور اہل علم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ انصاف کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب وحکمت والے کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔

یہاں شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہان میں جو کچھ پیدا فرمایا اور جو کچھ بنایا اس کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک تنکا اس کی معبودیت اور اس کی الوہیت کی دلیل ہے۔

جہان کو عربی میں عالَم کہتے ہیں اور عالَم علم سے مشتق ہے جس کے معنی جھنڈا ہے۔ جھنڈے کو عربی میں علم اس لیے کہتے ہیں کہ جھنڈا ملک کا اور جماعت کا نشان ہوتا ہے۔ اسی سے ایک لفظ علامت بھی ہے جس کا معنی نشانی ہے۔۔۔۔ جہان کو عربی میں علم اس لیے کہتے ہیں کہ اس جہان کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک پتہ اللہ رب العزت کی معبودیت کا نشان ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ آيَةٌ　　تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

دنیا کی ہر چیز اللہ رب العزت کی معبودیت ووحدانیت پر دلیل ہے۔

فارسی کے شاعر نے اسے یوں بیان فرمایا:

ہر گیاہ کہ از زمین روید وحدہ لاشریک لہ گوید

زمین سے اگنے والی گھاس کا ہر تنکا وحدہ لاشریک کا نغمہ گاتے ہوئے باہر نکلتا ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ـــــــ میں شہادت سے مراد بیان کرنا ہے یعنی اللہ رب العزت نے سابقہ کتب (تورات وانجیل) میں اپنی الوہیت ووحدانیت کو بیان فرمایا۔ اور قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنی توحید کو دلائل سے واضح فرمایا۔

اس آیت میں دوسری شہادت فرشتوں کی ہے جو اللہ کے مقرب ترین اور اس کے تکوینی امور کے اہلکار ہیں وہ بھی اسی حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا الٰہ کوئی نہیں۔

تیسری شہادت اولوالعلم کی ہے یہاں اولوالعلم سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء ربانیین ہیں ــــــ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء ﷺ تک اپنے اپنے وقت میں اور اپنے اپنے علاقے میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا کہ اللہ کے سوا الٰہ اور معبود بننے کے لائق اور کوئی نہیں۔

قرآن کریم نے گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف:59)

وَإِلٰى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف:65)

وَإِلٰى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف:73)

وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ

غَيْرُهٗ (الاعراف:85)

سیدنا نوح، سیدنا ہود، سیدنا صالح اور سیدنا شعیب علیہم السلام ہر ایک کی اولین دعوت وشہادت یہی تھی کہ اللہ ہی کو معبود مانو اس کے سوا کائنات میں کوئی بھی الٰہ بننے کے لائق نہیں ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے بت پرست والد کے سامنے اور پھر قوم کے سامنے اسی دعوت وشہادت کو پیش فرمایا۔

(مریم:42۔شعراء:71.72)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسی مسئلے کی تبلیغ فرمائی۔سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل کی کوٹھری میں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود سے لے کر آسمان پر تشریف لے جانے تک اسی مسئلے کو بیان فرمایا۔

(اس میں علمائے کرام کی بڑی فضیلت اور منقبت ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی شہادت اور ملائکہ وانبیائے کرام علیہم السلام کی شہادت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا مگر اس سے مراد صرف وہی علمائے کرام ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہیں اور اللہ کی الوہیت ومعبودیت کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اس راستے میں لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ کے حقیقی مصداق ہیں جو اپنی تقریر وتحریر میں شرک کی تردید کرتے ہیں)

شہادت کا معنی ہے بیان کرنے والا اور شَاهِدَ کا معنی ہوگا بَيِّنَ ۔۔۔اس معنی کو ذہن میں رکھ کر اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے جس سے اہل بدعت امام الانبیاء ﷺ کے حاضر وناظر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الاحزاب:45.46)

اے نبی! ہم نے بھیجا ہے آپ کو حق بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا آگاہ

کرنے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں شاہد کا معنی کیا ہے:۔۔۔حق بتانے والا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے معنی فرمایا:

اَلْمُرَادُ شَاهِدًا بِاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (روح المعانی)

شاہد سے مراد کلمہ اسلام کو بیان کرنا۔

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ پوری جرأت سے لوگوں کو بتائیں کہ متبنیٰ کی بیوی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح نہیں ہوتی اور یہ بھی بتائیں کہ کسی کو بیٹا کہہ دینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا اسی طرح کسی کو شفیع غالب کہہ دینے سے کوئی شفیع غالب نہیں بن جاتا۔

شہادت کے اس معنی کی تائید قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ (البقرہ:143)

یوں ہم نے بنایا تمہیں امت معتدل تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں بہترین اور خیر امت بنایا اور تمہیں یہ مرکزیت اس لیے عطا کی گئی ہے کہ میرا نبی تمہیں توحید اور دین کے احکام و فرائض بتائے اور تم دوسرے لوگوں تک میری توحید کا پیغام اور میرے دین کے احکام پہنچاؤ۔

اس آیت میں خطاب اصحاب رسول سے ہے اور شُهَدَآءَ، شہید کی جمع ہے جو شہادت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بیان کرنا۔ لہٰذا شہید اور شاہد کے معنی ہوں گے اللہ کی توحید بیان کرنے والا اور راہِ حق بتانے والا۔۔۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی یہی معنی موزوں اور مناسب ہیں کیونکہ اسی آیت میں اصحاب رسول کے لیے بھی شہداء کا لفظ استعمال

ہوا ہے۔ اس معنی ومفہوم کی تائید سورت آل عمران سے بھی ہو رہی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران:110)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے (نفع) کے لیے پیدا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

بعض حضرات نے اپنے کمزور وشرکیہ عقائد کے ثبوت میں کہا ہے کہ اس آیت میں شہید کے معنی گواہ کے ہیں اور گواہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔۔۔ اللہ رب العزت نے نبی اکرم ﷺ کو امت پر گواہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور اس کی حرکات وسکنات کو دیکھتے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! میں پیچھے بیان کر آیا ہوں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ایسے شخص کو شاہد (گواہ) فرمایا گیا جس نے زلیخا کی دست اندازی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا بلکہ محض علامات اور قرائن کی بنا پر گواہی دی تھی۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کے لیے مشاہدہ ضروری نہیں ہے اور فقہائے حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گواہی کے لیے واقعہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنا ضروری نہیں۔ (ہدایہ:3/157)

اگر یہاں شہید اور شہداء کا معنی گواہ کا ہو تو مراد وہی ہوگی جو مشہور تابعی سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے: لِتَكُونَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ أَنَّ الرُّسُلَ قَدْ بَلَّغَتْهُمْ (ابن جریر:2/6)

تاکہ یہ امت تمام لوگوں پر اس بات کی گواہی دے کہ ان کے پیغمبروں نے انہیں اللہ کے احکام پہنچائے تھے اور نبی اکرم ﷺ اپنی امت پر تبلیغ رسالت کی گواہی دیں۔

اس معنی ومفہوم کی تائید بخاری کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ قیامت کے دن سیدنا نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امت تک میرا پیغام پہنچایا تھا؟

سیدنا نوح علیہ السلام عرض کریں گے نَعَمْ یَا رَبِّ۔۔۔ ہاں میرے پروردگار! تیرے احکام اپنی امت تک پہنچائے گئے۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے پوچھیں گے: هَلْ بَلَّغَكُمْ۔۔۔ کیا انہوں نے تم تک پہنچائے تھے؟ سیدنا نوح علیہ السلام کی امت کہے گی: مَا جَاءَنَا مِنْ نَّذِيْرٍ۔۔۔ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا اور آگاہ کرنے والا نہیں آیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا: مَنْ شُهُوْدُكَ۔۔۔ آپ کے پاس اس کے کوئی گواہ ہیں؟ سیدنا نوح علیہ السلام جواب میں فرمائیں گے۔۔۔ مُحَمَّدٌ وَاُمَّتُهٗ۔۔۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم سیدنا نوح علیہ السلام کی گواہی دو گے۔ (بخاری: 2/1092)

بعض روایات میں ہے کہ امت محمدیہ کی گواہی سن کر سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم اعتراض کرے گی کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو تم تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے۔ امت محمدیہ جواب دے گی:

جو کتاب اللہ رب العزت نے ہمارے نبی پر نازل کی تھی اس میں تمہارا تذکرہ موجود تھا۔

سامعین گرامی قدر! میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بیان کر آیا ہوں کہ شہید کا لفظ نگران اور نگہبان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں دیکھوں گا کہ میری امت کے کچھ لوگ جہنم کی جانب ہانکے جا رہے ہوں گے انہیں دیکھ کر میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں' انہیں کہاں لے جا رہے ہو؟ فرشتے جواب میں کہیں گے:

إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ

آپ کے بعد انہوں نے جو کچھ دین میں اضافہ کیا تھا وہ آپ کو معلوم نہیں۔

فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ

میں جواب میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ نے کہا تھا۔

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدہ:117)

جب میں ان میں موجود تھا ان پر نگران رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔(بخاری:2/665)

اس حدیث میں امام الانبیاء ﷺ نے خود بیان فرمادیا کہ جب تک میں ان میں موجود رہا ان کے حالات سے آگاہ رہا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا گواہ ہونا صرف آپ کی حیاتِ طیبہ کے لوگوں کے لیے ہے۔۔۔ ہر ہر امتی پر آپ گواہ نہیں ہیں۔

سورت الانعام میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت وطاقت اور اپنے تصرف واختیار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام:18)

اگر اللہ تجھے کوئی دکھ اور تکلیف پہنچانا چاہے (مثلاً بیماری، تنگدستی، مصیبت) تو اسے اللہ کے سوا دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر اللہ تجھے کوئی خیر، بھلائی اور نفع پہنچانا چاہے (تو اسے روکنے والا کوئی نہیں) کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

آگے فرمایا: میرے پیغمبر! ان سے پوچھو:

أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً

سب سے بڑا گواہ کون ہے؟

میرے پیغمبر خود ہی کہہ دے:

اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔

جس نے میری رسالت ونبوت کی گواہی قرآن میں دی اور جس نے عقلی دلائل سے اور آگے آنے والی دلیل وحی سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ چونکہ عالم الغیب اور مختار کل صرف وہی ہے اس لیے کائنات کا الٰہ اور معبود بھی صرف اور صرف وہی ہے۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے حجۃ الوداع میں منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا

تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت وآبرو اور تمہارے بدن کے چمڑے ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے اس دن اس مہینے کی حرمت اور اس شہر کی حرمت۔

اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ۔۔۔ سنو! کیا اللہ کا حکم میں نے تم تک پہنچا دیا ہے؟

قُلْنَا نَعَمْ ۔۔۔ (ہم نے جواب میں) کہا ہاں آپ نے اللہ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ۔۔۔ اے اللہ! تو بھی ان پر گواہ بن جا۔

پھر آپ نے فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

نتیجہ | جب اَلشَّهِيْدُ اللہ رب العزت کا اسم گرامی ہے اور وہ ہماری ہر حرکت سے باخبر اور مطلع ہے ۔۔۔ وہی ہم پر نگران اور نگہبان ہے تو پھر ہمیں اپنی زندگی کے نشیب وفراز میں

اور زندگی کے ایک ایک لمحہ میں اللہ رب العزت سے ڈر کر معاملات کو درست رکھنا چاہیے۔ اس کی حکم عدولی اور نافرمانی سے حتیٰ الوسع بچنا چاہیے۔ ایک معصوم بچے کے سامنے ہم زنا و بے حیائی کا کام نہیں کرتے پھر تنہائی میں یہ کام کرتے ہوئے ہمارا خیال ہوتا ہے کہ اوپر والا دیکھ رہا ہے؟

آج تاجر کم تول رہا ہے۔۔۔ مال میں ملاوٹ کر رہا ہے۔۔۔ دو نمبر مال ایک نمبر بنا کر فروخت کر رہا ہے۔۔۔ گاہک کو دھوکہ اور فریب دے رہا ہے۔۔۔ جھوٹ بول کر سودا بیچ رہا ہے۔۔۔ آج مقروض قرضہ لینے کے بعد ادا کرنے میں کوتاہی کر رہا ہے۔۔۔ آج امانت میں خیانت کا ارتکاب عام ہے۔۔۔ آج دفتروں میں رشوت کا بازار گرم ہے۔۔۔ آج وراثت میں کمزور وارثوں کے حق کو دبایا جا رہا ہے۔۔۔ اور بہنوں کو وراثت سے محروم کیا جا رہا ہے۔۔۔ آج ظلم کا بازار گرم ہے۔۔۔ غریب پروری مفقود ہے۔۔۔ خیر خواہی کا جذبہ معدوم ہے۔۔۔ غیبت اور الزام تراشی نے فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اگر ہم اللہ رب العزت کو اَلشَّهِيْدُ مانتے ہیں تو پھر ہمیں اپنی زندگی کے تمام تر معاملات میں اللہ سے ڈرنا ہوگا اور اس کی ہر نافرمانی سے بچنا ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اَلْھَادِیُ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الحج:54)

یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَر

وَکَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّنَصِیْرًا (الفرقان:31)

اور تیرا رب ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَر

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ (المومن:33)

جسے اللہ گمراہ کردے پھر اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔

سامعین گرامی قدر! آج جمعۃ المبارک کے خطبہ میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک بہت ہی حسین اور جمیل نام اَلْھَادِیُ کی تشریح اور وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

علمائے کرام نے اَلْھَادِیُ کی تعریف اور وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

اَلَّذِیْ ھَدٰی سَائِرَ الْخَلْقِ مِنَ الْحَیَوَانِ اِلٰی مَصَالِحِھَا وَاَلْھَمَھَا کَیْف

تَطْلُبُ الرِّزْقَ وَ كَيْفَ تَتَّقِي الْمَضَارَّ وَالْمَهَالِكَ

اَلْهَادِیُ وہ ہستی ہے جو اپنی تمام مخلوق کو ان کے مصالح کی ہدایت بخشتا ہے ان کی فطرت میں ودیعت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی روزی کیسے تلاش کرنی ہے اور نقصان دہ چیزوں سے اور مہلک اشیاء سے کیسے بچنا ہے۔

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْهَادِیُ کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

اَلَّذِیْ هَدٰی خَلْقَهٗ اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ وَرُبُوْبِیَّتِهٖ وَهُوَ الَّذِیْ هَدٰی عِبَادَهٗ اِلٰی صِرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ

اَلْهَادِیُ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی اپنی ربوبیت اور معرفت کی جانب راہنمائی کرتا ہے (جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) (یونس:25)

ہدایت کا ایک معنی ہے اِرَاءَۃُ الطریق۔۔۔فارسی میں کہیں گے راہ نمودن، یعنی راستہ دکھانا۔۔۔اور ہدایت کا ایک معنی ہے ایصال الی المطلوب۔۔۔فارسی میں کہتے ہیں بمنزل رسیدن، یعنی ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچا دینا۔

ہدایت کے کئی مراتب ہیں۔ ایک ہدایت فطری ہدایت ہے۔ جو ہر مخلوق، نباتات، جمادات اور حیوانات تک کو حاصل ہے۔ یہ ہدایت ہر جاندار کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اسے فطری تقاضوں اور خواہشات کو پورا کرنے کے طور طریقے سکھا دیئے۔ اسی حقیقت کو سورت الاعلیٰ میں بیان فرمایا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۔ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (اعلیٰ:3-1)

اپنے بہت ہی بلند و بالا اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر (یعنی اسے ہر قسم کے عیوب و نقائص، کمزوریوں اور خامیوں سے پاک سمجھ، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی ساجھی ہے) جس اللہ نے تمام مخلوق کو بنایا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا

جس نے اندازہ مقرر کیا (اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع واقسام، صفات اور خصوصیات کا اندازہ مقرر کرنا مراد ہے) پھر (ان اشیاء سے نفع مند ہونے کی) راہ دکھائی۔

ہدایت کے اس معنیٰ کو ایک دوسرے مقام پر بھی ذکر فرمایا۔۔۔ جب سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں اپنی رسالت ونبوت کا اعلان فرمایا:

إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ (طٰہٰ:47)

ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں۔

اس کے جواب میں فرعون نے کہا:

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوسٰى (طٰہٰ:49)

اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب کا تعارف ان الفاظ میں فرمایا:

رَبُّنَا الَّذِىٓ أَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:50)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص شکل وصورت عطا فرمائی۔ (یعنی انسان کو اس کے مناسب حال شکل وصورت دی، جانوروں کو ان کے مناسب، درندوں اور پرندوں کو ان کے مناسب حال) پھر ہر ایک کو راہ سمجھا دی۔

یہ ہر مخلوق کو ہدایت دینا، راہ سمجھانا اور نفع اٹھانے کی سمجھ اور نقصان سے بچنے کے طریقے سمجھانا کیا ہے؟ ثُمَّ هَدٰى کا مفہوم کیا ہے؟ اسے مشہور عالم دین مولانا ابوالکلام آزاد نے بڑے خوبصورت اور حسین انداز میں بیان فرمایا۔

انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب وہ پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ اسے زور زور سے چوسنا ہے، بلی کے بچوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں، ابھی ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں لیکن ماں جوش محبت میں انہیں چاٹ رہی ہے اور وہ اس کے سینے

پر منہ مار رہے ہیں، یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے جسے خارج موثرات نے چھوا تک نہیں کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اسے پستان منہ میں لے لینا چاہیے اور اس کی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کونسا فرشتہ ہے جو اس وقت اس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کرے؟ یقیناً وہ وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اس کے کہ حواس وادراک کی روشنی نمودار ہو ہر مخلوق کو اس کی پرورش و زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے۔ تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے اس حالت کا اسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں تاہم اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتا دیتی ہے کہ تیاری وحفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہئیں، جونہی وضع حمل کا وقت آتا ہے خود بخود اس کی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور وہ کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچے دیتی ہے اور پھر یکایک اس کے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔

غور کرو! یہ کون سی قوت ہے جو بلی کے اندر خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ ایسی جگہ کی اسے ضرورت ہوگی؟ یہ کون سا الہام ہے جو اسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور ان کی بو سونگھتا پھرتا ہے اس لیے جگہ بدلتے رہنا چاہیے۔ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر موجود ہے اور جو ان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔ (ام الکتاب)

سامعین گرامی قدر! انجلا بھڑ کی ایک قسم ہے وہ جب انڈے دینا چاہتی ہے تو گڑھا کھودتی ہے، پھر اس گڑھے میں انڈے دیتی ہے، پھر ایک کیڑے کے دماغ پر جا کر ڈنگ مارتی ہے تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے مرے نہیں، پھر کیڑے کو اٹھا کر لاتی ہے اور

گڑھے میں ڈال دیتی ہے اور خود اڑ کے چلی جاتی ہے۔اس کے بچے جب انڈوں سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے سامنے غذا اور کھانا تیار پڑا ہے وہ اسے کھا کر قوت حاصل کرتے ہیں۔نہ ان بچوں نے اپنی ماں کو دیکھا نہ باپ کو۔۔۔نہ انہیں کسی نے پڑھایا نہ بتایا نہ سمجھایا۔یہ مفہوم ہے:

اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

ہر چیز کو پیدا کر کے اللہ نے اسے اس کی ہدایت عطا فرمائی۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل وصورت،قویٰ،خواص وغیرہ عنایت فرمائے اس کمال حکمت سے جیسا بنانا چاہیے تھا بنایا پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود وبقا کے لیے جن سامانوں کی ضرورت تھی مہیا کیے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سمجھائی پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہیے۔

اللہ رب العزت اَلْهَادِیُ ہے،جو بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان منہ میں لینے اور دودھ چوسنے کا ڈھنگ سکھاتا ہے۔چوزوں کو انڈے سے باہر آتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سمجھا دیتا ہے۔۔۔شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے۔تین انڈوں سے تین چوزے نکلتے ہیں۔ایک چوزہ کو پانی میں ڈال دیں تو وہ تیرنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔دوسرے کو زمین پر چھوڑیے تو وہ چلنا شروع کر دیتا ہے،تیسرے کو ہوا میں اڑائیے تو وہ اڑنا شروع ہو جاتا ہے،یہی اَلْهَادِیُ کی ودیعت کردہ ہدایت ہے۔

ہدایت کسبی: اب تک میں نے ایسی ہدایت کے متعلق گفتگو کی ہے جو فطری ہدایت ہے۔اور انسانوں کے علاوہ جانوروں،درندوں،پرندوں اور حشرات الارض تک کو ودیعت

کی گئی ہے۔ ہدایت کی دوسری قسم ہے کبی ہدایت ۔۔ جو ہدایت انبیائے کرام علیہم السلام لے کر تشریف لائے اور جس ہدایت کے لیے آسمانی کتابیں نازل فرمائی گئیں۔

جو شخص جستجو کرے اور ہدایت کو پالے تو یہ مومن کہلاتا ہے اور جو اس ہدایت کے پہنچنے کے بعد اس سے اعراض کرتا ہے وہ کافر و مشرک ٹھہرتا ہے۔ پہلی کتابوں کو بھی ہدایت کا سرچشمہ بنا کر اتارا گیا۔۔۔ ارشاد باری ہے:

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا (بنی اسرائیل:2)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (تورات میں اسی مسئلے کو بیان کیا تھا) کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔

بنی اسرائیل کی پیشوائی اور رہنمائی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی مقصد کو بیان فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (السجدہ:24)

اور ہم نے بسبب ان کے صبر کرنے کے بنی اسرائیل میں پیشوا بنائے جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

قرآن کے نزول کا مقصد بھی یہی بیان کیا گیا کہ لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر۔۔۔ توحید اور اسلام کے نور اور روشنی کی جانب لایا جائے۔۔۔ قرآن کتاب برکت بعد میں ہے اور صحیفۂ ہدایت پہلے ہے۔

ارشاد باری ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ (البقرہ:185)

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے نری ہدایت ہے۔

دوسری جگہ پر یوں ارشاد ہوا:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ (بنی اسرائیل:9)

یقیناً یہ قرآن اس راستہ کی راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔

جنات کا داخلہ آسمان کی طرف بند ہوا تو وہ زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل کر یہ کھوج لگانے لگے کہ دنیا میں کوئی ایسی نئی بات وقوع پذیر ہوئی ہے جس کی بنا پر ہمارا داخلہ آسمانوں میں بند ہو گیا ہے۔۔۔ان جنات میں سے ایک ٹولی کا رخ وادیٔ نخلہ کی جانب ہوا جہاں نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے غور سے قرآن سنا اور سمجھ گئے کہ وہ نئی بات اور اہم واقعہ جس کے نتیجے میں ہم پر آسمان کی بندش ہوئی ہے یہی ہے۔ جنات کی اس جماعت نے اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور کہا ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔۔۔اور وہ کتاب يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۔۔۔حق کی طرف راہبری اور رہنمائی کرتی ہے۔

اسی واقعہ کو سورت الجن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جنوں نے اپنی قوم کو کہا:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا. يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (الجن:2-1)

ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اب ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے۔

سامعین گرامی قدر! جنات کے اس بیان پر ذرا غور فرمائیں۔۔۔کہ انہیں پہلی مرتبہ قرآن سن کر یہ حقیقت سمجھ آ گئی کہ قرآن کے نزول کا مقصد ہدایت دینا ہے اور یہ کتاب ہدایت ہے۔۔۔مگر آج کے مسلمان کہلانے والے کو آج تک قرآن کے نزول کا مقصد سمجھ نہ آسکا۔۔۔یہ اسے فقط کتاب برکت ہی سمجھتا رہا۔۔۔یہ قرآن کو قول و قرار کی کتاب سمجھتا رہا۔۔۔یہ قرآن جیسی عظیم کتاب ہدایت کو تعویذوں اور منتروں والی کتاب ہی

سمجھتا رہا۔

جنات نے غور سے قرآن سنا تو انہیں اس حقیقت کی بھی خبر ہوگئی کہ قرآن منوانا کیا چاہتا ہے؟ قرآن کا مدعا کیا ہے؟ کہنے لگے: وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔۔۔ہم اللہ کی توحید پر ایمان لائے اسی کی معبودیت وربوبیت کے قائل ہوئے ہم اس کی ذات وصفات میں کسی کو بھی شریک اور ساجھی نہیں بنائیں گے۔

ہدایت کے چار درجے ہدایت کے چار درجے ہیں۔۔۔ہدایت کا پہلا درجہ ہے انابت۔۔۔یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا اور ہر قسم کی ضد وعناد، ہٹ دھرمی اور دھڑے بندی کو چھوڑ کر راہِ ہدایت کی جستجو اور تلاش اور طلب کرنا۔۔۔ہدایت صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن میں رجوع الی اللہ، تلاشِ حق کی تڑپ اور جذبہ ہو۔۔۔یاد رکھیے! ہدایت اسے ملتی ہے جو طالب ہو اور اگر طالب نہ ہو تو پھر کوئی ابوطالب بھی ہو تو وہ ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

تیز بارش برس رہی ہو اور کوئی شخص کھلے میدان میں برتن کو الٹا رکھ دے۔۔۔ ایک قطرہ بھی بارش کے پانی کا برتن میں نہیں آئے گا۔۔۔بارش کا پانی حاصل کرنے کے لیے برتن کو سیدھا اور آسمان کے رخ پر رکھنا ضروری ہے۔۔۔اسی طرح قرآن کی بارش اور تعلیماتِ نبوی کی بارش کے قطرے اس دل میں آئیں گے جس نے دل والے برتن کا منہ سیدھا رکھا۔

قرآن نے اس حقیقت کو کئی جگہوں پر بیان فرمایا۔ایک جگہ پر فرمایا:

وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد:27)

اپنی طرف رجوع کرنے والے کو ہدایت دیتا ہے۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا:

وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ:13)

اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کو ہدایت دیتا ہے۔

دوسرا درجہ بندے کی طرف سے انابت، اور رجوع الی اللہ کا شوق دیکھ کر اللہ اسے ہدایت کی دولت اور نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے، اسے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے، وہی سیدھا راستہ جس کی بندے نے جستجو اور تلاش کی ہے۔

تیسرا درجہ بندے کی طرف سے انابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی نعمت سے جب نوازتے ہیں اور مومن بندے پر مصائب ومشکلات کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے ہیں۔۔۔ فتوے لگتے ہیں۔۔۔ پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔۔۔ بہتان تراشے جاتے ہیں۔۔۔ راستے روکے جاتے ہیں۔۔۔ گرفتار کرنے، وطن سے بے وطن کرنے اور قتل کرنے کی تدبیریں اور مشورے ہوتے ہیں۔۔۔ ان حالات میں بندۂ مومن پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شاہراہ ہدایت پر استقامت اختیار کرے، مضبوطی اور پختگی سے ہدایت پر قائم رہے اور استقامت کا مظاہرہ کرے۔

قرآن نے اسے یوں بیان فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدہ:30)

یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اس آیت میں قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ میں ہدایت کا ذکر ہے اور ثُمَّ اسْتَقَامُوا میں استقامت کا تذکرہ ہے۔

چوتھا درجہ راہِ ہدایت پر بندے کی پختگی اور استقامت کو دیکھ کر اللہ رب العزت کی

طرف سے اس کے لیے ایک انعام مقرر اور مقدر کر دیا جاتا ہے جسے ربطِ قلب کہتے ہیں۔

یہ درجہ ہدایت کا سب سے اونچا اور اعلیٰ درجہ ہے۔۔۔ جب کسی مومن کو ایمان ویقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے۔۔۔ تو دنیا کی کوئی طاقت اور شیطان کا کوئی حربہ اور چال اسے راہِ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی۔۔۔ ربطِ قلب ہدایت کا آخری درجہ ہے۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ درجہ بدرجۂ اتم اور کمال کی حد تک حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اصحابِ رسول اور اولیاء کرام کو بھی ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ربطِ قلب کا یہ شرف عطا ہوتا ہے۔

اصحابِ کہف اللہ رب العزت نے سورت الکہف میں اصحابِ کہف کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے ربطِ قلب کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے کہ ایک مشرک قوم میں سے چند نوجوانوں نے جب انابت کر کے راہِ ہدایت کو اختیار کیا اور شرک سے اور غیر اللہ کی معبودیت سے اعلانِ بغاوت کیا تو پوری قوم اور وقت کا بادشاہ ان کے دشمن بن گئے۔ ان کے قتل کی تدبیریں ہوئیں تو انہوں نے ایمان کی دولت کو چھوڑنے کے بجائے بڑی جرأت کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت اختیار کر لی۔۔۔ بادشاہ کے دربار میں ان کی تقریر کو قرآن نے جگہ دی، انہوں نے کتنی جرأت اور استقامت سے اللہ کی توحید بھی بیان کی اور قوم کے شرکیہ عقائد کی تردید بھی کی۔۔۔ دین کے راستے میں آنے والے مصائب اور تکالیف پر ان کی استقامت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں ربطِ قلب کا عظیم مرتبہ اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا۔

ارشادِ باری ہے:

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى. وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (کہف:13)

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے (یہ ان کی ہدایت کا ذکر ہے) اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی (یہ ان کی استقامت کا تذکرہ ہے) اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے تھے (یہ ربطِ قلب کا ذکر ہے)

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد اصحابِ رسول کو بھی اس شرف سے مالامال فرمایا

گیا۔۔۔ان کو دین پر استقامت اختیار کرنے کی بدولت اللہ رب العزت نے ربطِ قلب کی عظیم نعمت سے سرفراز کیا۔۔۔اور ایسا سرفراز کیا کہ ان کے ایمان کی گواہی قرآن نے مختلف مقامات پر دی اور بڑے مستحکم انداز میں دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَكِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات:7)

لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین کر دیا اور کفر و گناہ اور نافرمانیوں کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

جس طرح ہدایت کے چار درجے ہیں اسی طرح ضلالت کے بھی چار درجے ہیں۔۔۔پہلا درجہ ہے شک۔۔۔دوسرا ضلالت۔۔۔تیسرا درجہ ہے جدال۔۔۔اور چوتھا درجہ ہے طبع علی القلب۔۔۔یعنی مہر جبارِیت۔۔۔ان چاروں درجوں کو سورت المومن کی آیت نمبر 34 اور آیت نمبر 35 میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ہدایت کے فیصلے اَلْهَادِیْ کے اختیار میں

امام الانبیاء ﷺ کا فریضہ تھا راہِ ہدایت دکھانا، اس معنی میں آپ ہادی تھے مگر کسی کو ہدایت کے راستے پر گامزن کرنا یہ صرف اَلْهَادِیْ کی صفت ہے۔

امام الانبیاء ﷺ اپنے ہر خطبہ کی ابتداء میں پڑھتے تھے:

مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ

جس کو اللہ ہدایت نصیب کرے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے راہِ راست پر لانے والا کوئی نہیں ہے۔

آپ کی دلی تمنا تھی کہ میرا چچا کلمہ پڑھ لے۔۔۔وہ ایک مرتبہ زبان سے لا الٰہ الا

اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرلے تاکہ قیامت کے دن میں اللہ کے دربار میں اس کی مغفرت کی سفارش اور شفاعت کروں۔۔۔ آپ نے موت کے وقت ابوطالب سے بار بار اس کی درخواست بھی کی مگر وہاں موجود روسائے قریش کی موجودگی کی وجہ سے ابوطالب نے کلمہ کا اقرار نہ کیا اور وہ قبول ایمان کی سعادت سے محروم رہے۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ کو اس کا بڑا صدمہ پہنچا اور آپ روتے ہوئے وہاں سے اٹھ آئے۔۔۔ اللہ رب العزت نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (قصص:56)

آپ جسے پسند کرتے ہوں اسے ہدایت نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کردیتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں سے وہی واقف اور آگاہ ہے۔

امام الانبیاء ﷺ نے تیرہ سال مکہ کے لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کے سنایا۔۔۔ ایک لمحہ کے لیے غور تو کیجیے! ایت اللہ ہو۔۔۔ پڑھا جارہا ہو قرآن۔۔۔ اور پڑھنے والا ہو محمد رسول اللہ ﷺ۔۔۔ کیا سہانا منظر ہوگا۔۔۔ کیسی تاثیر ہوگی۔۔۔ مگر ابوجہل نے نہیں مانا۔۔۔ ابولہب کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔۔۔ انہوں نے معجزات دیکھنے کے باوجود نہیں مانا۔۔۔ کمالات محمدی ﷺ دیکھ کر بھی ہدایت نہیں لی۔

ادھر ابوجہل کا بیٹا عکرمہ فتح مکہ کے دن بھاگ کر جارہا ہے، کشتی میں سوار ہوا اور کشتی کے ملاح نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ دریاؤں کی طغیانیوں میں سوائے اللہ کے کوئی کام نہیں آتا۔۔۔ عکرمہ کہتا ہے ملاح نے بات کی اور میرے دل میں اتر گئی اور مجھے سمجھ آگئی کہ اگر دریاؤں میں اللہ کے سوا کوئی کام نہیں آتا تو پھر خشکی میں بھی اس کے سوا کام آنے والا اور کوئی نہیں۔۔۔ باپ کے دل میں نبی اور قرآن کی بات نہیں اتری اور بیٹے کے دل میں ملاح کی بات اتر گئی اور عکرمہ کی ہدایت کا سبب بن گئی۔

فرعون معجزہ دیکھنے کے باوجود ہدایت سے محروم رہا اور جادوگر ایک لمحہ میں ہدایت سے سرفراز کر دیئے گئے۔ سچ کہا ہے کہ اللہ کے قرآن نے:

مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ (کہف:17)

جس کو اللہ ہدایت دینا چاہے وہی ہدایت پاتا ہے۔

ایک جگہ پر اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لَیۡسَ عَلَیۡکَ ہُدٰىہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (البقرہ:272)

آپ پر ان کی ہدایت لازم نہیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

جو خوش نصیب لوگ اس دنیا میں ہدایت سے سرفراز ہوئے وہ قیامت کے دن جنت کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ اہل جنت کی اس بات کو قرآن میں یوں فرمایا گیا:

الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ (الاعراف:43)

تمام صفات کارسازی اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس مقام (جنت) تک پہنچایا اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتے تو ہم اس کی راہ نہ پاتے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَیُصۡلِحُ بَالَہُمۡ۔ وَیُدۡخِلُہُمُ الۡجَنَّۃَ (محمد:5)

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کو سنوار دے گا اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس سے واضح ہوگا کہ سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا صرف اللہ رب العزت ہے:

قُلۡ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ قُلِ اللّٰہُ یَہۡدِیۡ لِلۡحَقِّ اَفَمَنۡ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا یَہِدِّیۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّہۡدٰی فَمَا لَکُمۡ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ (یونس:35)

آپ کہیں (اے مشرکین!) کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہو آپ کہہ دیجیے اللہ ہی حق کے راستے کی راہنمائی کرتا ہے تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر راہنمائی کیے خود ہی راستہ نہ سوجھے پس تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

اللہ رب العزت ہادی ہے وہی بندوں کو امورِ معاش کی اصلاح کی ہدایت فرماتا ہے۔۔۔ وہی انبیائے کرام علیہم السلام کو حقائق اصلیہ اور حق کی حقیقت سے آگاہ فرماتا ہے۔۔۔ وہی کشف والہام سے مخلصین کو راہِ راست دکھاتا ہے۔۔۔ وہی اربابِ عقل ودانش کو عقل وحکمت کی ہدایت فرماتا ہے۔۔۔ وہی رشد ورضوان کی طرف مومنین کی راہنمائی فرماتا ہے۔۔۔ مگر کفار ومشرکین کاذب وفاسق اور خائن وبدیانت اس کی ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

شفقت کرنے والا۔۔۔۔۔۔بہت نرمی کرنے والا

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحج:65)

بیشک اللہ لوگوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج خطبہ جمعۃ المبارک میں آپ حضرات کے سامنے میں اللہ رب العزت کے ایک انتہائی پیارے اور معروف نام "الرؤف" کا معنی و مفہوم اور تشریح وتفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ رب العزت کی صفت رأفت۔۔۔۔۔۔رحمت کے معنی میں ہے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ رأفت مہربانی اور رحمت کے بعد والا درجہ ہے۔۔۔۔۔۔رحمت کی شدت کو رأفت کہتے ہیں لہٰذا "الرؤف" اس ذات کو کہیں گے جو مشفق و مہربان ہو اور حد درجہ رحم کرنے والی ہو۔ ہر ذی عقل یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ رحم وہی کر سکتا ہے جو مشفق و مہربان ہو۔۔۔۔۔۔ جس میں شفقت ومہربانی کا جذبہ نہ ہو وہ رحم کیسے کر سکتا ہے۔

امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "الرؤف" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر آسانی اور مہربانی کا معاملہ کرنے والی ہو، اس لیے کہ وہ مشفق و مہربان اپنے بندوں پر ایسا

بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کے اٹھانے کی طاقت بندوں میں نہ ہو۔

حج زندگی میں صرف ایک بار فرض کیا ہے وہ بھی ایسے شخص پر جو مالی اور جسمانی اعتبار سے وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔۔۔ زکوۃ کا نصاب مقرر فرمایا اور مال میں سے قلیل ترین حصہ مقرر فرمایا۔

روزہ مقیم اور صحتمند بندے پر فرض فرمایا۔۔۔ اس میں شیخ فانی کو فدیہ دینے کی چھوٹ عطا کردی۔۔۔ نماز فرض فرمائی۔۔۔ پھر کوئی قیام نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی۔۔۔ رکوع وسجدہ کرنے سے قاصر ہے تو اشارے سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔۔۔ وضو کرنے کے قابل نہیں یا پانی موجود نہیں تو تیمم کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی۔

سامعین گرامی قدر! رؤف ایسے شخص کو کہتے ہیں اور رأفت ایسی شفقت کو کہتے ہیں جو کسی کی کمزوری، عاجزی، بے کسی اور لاچاری کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔۔۔ جسے ہم ترس سے تعبیر کردیتے ہیں۔

قرآن کریم نے رأفۃ کو اسی معنی میں بیان فرمایا ہے۔۔۔ سورت النور میں زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو سو کوڑے مارنے کا ذکر ہوا۔۔۔ پھر فرمایا:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ (النور:2)

اللہ کی بیان کردہ شرعی حد کے جاری کرتے ہوئے تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیے۔

یہاں رأفۃ نرمی اور ترس کھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

"الرؤف اللہ رب العزت کی خاص صفت ہے اور خالق کائنات نے اپنی یہ صفت کئی صورتوں میں ظاہر فرمائی ہے۔ زمین وآسمان میں قدرت کے جو مناظر پھیلے ہوئے ہیں اور جو انعام واکرام انسانوں پر ہوئے ہیں، کائنات کی ہر چیز کو انسان کے نفع اور فائدہ کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔۔۔ یہ دریاؤں اور سمندروں کی روانی۔۔۔ یہ سورج کی

تمازت۔۔۔ یہ چاند کی ضیا پاشیاں۔۔۔ یہ ستاروں کا جگمگانا۔۔۔ یہ رات اور دن کا آنا جانا۔۔۔ یہ موسموں کا تغیر وتبدل۔۔۔ یہ ہواؤں کا چلنا۔۔۔ یہ نباتات وجمادات۔۔۔ یہ نوع بہ نوع کھانے کی اشیاء۔۔۔ یہ پھولوں کے رنگ اور خوشبو یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی شفقت ومہربانی ہی تو ہے۔

چنانچہ قرآن میں ایک جگہ پر اللہ رب العزت نے اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر کیا۔۔۔ پھر خود انسان کی تخلیق نجس پانی کے قطرے سے بیان فرمائی۔۔۔ پھر جانوروں کا ذکر کیا جن میں سے کچھ کا گوشت کھاتے ہو۔۔۔ ان کی اون سے لباس بناتے ہو۔۔۔ ان سے نفع حاصل کرتے ہو۔۔۔ وہ بار برداری کے کام آتے ہیں۔۔۔ پھر آسمان سے بارش کے برسانے کا ذکر ہوا۔۔۔ پھر اس پانی کے ذریعہ حاصل ہونے والے پھلوں کا تذکرہ کیا۔۔۔ پھر رات اور دن کے اور سورج، چاند اور ستاروں کے مسخر ہونے کو بیان فرمایا۔۔۔ پھر سمندروں کا تذکرہ ہوا۔۔۔ اس میں مچھلی کے تازہ گوشت کو بیان فرمایا۔۔۔ کشتیوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر ہوا۔۔۔ پھر ڈولتی زمین پر پہاڑوں کی میخوں کا تذکرہ کیا۔۔۔ پھر نہروں اور راستوں کی نعمت کا بیان ہوا۔۔۔ ان تمام انعامات اور نعمتوں کے تذکرہ کے درمیان میں فرمایا:

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (النحل:7)

یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔

آیئے ایک اور مقام کی سیر کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ سورت الحج ہے یہاں اللہ نے بندوں پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ۔۔۔ اللہ ہی ہے جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے (تو دن بڑے ہو جاتے ہیں) اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (تو راتیں بڑی ہو جاتی ہیں) وہی ہے جو ہر ایک کی پکار کو سنتا اور ہر ایک کی ہر حالت کو دیکھتا ہے۔۔۔ اسی نے آسمان سے بارش برسا کر زمین کو سرسبز وشاداب کرنے کے انتظام کیے

ہیں۔۔۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے وہی غنی اور حمید ہے۔۔۔اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں (جانور، نہریں، سمندر، درخت، اناج) تمہارے تابع کر دیئے ہیں۔۔۔ کشتیاں اسی کے فرمان سے پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔۔۔آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا بلکہ اسے تھام کے رکھا ہوا ہے۔۔۔ان تمام انعامات ومہربانیوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (الحج:65)

بیشک اللہ لوگوں پر شفقت ونرمی اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ رب العزت کی مہربانیوں اور شفقتوں میں سے یہ بھی ایک مہربانی اور شفقت ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال میں سے کسی عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

امام الانبیاء ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ تقریباً سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے تمام نمازیں ادا فرماتے رہے۔۔۔سترہ مہینے کے بعد حکم ہوا کہ عبادت کے وقت اپنا رخ بیت المقدس کی طرف نہیں بیت اللہ کی جانب کرنا ہے اب تمہارا قبلہ وکعبہ بیت المقدس نہیں بیت اللہ ہے۔

بعض صحابہ کے ذہن میں یہ اشکال اور شبہ پیدا ہوا کہ جو صحابہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے دور میں انتقال کر گئے ہیں یا ہم جتنا عرصہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں۔۔۔کیا یہ نمازیں ضائع ہو گئیں؟ کیا ان نمازوں کا ثواب ملے گا؟

اس اشکال کو دور کرنے کے لیے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (البقرہ:143)

اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔

وہی اللہ "الرؤف" ہے جس نے اپنے کامل بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر کھلی کھلی آیات اتاریں جس میں انسانوں کے لیے مختلف احکام بیان ہوئے، ان میں اوامر کا ذکر بھی ہے اور نواہی کا تذکرہ بھی، عقلی دلائل بھی اور گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور قوموں کے احوال بھی۔۔۔ تمثیلات بھی اور تنبیہات بھی۔۔۔ تاکہ وہ عبد کامل لوگوں کو شرک و کفر اور جہالت وضلالت کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور ہدایت کے نور اور روشنی کی طرف لائے۔

اسی کو سورت الحدید میں بیان فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ (الحدید:9)

وہی اللہ ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے یقیناً اللہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

یہ بھی "الرؤف" کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں اسی دنیا میں آگاہ کر دیا کہ آخرت میں تمہارا ایک ایک عمل اور تمہاری ایک ایک حرکت تمہارے سامنے آجائے گی۔۔۔ اس دن پچھتاؤ گے مگر پچھتانا تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا۔۔۔ اس کی شفقت ہے کہ اپنی سزاؤں اور اپنے عذاب سے ہمیں ڈرایا تاکہ ہم اس کی نافرمانیوں سے بچ کر زندگی گذاریں اور قیامت کے دن اس کی ناراضی اور اس کے غضب سے بچ جائیں۔

اسی حقیقت کو سورت آل عمران میں بیان فرمایا: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران:30)

جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں اور برائیوں کو اپنے سامنے موجود پائے گا تو

آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت دوری ہوتی اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفقت کرنے والا ہے۔

اور یہ بھی "الرؤف" کی شفقتوں اور مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کے حال پر توجہ فرماتا ہے۔

اسی کو قرآن نے سورت التوبہ میں بیان فرمایا۔۔۔ جنگ تبوک کے سفر میں کچھ صحابہ کو ابتداء تردد ہوا۔۔۔ ایک تو موسم انتہائی گرم تھا۔۔۔ دوسرے فصلیں تیار تھیں۔۔۔ تیسرے سفر بڑا طویل تھا۔۔۔ چوتھا وسائل کی کمی تھی۔۔۔ مگر اصحاب رسول بخوشی اس سفر کے لیے تیار ہو گئے۔۔۔ جنہیں ابتداء تردد ہوا وہ بھی جلدی اس کیفیت سے نکل آئے اور بخوشی سفر تبوک میں شامل ہو گئے۔۔۔ اسی تردد اور دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک سفر ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا اللہ رب العزت نے ان کے رجوع کرنے کو قبول فرما لیا۔۔۔ اور ان کی توبہ کی قبولیت کو اتنے احسن انداز میں بیان فرمایا کہ سبحان اللہ! ان کی قبولیتِ توبہ سے پہلے اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ اور مہاجرین وانصار کی حالت پر توجہ فرمانے کا تذکرہ کیا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:117)

اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی یقیناً اللہ ان سب پر بہت ہی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا صفاتی نام "الرؤف" رحمن اور رحیم کے ہم

معنی ہے یعنی مخلوقات پر مہربانی اور شفقت کرنے والا۔۔۔اس کی شفقت بے حد وحساب ہے۔اس کی شفقت کے دریا کا کوئی کنارا نہیں ہے۔اس کائنات کا تمام تر نظام اللہ تعالیٰ کی شفقت ومہربانی کا مرہونِ منت ہے۔

رات کے بعد دن کا اجالا اور دن کے اجالے کے بعد رات کا اندھیرا بندوں پر اس کی شفقت ہی تو ہے۔۔۔موسموں کا بدلنا۔۔۔بارشوں کا برسنا اور اناج کا زمین سے باہر آنا اللہ رب العزت کی شفقت ومہربانی ہی تو ہے۔صحت،دولت،اولاد،کاروبار سب اس کی شفقت ہے۔

رؤف،رحمٰن ہم معنی ہیں۔۔۔مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ رحمٰن کا اطلاق اللہ کے سوا کسی پر نہیں ہوسکتا مگر رؤف اور رحیم کا اطلاق مومنین کے تعلق سے امام الانبیاء ﷺ پر بھی ہوا ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کی عظمت ومقام اور شان ومرتبہ نمایاں ہوگیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:128)

تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان کو گراں گذرتا ہے تمہارے نفع کے بڑے خواہشمند ہیں ایمان والوں کے ساتھ بہت ہی شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔

اس آیت کریمہ میں چند باتیں غور طلب ہیں جن کو بیان کرنا بہت ضروری ہے۔۔۔پہلی بات یہ ہے کہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے۔۔۔مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔فرمایا ہے کہ وہ عظیم الشان پیغمبر اور وہ رفیع المرتبہ نبی کسی دوسری جنس سے نہیں ہے بلکہ تمہاری جنس سے ہے یعنی انسان اور بشر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔۔۔تمہاری مشقت اس نبی پر

بھاری اور گراں گذرتی ہے، ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ تمہیں کوئی ایسا حکم نہ دے جو تمہیں مشقت اور تکلیف میں مبتلا کردے۔

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا۔۔۔اگر مجھے امت کی مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کرنے کا حکم دے دیتا۔۔۔مسواک کو ہر وضو کے لیے لازم قرار دے دیتا۔۔۔تراویح کے لیے صرف تین راتیں مسجد میں تشریف لائے پھر تشریف نہ لائے کہیں امت پر لازم نہ ہو جائیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔۔۔تمہاری بھلائی پر بڑے حریص ہیں۔۔۔چاہتے ہیں کہ سب لوگ ایمان کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔۔۔انسانوں کو راہ راست پر آنے اور ایمان قبول کرنے پر اتنے فکر مند رہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کو کہنا پڑا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (کہف:6)

پس اگر یہ لوگ اس بات پر (قرآن) ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنی جان تلف کر دیں گے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (شعراء:3)

ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ اپنی جان کھو دیں گے۔

چوتھی بات جو سورت التوبہ کی آخری آیت میں بیان فرمائی گئی وہ ہے بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔۔۔ایمان والوں پر تو وہ نبی انتہائی شفیق اور مہربان تھا۔۔۔اصحاب رسول پر آپ انتہائی درجہ کے مہربان تھے۔۔۔غزوۂ احد میں درّے پر کھڑے ہونے والے پچاس صحابہ کے باہمی اختلاف سے درّہ چھوڑنے کی پاداش میں جو مصائب اور دکھ مسلمانوں کو اور خاص کر کے نبی اکرم ﷺ کو اٹھانے پڑے، وہ کسی تعلیم

یافتہ شخص سے مخفی نہیں ہیں۔۔۔ مگر ایسے حالات میں بھی آپ نے شفقت ونرمی کا دامن نہیں چھوڑا۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:159)

اللہ کی رحمت کے باعث آپ صحابہ پر نرم دل ہیں اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ گئے ہوتے۔

صرف اپنے صحابہ پر نہیں بلکہ پوری امت کے لیے آپ شفیق ومہربان ہیں۔۔۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو ایک ایسی دعا مانگنے کی اجازت دیتا ہے جو رد نہیں ہوتی بلکہ قبول ہوتی۔۔۔ ہر نبی نے وہ دعا مانگنے میں جلدی کی۔۔۔ قوم نے تنگ کیا اور ستایا تو پیغمبر نے قوم کی ہلاکت کے لیے وہ دعا مانگ لی مگر میں نے وہ دعا امت کے لیے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے قیامت کے دن ان کے لیے شفاعت اسی دعا سے کروں گا۔

سامعین گرامی قدر! ایک حقیقت اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ اللہ کا نام ''الرؤف'' ہے اور یہی نام ''رؤف'' نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔۔۔ دونوں کے مفہوم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اللہ رب العزت کی رحمت ورأفت اپنی شانِ الوہیت کے مطابق ہے اور نبی اکرم ﷺ کی رأفت ورحمت ان کی شانِ عبودیت کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورت الحشر میں اپنا اسم گرامی اَلْمَلِكُ (بادشاہ) ذکر کیا ہے اور اپنے بندوں کو بھی مَلِک کہا ہے۔ چنانچہ سورت الکہف میں سیدنا موسیٰ اور سیدنا خضر علیہما السلام کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا (کہف:79)

ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی چھین لیتا تھا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ۔۔۔ بادشاہ نے کہا۔

قرآن نے جگہ جگہ اپنی دو صفات کا تذکرہ فرمایا اَلسَّمِيعُ اور اَلْبَصِيرُ۔۔۔

سورت الدہر میں انسان کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (الدہر:2)

ہم نے انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔

یہاں مطلق انسان کی پیدائش کا تذکرہ ہو رہا ہے۔۔۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہے یا کافر، فرمانبردار ہے یا نافرمان۔۔۔ اس کے لیے سمیع اور بصیر کی صفت ذکر کی گئی ہے۔

کیا کوئی ذی عقل اور ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے اللہ کا السمیع اور البصیر ہونا اور انسان کا سمیع اور بصیر ہونا ایک معنی میں ہے؟ ہرگز نہیں ان دونوں کے لیے ان صفات کے اطلاق میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔

تو پھر یاد رکھیے! اللہ کے وہ اسماء اور اللہ کی وہ صفات جن کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے ان کے معانی ومفہوم اللہ کے لیے اس کی شان کے مطابق ہوں گے اور مخلوق کے لیے ان کی حیثیت کے مطابق ہوں گے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے اسم گرامی "الرؤف" سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحتوں۔۔۔ نوکروں۔۔۔ اور ملازموں اور دیگر متعلقین کے ساتھ بلکہ ہر خاص وعام کے ساتھ ہر معاملے میں نرمی، خوش اخلاقی، مہربانی اور شفقت کا معاملہ اور برتاؤ کرے۔ تند خو، سخت مزاج، بد اخلاق اور تنگ دل ہونے سے بچنے کی کوشش کرے۔۔۔ ملازمین اور ماتحت لوگوں کے ساتھ زیادتی اور ظلم سے اپنے آپ کو بچائے۔

امام الانبیاء ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے بہت سی نصیحتیں امت کو فرمائیں۔۔۔

فرمایا مولا! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیں۔۔۔ پھر امت کو تلقین فرمائی۔۔۔ کہ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔۔۔ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

امام الانبیاء ﷺ کی آخری وصیت تھی اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔۔۔ لوگو! نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں (ماتحتوں) کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

الرؤف۔۔۔ اللہ کے اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی طبیعت اور مزاج میں شفقت کا جذبہ پیدا کرے۔۔۔ اپنے ماتحت لوگوں سے کریمانہ اخلاق کا برتاؤ کرے، ہر ایک کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ (ترمذی)

تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

علماء نے لکھا ہے:

اللہ کے نام "الرؤف" کا ذکر سخت سے سخت دل شخص کو بھی نرم بنا دیتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی ظالم حاکم یا افسر سے واسطہ پڑ جائے اور وہ اپنے تکبر و غرور اور ہٹ دھرمی کی بنا پر جائز بات بھی سننے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے نرم کرنے کے لیے ہر نماز کے بعد 101 بار اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھے ان شاء اللہ وہ ظالم نرم ہو جائے گا اور انصاف سے کام لے گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

شفا دینے والا

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (شعراء:80)

اور جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی (رب العالمین) مجھے شفا دیتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج جمعۃ المبارک کے خطبہ میں ارادہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ایک حسین اسم گرامی اَلشَّافِیُ کا مفہوم اور تشریح بیان کروں۔۔۔ اللہ رب العزت اپنے فضل و مہربانی سے مجھے اس کے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلشَّافِیُ کا معنی ہے امراض اور بیماریوں میں شفا بخشنے والا۔۔۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ کچھ بیماریاں انسان کے جسم کو لگتی ہیں اور کچھ امراض انسان کے قلب اور روح کو لگتے ہیں۔۔۔ یعنی کچھ بیماریاں جسمانی ہوتی ہیں اور کچھ امراض روحانی ہوتے ہیں۔

منافقین کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرہ:10)

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا۔

یادرکھیے! انسان کے بدن کو ایسی چیزیں عارض ہوں جن سے اس کے مزاج، طبیعت میں اعتدال نہ رہے اور اس کی کارکردگی متاثر ہو جائے تو اسے مرض کہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کی روح کو ایسی باتیں لاحق ہو جائیں جن سے روح میں اعتدال نہ رہے اور اس کی کارکردگی متاثر ہو (جیسے شرک و کفر، حسد و کینہ، بغض وعناد، برائی سے پیار وغیرہ) اسے روحانی اور نفسانی مرض کہتے ہیں۔ منافقین مدینہ کو یہی بیماری لاحق تھی۔۔۔ کیونکہ جب سے امام الانبیاء ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور مدینہ میں یہودیوں کی ریاست ان کے ہاتھ سے تقریباً کھسک گئی تھی اس دکھ اور غم میں منافقین کا دل جلتا اور کڑھتا رہتا تھا اور یہی جلنا اور حسد کرنا ان کی بیماری تھی۔۔۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ کا اقتدار و عزت اور وقار دن بدن بڑھ رہا تھا اس کو دیکھ کر ان کی بیماری بھی بڑھ رہی تھی۔ یا بار بار وحی اترنے اور دن بدن نئے سے نئے احکام نازل ہونے سے ان کا مرض بڑھ رہا تھا۔

قرآن شفا ہے روحانی بیماریوں اور نفسانی امراض کے لیے نسخہ شفا قرآن ہے۔۔۔ اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (یونس:57)

اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور سینوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے نری ہدایت اور رحمت ہے۔

قرآن سراپا نصیحت ہے یعنی جو قرآن کو غور و فکر اور تدبر و تفکر سے پڑھے اس کے معانی و مفہوم اور مطالب پر غور کرے اس کے لیے قرآن نصیحت ہی نصیحت ہے۔ پھر قرآن سینوں میں جنم لینے والی بیماریوں کے لیے شفا ہی شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82)

یہ قرآن جو ہم اتار رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (حم السجدہ:44)

آپ کہہ دیں وہ قرآن تو ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔

سینے میں جنم لینے والی بیماریوں میں کچھ بیماریاں معمولی ہوتی ہیں جن کو صغیرہ گناہ کہتے ہیں اور کچھ بیماریاں شدید ہوتی ہیں جن کو کبیرہ گناہ کہتے ہیں۔

جو بیماریاں قلب اور سینے میں پیدا ہوتی ہیں ان میں کچھ مہلک بیماریاں ہوتی ہیں جیسے جسمانی بیماریوں میں کینسر اور سرطان ہے۔سب سے بڑی بیماری اور مہلک بیماری کا نام شرک ہے جو اعمالِ صالحہ کے لیے زہر قاتل اور نا قابل معافی گناہ ہے۔زندگی میں توبہ کرلے تو اللہ معاف کردیں گے اور اگر بغیر توبہ کیے مرگیا تو معافی کی کوئی صورت نہیں۔

شرک کے مرتکب کے لیے کہا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اس کی مغفرت کے لیے دعا نہ مانگی جائے۔۔۔مشرک انسان قیامت کے دن امام الانبیاء ﷺ کی شفاعت سے بھی محروم ہوگا۔

قرآن جو کتابِ شفا ہے اس نے دوسرے جرائم کی بہ نسبت زیادہ علاج شرک کی بیماری کا کیا ہے جگہ جگہ لوگوں کو توحید کے جام پلانے کی کوشش کی ہے۔

سورت الفاتحہ کے جو صفاتی نام مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں ان میں ایک نام سورت الشفاء بھی ہے۔سورت الفاتحہ جسمانی اور روحانی امراض کے لیے شفا ہی شفا ہے۔ آپ یقین کریں اگر کوئی شخص سورت الفاتحہ کو سمجھ کر پڑھ لے۔۔۔اس کے مفہوم کو اور اس کے معانی کو سمجھ لے۔۔۔وہ سمجھ لے کہ میں نے اللہ کو کیا کہا ہے؟ میں نے اللہ سے کیا کیا وعدے اور عہد کیے ہیں؟ پھر اس شخص کے دل میں شرک والی بیماری نہیں رہ سکتی۔۔۔ایک

بندہ سورت الفاتحہ بھی پڑھے اور پھر شرک کا مرتکب ہو، ناممکن ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ بھی پڑھے اور پھر غیر اللہ کے سجدے بھی کرے۔۔۔غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دے، غیر اللہ کو مدد کے لیے غائبانہ پکارے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے سورت الفاتحہ کو سمجھ کر نہیں پڑھا بلکہ طوطے کی طرح رٹی رٹائی سورت بار بار دہرا رہا ہے۔

سیدنا عبدالملک بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سورت الفاتحہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ (سنن دارمی: 320/2)

امام الانبیاء ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

سورت الفاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

ایک روایت کے مطابق رات کو سوتے وقت سورت الفاتحہ اور سورت الاخلاص پڑھ کر اپنے اوپر دم کرنے والا سوائے موت کے ہر آفت، بلا اور مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ (مسند بزار بحوالہ تفسیر مظہری: 12/1)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سورت الفاتحہ روحانی بیماریوں کے علاوہ جسمانی عوارض اور بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے۔۔۔اس کے ثبوت پر بطور دلیل یہ واقعہ سماعت فرمائیں۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے، ایک گاؤں میں پہنچے تو گاؤں کے لوگوں نے ہمیں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا، کچھ دیر کے بعد ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور بولی کہ ہمارے قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے، کیا تم میں سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور دم کرنے کے لیے چلا گیا۔ اس شخص کے دم کرنے سے سردار تندرست ہو گیا اور اس نے دم کرنے والے کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا۔

(بعض روایات میں ہے کہ اس شخص نے دم کے لیے جانے سے پہلے طے کیا تھا

کہ معاوضے کے طور پر تیس بکریاں لوں گا، یہ شرط اس لیے لگائی کہ اس گاؤں کے لوگوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کیا تھا)

اس شخص کی واپسی پر ہم نے اس سے پوچھا کیا تم بچھو کے کاٹے پر دم کرنا جانتے تھے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے تو صرف ام الکتاب (سورت الفاتحہ) پڑھ کر دم کیا۔۔۔ہم نے کہا ان تیس بکریوں کو استعمال کرنے سے پہلے نبی اکرم ﷺ سے پوچھ لینا مناسب ہو گا۔۔۔واپسی پر مدینہ پہنچ کر ہم نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا۔۔۔آپ نے فرمایا اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا، ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو اور ان میں میرا حصہ بھی رکھنا۔(بخاری:479/2)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورت الفاتحہ پڑھ کر بیمار شخص پر دم کرنا جائز ہے اس لیے اس سورت کو سورت الرقیہ اور سورت الشفا بھی کہتے ہیں۔اور یہ بھی ثابت ہوا کہ دم کر کے اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سورت یونس کی آیت کریمہ میں قرآن کو قلبی بیماریوں کے لیے (جیسے شرک، نفاق، حسد، تکبر وغیرہ) کے لیے شفا قرار دیا گیا ہے۔سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْقُرْاٰنُ شِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ فَقَطْ۔۔۔قرآن صرف قلبی اور صدری بیماریوں کے لیے شفا ہے، جسمانی اور بدنی بیماریوں کے لیے نہیں۔۔۔سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ قرآن جس طرح قلبی اور روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اسی طرح قرآن جسمانی اور بدنی امراض کے لیے بھی شفا ہے۔

حضرات گرامی: یہ حقیقت یاد رکھیے کہ شافی صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔۔۔وہی اکیلا شفا دینے والا ہے۔۔۔اس کے حکم کے بغیر کسی کو بھی شفا نہیں مل سکتی۔۔۔دوا میں بھی شفا کی تاثیر رکھنے والا وہی ہے اسی لیے طبیب اور ڈاکٹر نسخہ تجویز کرنے سے پہلے ھُوَ الشَّافِی تحریر کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے رب العالمین کا تعارف کرواتے ہوئے

فرمایا:

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (78)وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ (79) وَإِذَا

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء:78,80)

جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور وہی میری رہبری کرتا ہے وہی ہے جو مجھے کھلاتا

اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے

سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ بیماروں کو شفا کی دولت عطا فرمانے والا اللہ رب العزت ہی ہے۔۔۔ قرآن نے ایک پیغمبر کا تذکرہ کیا ہے جنہیں آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا۔۔۔ یہ سیدنا ایوب علیہ السلام تھے۔۔۔ اللہ رب العزت نے انہیں دنیا میں ہر طرح سے آسودہ رکھا ہوا تھا۔۔۔ زمینیں تھیں۔۔۔ کھیت، مویشی تھے۔۔۔ نوکر چاکر تھے۔۔۔ اولاد صالح اور بیوی مرضی کے موافق عطا کی گئی تھی۔۔۔ مال و دولت وافر مقدار میں دی گئی تھی۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام بہت شکر گزار بندے تھے۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا۔۔۔ کھیت تباہ ہو گئے۔۔۔ چوپائے مر گئے۔۔۔ اولاد چھت کے نیچے دب کر مر گئی۔۔۔ دوست اور رفقاء سب ساتھ چھوڑ گئے۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام ایسی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے۔۔۔ ان کی بیماری نے طول پکڑا اور وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے۔۔۔ صرف ایک بیوی تھی جو مشکل اور مصیبت کی اس گھڑی میں سیدنا ایوب علیہ السلام کی رفیق رہ گئی، آخر وہ بھی تھک گئی۔۔۔ مگر سیدنا ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شکر کرتے تھے ویسے ہی مصائب اور دکھوں میں صابر رہے۔۔۔ جب تکلیف اور اذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گذرنے لگی بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا قصور کیا ہے جس کی ایسی سخت سزا ہی ہو سکتی ہے۔

بیماری کی طوالت اور بیوی کی مایوسی اس حد تک بڑھی کہ ایک روز بیوی کے زبانے

میں شیطان طبیب اور حکیم کی شکل میں بیٹھ گیا۔۔۔ جنات انسانی صورت میں بیمار بن کر آتے، وہ دم کرتا یا ہاتھ لگاتا تو مریض تندرست ہو جاتا۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیوی نے اس کے سامنے اپنے خاوند کی طویل بیماری کا تذکرہ کیا۔۔۔ شیطان نے کہا میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب تیرا خاوند تندرست ہو جائے تو میرے نام کا ایک بکرا ذبح کرو گی۔ (روح المعانی:206/23۔ بحر محیط:400/7)

اہلیہ نے سیدنا ایوب علیہ السلام کے پاس آ کر یہ سارا واقعہ اور ماجرا بیان کیا وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ طبیب دراصل شیطان ہے جو مجھ سے شرک کا ارتکاب کروانا چاہتا ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے انتہائی زاری اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔۔۔ مولا! میری طویل بیماری اور مجھ پر آنے والے مصائب اور دکھوں کی وجہ سے اب تو شیطان کو بھی یہ توقع ہو چلی ہے کہ ہم شرک کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میرے پالنہار مولا! شیطان نے اپنی اس حرکت سے مجھے سخت اذیت دی ہے۔

قرآن نے اسے بیان فرمایا: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ (ص:41)

اور ہمارے بندے ایوب کا بھی ذکر کر جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے ایذا اور دکھ پہنچایا ہے۔

سورت الانبیاء علیہم السلام میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (الانبیاء:83)

اور ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اللہ رب العزت نے ان کی پکار کو سنا بھی اور درجۂ قبولیت سے نوازا بھی۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ (الانبیاء:84)

ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اس کے اہل وعیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ اور بھی اپنی خاص رحمت و مہربانی سے تاکہ بندوں کے لیے نصیحت کا سبب بنے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام پر آنے والے مصائب اور آزمائشوں کا کچھ تذکرہ صحیح ابن حبان جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 244 میں ملتا ہے اور اس کا تذکرہ مجمع الزوائد جلد نمبر 8 صفحہ نمبر 208 میں بھی ہوا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر اور دکھوں میں گھر کر صحت وتندرستی کے لیے صرف اللہ ہی کو پکارنا چاہیے جس طرح سیدنا ایوب علیہ السلام نے پکارا تھا۔

نیز یہ حقیقت واضح ہوئی کہ شفا بخشنے کے خزانے اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں، وہی شافی ہے۔۔۔ اگر شفا عطا کرنا انبیاء اور اولیاء کے اختیار میں ہوتا تو سیدنا ایوب علیہ السلام کبھی بیمار نہ ہوتے۔۔۔ اٹھارہ سال تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔۔۔ اللہ تعالیٰ جب شفا عطا کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کو کیسے شفا بخشی کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریئے وہاں سے ایک چشمہ نکلے گا، نہالیں باہر کی بیماری ختم ہو جائے گی اور اس چشمے کا پانی پی لیں باطنی بیماری بھی دور ہو جائے گی۔

جس اللہ نے پانی میں شفا رکھ دی اسی اللہ نے شہد کے بارے میں فرمایا:

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (النحل:69)

کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

شہد کی مکھی سب سے پہلے پہاڑوں، درختوں پر اور بلند وبالا عمارات پر نہایت کاریگری سے اپنا گھر بناتی ہے۔۔۔ تمام مکھیاں اپنی سردار مکھی کے ساتھ جسے یعسوب کہتے

ہیں پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔۔۔ان کے بنائے گئے گھر کے تمام خانے مسدس ہوتے ہیں۔۔۔پھر وہ باغوں، فصلوں، جنگلات اور وادیوں میں گھومتی ہیں۔۔۔ ہر قسم کے پھلوں اور رنگ برنگ پھولوں کا رس اور جوس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہیں۔۔۔ پھر انہی راہوں سے واپسی کا سفر اختیار کرتی ہیں اور اپنے چھتے پر آ کر بیٹھ جاتی ہیں جہاں ان کے منہ سے یا دبر سے مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے (رنگوں کا مختلف ہونا موسم، غذا اور مکھی کی عمر کے حساب سے ہے، کوئی شہد سفید رنگ کا، کوئی سرخ رنگ کا اور کوئی شہد زرد رنگ کا ہوتا ہے)

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ۔۔۔یہاں شفاء میں تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف خالص شہد یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص امام الانبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے بھائی کو اسہال (پیچش) کی تکلیف ہے، آپ نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا، شہد پینے کے بعد دستوں میں اضافہ ہو گیا۔۔۔اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ مرض میں اضافہ ہو گیا ہے۔۔۔آپ نے پھر شہد پلانے کا حکم دیا۔۔۔دوبارہ شہد پلانے سے مرض میں مزید اضافہ ہو گیا۔۔۔نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ اسہال میں اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ۔۔۔۔اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے جا اور اسے شہد پلا۔۔۔تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے۔

(بخاری، باب دواء المبطون، مسلم، کتاب السلام)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا یہ نام "الشافی" اگرچہ قرآن کریم میں نہیں آیا صرف اس کا مفہوم ذکر ہوا ہے۔ جیسے اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔۔۔۔جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی اللہ مجھے شفا بخشتا ہے۔ البتہ حدیثوں میں اللہ رب العزت کا یہ نام موجود ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ اپنے گھر والوں کو دم کیا کرتے تھے اور دم کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ ان پر پھیرتے تھے اور یہ دعا پڑھ کر دم فرماتے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاْسَ وَاشْفِهٖ وَاَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

اے اللہ! لوگوں کے پالنہار دکھ کو دور کر دے اور اسے شفا عطا کر دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا ہی کا نام شفا ہے ایسی شفا دے جو کوئی بیماری نہ چھوڑے۔

عبدالعزیز بن صہیب کہتے ہیں کہ۔۔ میں اور ثابت بنانی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں گئے، ثابت نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔۔۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تجھے وہی دم نہ کروں جو نبی اکرم ﷺ بیمار لوگوں کو فرمایا کرتے تھے۔۔۔ پھر سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دعا کے ساتھ دم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاْسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری، کتاب الطب)

اے اللہ لوگوں کے پروردگار بیماری کے دور کرنے والے شفا عطا فرما تو ہی شفا بخشنے والا ہے تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں ایسی شفا دے کہ پھر کوئی دکھ نہ رہے۔

مسلم کی ایک حدیث ہے کہ جبرئیل امین نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ! آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں بیمار ہوں۔۔۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو ان الفاظ کے ساتھ دم کیا:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ (مسلم)

اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو تکلیف

دے نفس کے شر اور ہر حاسد کی آنکھ کے شر سے اللہ آپ کو شفا دے میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کو دم کرتا ہوں۔

بیماری کی صورت میں توکل اور بھروسہ تو صرف اللہ رب العزت کی ذات پر ہونا چاہیے کیونکہ "الشافی" صرف وہی ہے اور موثر حقیقی بھی صرف وہی ہے۔۔۔ ہاں تندرستی اور صحت کے حصول کے لیے مناسب اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ بیماریوں میں تندرستی اور شفا کے لیے علاج کروانا سنت نبوی ہے خواہ وہ علاج طب اور ڈاکٹر کے ذریعہ ہو یا دم کے ذریعہ ہو۔

امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ (مسلم)

ہر بیماری کے لیے دوا ہے جب دوا بیماری کے موافق ہو تو اللہ کے حکم سے بیمار صحت یاب ہو جاتا ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً (بخاری:5354)

اللہ نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کی دوا بھی اتاری ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کے اس پاک فرمان میں کہ ہر بیماری کے لیے دوا موجود ہے ہر مرض کا علاج موجود ہے مریض اور ڈاکٹر کے لیے دلی اطمینان ہے اور علاج کروانے کی ترغیب بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ خود بھی علاج کرواتے تھے اور آپ کے گھر والوں میں سے یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے اگر کوئی بیمار ہوتا تو اسے علاج کروانے کا حکم دیتے تھے۔۔۔ ہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ علاج کروانا سنت نبوی ہے باقی موثر حقیقی اور دوا میں تاثیر رکھنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کیونکہ وہی "الشافی" ہے۔

وما علینا البلاغ المبین

اکیلا، تن تنہا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:163)

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک اہم اور حسین نام اَلْوَاحِدُ کا معنی ومفہوم اور تشریح وتفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

امام سعدی رحمۃ اللہ علیہ اَلْوَاحِدُ کی تشریح وتعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْوَاحِدُ الَّذِيْ تَوَحَّدَ بِجَمِيْعِ الْكَمَالَاتِ بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا مُشَارِكٌ وَيَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ تَوْحِيْدُهُ عَقِيْدَةً وَقَوْلًا وَعَمَلًا تَفَرُّدُهُ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَبِأَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ

اَلْوَاحِدُ وہ ہستی ہے جو اپنے تمام کمالات (اوصاف) میں یکتا ہے ان کمالات (اوصاف) میں اس کا کوئی بھی شریک اور ساجھی نہیں ہے بندوں پر لازم ہے اسے اس کے تمام کمالات وصفات میں منفرد مانیں اور عقیدۃً اور قولاً اور عملاً اسے یکتا ہی سمجھیں اور عبادات کی تمام اقسام اسی کے لیے خاص کریں۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْوَاحِدُ کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

اَلْوَاحِدُ هُوَ الْفَرْدُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَحْدَهٗ وَلَمْ یَکُنْ مَعَهٗ آخِر

اَلْوَاحِدُ وہ ذات ہے جو ایک ہے اور ہمیشہ سے تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔

ان دو علماء کی تفسیر وتشریح اور عبارت سے یہ حقیقت واضح اور ثابت ہوئی کہ اَلْوَاحِدُ وہ ہے جو اپنی ذات میں بھی یکتا اور اکیلا ہے۔۔۔ ذات کی یکتائیت سے مراد یہ ہے کہ وہ منقسم نہیں ہوسکتا کہ کوئی اس کا ثانی بنے۔۔۔ اور نہ اس کے اجزاء ہوسکتے ہیں جیسے بیٹا باپ کی جز ہوتا ہے۔

یہود ونصاریٰ شریک فی الذات کے بھی مرتکب تھے جب وہ کہتے تھے کہ ہمارے پیغمبر عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔۔۔ اپنے مقتدیوں اور مریدوں کو شرک کی اس سیڑھی پر چڑھا کر یہود ونصاریٰ کے علماء اور گدی نشینوں نے کہا۔۔۔ نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ۔۔۔ ہم بھی اللہ کے بیٹے ہیں۔۔۔ مشرکین عرب کے کچھ قبائل فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

آج بھی غلو پسند لوگ امام الانبیاء ﷺ کو نور من نور اللہ (اللہ کے نور میں سے نکلا ہوا نور) کہتے ہیں۔۔۔ کہیں کہیں سے یہ آوازیں بھی آتی ہیں:

وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر　　　اتر پڑا مدینہ میں مصطفی ہو کر

کچھ ایسے غالی بھی ہیں جو کہتے ہیں۔۔۔ عرش پر رہنے والے اَحَد نے میم کا برقع پہنا اور زمین پر محمد ہوگیا۔۔۔ اور یہ شعر تو زبان زد خاص وعام ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا　　　ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

ذرا مظہر نور خدا کے الفاظ پر غور فرمائیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح اس کی صفات

واوصاف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔جس طرح اس کے علاوہ کوئی دوسرا اللہ کوئی نہیں۔۔۔ابن اللہ کوئی نہیں۔۔۔اس کی جزء اور نور کا حصہ اور کوئی نہیں اسی طرح اس کے سوا خالق، مالک، رازق، محی، ممیت، مدبر، مجیب الدعوات بھی اور کوئی نہیں۔۔۔اس کے سوا اَلسَّمِيْعُ لِكُلِّ دُعَاء (ہر ایک کی پکار کو سننے والا) بھی کوئی نہیں اور۔۔۔اَلْعَلِيْمُ لِكُلِّ حَالٍ (ہر ایک کے حال کو جاننے والا) بھی کوئی نہیں۔۔۔اس کے سوا حاضر وناظر، عالم الغیب، نفع ونقصان کا مالک، موت وحیات کا مختار اور کوئی نہیں۔۔۔اس کے علاوہ شفائیں بخشنے والا، حاجت روا، مشکل کشا، نذور ونیاز اور منت وچڑھاوٴں کے لائق اور کوئی نہیں۔۔۔اس کے سوا سجدوں کے لائق، عزت وذلت کا اختیار رکھنے والا۔۔۔اس کے سوا داتا، گنج بخش، دستگیر، غوث اعظم، لجپال، غریب نواز، کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا اور کوئی نہیں۔

الغرض اللہ رب العزت اَلْوَاحِدُ ہے کہ وہ اپنی ہر صفت اور وصف میں یکتا ہے۔۔۔جس طرح اس کی ذات میں مماثلت اور مشابہت ناممکن ہے اسی طرح اس کی صفات میں بھی کسی کی شراکت اور مماثلت ناممکن ہے۔۔۔جس طرح دو اللہ ماننے کا تصور کفر اور شرک ہے اسی طرح اگر اس کی کوئی صفت مخلوقات میں سے کسی میں مانی جائے تو یہ بھی شرک فی الصفات ہوگا۔

حیف اور تعجب بلکہ افسوس ہے کہ امام الانبیاء ﷺ کو خاتم النبیین ماننے والے لوگ۔۔۔اور قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرنے والے کلمہ گو۔۔۔ان کی اکثریت شرک فی الصفات کی مرتکب ہو رہی ہے۔

بزرگوں کی قبروں پر سجدہ ریزیاں، تعزیے اور تابوت کے آگے سجدے، زندہ پیر کے قدموں میں سروں کا رکھنا، قبروں کے طواف اور چکر، وہاں جانوروں کو بطور نذر ونیاز ذبح کرنا، فوت شدہ بزرگوں سے مرادیں اور حاجتیں طلب کرنا، وہاں عرضیاں لٹکانا، ان کے نام کے

وظیفے پڑھنا، یہ سب کچھ آپ حضرات دیکھتے ہیں، اس کا مشاہدہ آپ کرتے رہتے ہیں۔

فوت شدہ بزرگوں سے حاجات طلب کرنا اور انہیں مالک ومختار ماننا اور مصائب میں انہیں پکارنا۔۔۔ یہ حضرات عقل سے اتنا کام نہیں لیتے کہ اللہ کے سوا جن کو پکار رہے ہیں اور جنہیں ہم حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رہے ہیں وہ تو خود مخلوق ہیں:

لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (النحل:20)

انہوں نے کچھ نہیں بنایا (بلکہ) وہ خود بنائے گئے ہیں۔

غیر اللہ کے پجاری اتنا نہیں سوچتے کہ وہ خود عاجز اور لاچار ہیں۔۔۔ کسی شئی کے مالک نہیں۔۔۔ پکاریں سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔ جو مالک نہ ہو اسے پکارنے کا فائدہ؟۔۔۔ جو سننے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے پکارنے کا مطلب؟۔۔۔ کیوں نہ ایسی ذات اور ایسی ہستی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے جو مالک بھی ہے، رازق بھی ہے، مختار بھی ہے، السمیع بھی ہے اور العلیم بھی ہے۔

شرک فی الصفات سے بچنے کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ اللہ نے شرک فی الذات کو قرآن کریم میں چند مقامات پر بیان فرمایا ہے مگر شرک فی الصفات کی مذمت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔

ایک جگہ پر فرمایا۔۔۔ میرے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔۔۔ وہ کھجور کی گٹھلی کے پردہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔۔۔ وہ ایک مکھی کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔۔۔ تمہارا نفع، نقصان ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔۔۔ وہ تمہاری پکار سننے کی طاقت وصلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔ انہیں تو اتنا بھی پتہ نہیں کہ وہ خود قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی اَلْوَاحِدُ قرآن کریم میں تقریباً بائیس مرتبہ آیا ہے۔ اِلٰہ کے ساتھ چودہ مرتبہ۔۔۔ اللہ کے صفاتی نام اَلْقَهَّارُ کے ساتھ چھ

بار اور تنہا اَلْوَاحِدُ دو بار آیا ہے۔

کچھ آیاتِ قرآنی میں آپ حضرات کے سامنے رکھتا ہوں۔۔۔ ایک مقام پر عیسائیوں کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدۂ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں غلو سے منع کرتے ہوئے انہیں کیا حکم دیا جا رہا ہے؟

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللّٰهِ وَكِيلًا (النساء:171)

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح مریم کے بیٹے اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) ہیں (نہ الٰہ ہیں نہ ابن اللہ نہ نور من نور اللہ) جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں اس لیے تم اللہ اور اس کے سب نبیوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ الٰہ تین ہیں اس (عقیدہ سے) باز آجاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے تحقیق اللہ ہی معبود واحد ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

ایک اور مقام پر عیسائیوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (المائدہ:73)

وہ لوگ بھی یقیناً کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس معبود یکتا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اگر یہ لوگ اپنے ان عقائد سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے وہ المناک عذاب پائیں گے۔

جیل کی کوٹھڑی میں سیدنا یوسف علیہ السلام سے دو قیدی اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لیے قریب آئے تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو توحید سنانے کا موقع مل گیا، انہوں نے خواب کی تعبیر جلد بتانے کا وعدہ کر کے توحید سنانے سے پہلے اپنا تعارف کروایا کیونکہ متکلم جتنا اونچا اور معزز ہوتا ہے اس کے کلام میں اتنا ہی اثر ہوتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ میرا تعلق سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب (علیہم السلام) سے ہے۔۔۔ میری بات کو غور سے سنو میرا باپ بھی نبی، میرا دادا بھی نبی اور میرا پردادا بھی نبی تھا۔۔۔ ہمیں یہ لائق اور مناسب نہیں کہ اپنے مہربان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی بنائیں۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔۔۔ شرک کی نحوست سے بچ جانا اور توحید کی سمجھ کا آ جانا اللہ رب العزت کا فضل ہے۔ یاد رکھیے! توحید کی صحیح سمجھ کا آ جانا اور شرک کی حقیقت کو سمجھ لینا اور پھر شرک کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔۔۔ اس کا تعلق نہ تعلیم سے ہے نہ مال و دولت سے ہے بلکہ یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے جو اپنے خاص بندوں پر فرما کر انہیں شرک کی غلاظت اور نجاست و نحوست سے بچا لیتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کی حالت کو مد نظر رکھ کر کتنے حسین اور خوبصورت و اچھوتے انداز میں مسئلہ توحید سمجھایا۔۔۔ فرمایا تم ہی بتاؤ اور تم ہی فیصلہ کرو:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف:39)

کیا کئی جدا جدا آقا (مشکل کشا) بہتر ہیں یا اللہ اکیلا زبردست؟

سیدنا یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ اس حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر:29)

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک شخص کئی مالکوں کا غلام ہے اور دوسرا شخص جو

صرف ایک ہی کا غلام کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں تمام صفات کارسازی اللہ کے لیے ہیں بات یہ ہے کہ اکثر لوگ بے علم ہیں۔

اس میں مشرک اور موحد کی مثال بیان کی گئی ہے۔یعنی ایک غلام ہے جس کے کئی مالک ہیں اور مالک بھی ہٹ دھرم اور ضدی۔۔۔اس کے مقابلے میں ایک غلام ہے جس کا مالک صرف ایک ہے اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ معمولی عقل رکھنے والے کا بھی جواب یہی ہوگا کہ غلام وہ بہتر ہے جس کا مالک صرف ایک ہے۔۔۔اسی طرح بندہ وہ اچھا نہیں جس کے کئی مشکل کشا ہوں بلکہ بندہ وہی بہتر ہے جس کا ایک ہی مشکل کشا ہو۔

قرآن کریم کا ایک اور مقام پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (65) رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (ص:66-65)

آپ کہہ دیں (اعلان کریں) میں تو بس آگاہ کرنے والا ہوں (کس بات سے آگاہ کرنے والا) کہ اللہ اکیلے طاقتور (زبردست) کے علاوہ الٰہ کوئی نہیں، جو آسمانوں زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے وہ زبردست اور بخشنے والا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ ساری زندگی لوگوں کو آگاہ اور خبردار کرتے رہے کہ تمہارا الٰہ اور معبود صرف اور صرف ایک ہے۔۔۔آپ کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور آپ کی حیات طیبہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اَلْوَاحِدُ کی معبودیت کی طرف دعوت دیں۔۔۔سورت کہف میں اسے یوں بیان فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (الکھف:110)

آپ اعلان کریں کہ میں تم جیسا بشر اور انسان ہوں ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت میں کتنے واضح اور صاف الفاظ ہیں، اور وہ بھی آپ کی زبان مقدس سے اعلان کروایا جارہا ہے کہ میں جنس کے اعتبار سے بشر ہوں اور بشری تقاضے جو تمہیں لاحق ہوتے ہیں (پیدا ہونا، دودھ پینا، بکریاں چرانا، تجارت کرنا، شادی، آل اولاد، کھانا پینا، تھکنا، سونا، جاگنا، بیمار ہونا، وغیرہ) وہ عوارض میرے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ نے یُوحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کو مدنظر رکھ کر معنی فرمایا کہ الٰہ کے نہ ہونے میں میں تم جیسا ہوں جس طرح تم الٰہ نہیں ہو میں بھی الٰہ نہیں ہوں۔۔۔ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ الٰہ سب کا صرف اور صرف اکیلا اللہ ہی ہے۔

قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بڑے خوبصورت انداز میں نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مقدس سے یہی اعلان کروایا ہے۔۔۔ مگر اس اعلان سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی عظمت و مقام کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:107)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر ہمارا بھیجنا جہان والوں کے لیے رحمت ہے۔ (مفعول لہ اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے)

پھر آپ کی زبانِ رحمت سے اعلان کروایا گیا:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (الانبیاء:108)

میری طرف ہونے والی وحی کا خلاصہ یہی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی ہے تو تمہیں چاہیے کہ فرمانبردار ہو جاؤ۔

مشرکین مکہ کے ساتھ آپ کا جھگڑا اور اختلاف اسی مسئلے میں تھا کہ وہ کہتے تھے اللہ کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں۔ اللہ الٰہ اعظم ہے اور اس کے ماتحت اور الٰہ بھی ہیں جس طرح وزیر اعظم کی کابینہ میں مختلف محکموں کے وزیر ہوتے ہیں۔۔۔ اور امام الانبیاء ﷺ کا اعلان یہ تھا کہ نہیں اس کائنات کا واحد اور اکیلا الٰہ صرف اور صرف اللہ ہے اور اللہ کے سوا

کوئی بھی الہ نہیں ہے۔

سورت الصافات میں فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ (الصافات:35)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے ہیں۔

اسی سورت الصافات کی ابتداء بھی بڑے عجیب انداز میں اسی مسئلے سے ہوئی ہے:

وَالصَّافَّاتِ صَفًّا (1) فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا 2 فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا (3) إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (4) (الصافات:4-1)

قسم ہے صف باندھنے والے فرشتوں کی پھر پوری طرح ڈانٹنے والے فرشتوں کی پھر تلاوت کرنے والے فرشتوں کی یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔

صافات، زاجرات، تالیات۔۔۔فرشتوں کی صفات ہیں اور قسم سے مراد انہیں گواہ بنانا ہے جو فرشتے اللہ کی عبادت کے لیے صفیں باندھ کر کھڑے ہیں۔۔۔یا اللہ کے احکام کے انتظار میں صف بند غلاموں کی طرح کھڑے ہیں۔۔۔ان کی حالت اس حقیقت پر گواہ ہے کہ کائنات کا معبود صرف ایک اللہ ہی ہے۔

وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو ہانکنے والے یا جنات کو ڈانٹنے والے کہ وہ آسمان کی طرف نہ آئیں۔۔۔ان فرشتوں کی یہ حالت گواہ ہے کہ۔۔۔ إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ۔۔۔اللہ کا ذکر کرنے والے فرشتے گواہ ہیں کہ اللہ ہی کائنات کا اکیلا الٰہ ہے۔

سورت ص میں مشرکین کے قول کو اللہ رب العزت نے نقل فرمایا کہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ ایک انسان ہادی بن کر کیسے آگیا، وہ نبی اکرم ﷺ کو ساحر اور کذاب کہتے ہیں، یہ فتوے وہ کیوں لگا رہے ہیں اس کی وجہ بیان فرمائی:

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص:5)

کیا اس (مدعیٔ نبوت نے) اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود بنا دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

سورت النحل میں اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت سے بات کو شروع فرمایا اور مسئلہ الٰہ کو کائنات کی جان اور وحی کا نچوڑ قرار دیا۔۔۔ پھر اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ پھر فرمایا میرے سوا جن کو مشرکین پکارتے ہیں انہوں نے کچھ بھی نہیں بنایا بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔۔۔ ساتھ ہی فرمایا:

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۔۔۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی مہربان یہاں کہے کہ یہ آیت بتوں کے بارے میں ہے۔۔۔ تو اس مہربان کی تسلی کے لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں:

یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان ہیں) خواہ دواماً (ہمیشہ سے) مثلاً بت یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکہ جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے۔

آگے فرمایا۔۔۔ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۔۔۔ تم کہتے ہو کہ وہ تمہارے حالات سے باخبر ہیں۔۔۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ نذر و نیاز کے دینے کو جانتے ہیں۔۔۔ میں اللہ تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ انہیں تو اتنی بھی خبر نہیں کہ وہ خود قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے۔

پھر ساری گفتگو کا ثمرہ اور نتیجہ نکالا:

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (النحل:22)

تم سب کا معبود صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح سورت النحل میں آگے جا کر فرمایا: وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (النحل: 51)

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ دو معبود نہ بناؤ معبود تو صرف وہی اکیلا ہے پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو۔

سورت التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ نصاریٰ نے اپنے احبار ورہبان کو اللہ رب العزت کے سوا رب بنالیا (کہ ان کے علماء نے جس چیز کو حلال کہہ دیا اس کو انہوں نے حلال سمجھ لیا اور جسے ان کے علماء نے حرام کہہ دیا اس کو حرام سمجھنے لگے یہی ان کو رب کہنا ہے) (ترمذی)

اپنے احبار ورہبان کے علاوہ سیدنا عیسیٰ بن مریم کو بھی معبود بنالیا حالانکہ انہیں آسمانی کتابوں میں۔۔۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کریں جس کے سوا الٰہ اور معبود کوئی نہیں۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (التوبہ: 31)

انہوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مسیح کے بیٹے مریم کو بھی حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک بتانے سے۔

سورت ابراہیم میں اللہ رب العزت کی صفت اَلْوَاحِدُ کو عجیب انداز میں بیان فرمایا گیا۔۔۔ قیامت کی ہولنا کی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جس دن زمین اس زمین کے علاوہ دوسری زمین سے بدل دی جائے گی (یا تو واقعی قیامت کی زمین کوئی اور ہوگی کچھ اشارہ احادیث میں بھی ہے کہ قیامت کی زمین سفید بھورے رنگ کی ہوگی جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی۔۔۔ یا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ برابر کر دیئے جائیں گے۔۔۔ دریا اور سمندر

خشک ہو جائیں گے۔۔۔ ٹیلے اور اونچ نیچ ختم ہو جائے گی)

اسی طرح آسمان بھی دوسرے آسمان سے بدل دیئے جائیں گے (یعنی سورج، چاند، ستارے سب بے نور ہو جائیں گے)

وَبَرَزُوا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم:48)

اور سب کے سب اللہ واحد زبردست، طاقتور کے روبرو ہوں گے۔

اسی بات کو سورت المومن میں بیان فرمایا:

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ (المومن:16)

جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے ان میں سے کوئی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔

سب لوگ میدانِ محشر میں اللہ کے روبرو ہوں گے اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا۔۔۔ اور آواز لگائے گا: اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَاَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔۔۔ آج جابر اور متکبر کہاں ہیں؟ دنیا کے بادشاہ اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے مدعی آج کہاں ہیں؟

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔۔۔ بولو آج کس کی بادشاہی ہے؟ جواب میں کوئی بھی نہیں بولے گا تو اللہ خود ہی جواب دے گا۔۔۔ یا اللہ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا۔۔۔ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔۔۔ آج بادشاہی فقط اللہ واحد زبردست کی ہے۔۔۔ اس جواب کے ساتھ ہی تمام کفار و مومنین بیک آواز یہی جواب دیں گے۔

سامعین گرامی قدر! قرآن کریم کی بہت سی آیات میں نے پیش کی ہیں جن میں اللہ رب العزت کی وحدانیت کا تذکرہ ہوا ہے۔۔۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان اور آپ کی تعلیم کردہ کچھ دعائیں ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آشکارا اور واضح ہو گی۔

ایک شخص نے امام الانبیاء ﷺ کے سامنے کہا:

مَاشَآءَ اللہُ وَمَاشَآءَ رَسُوْلُہٗ۔۔۔ ہوگا وہی جو اللہ اور اس کا رسول چاہے گا۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ۔۔۔ ایسا نہ کہو کہ جو اللہ اور اس کا رسول چاہے گا۔

بَلْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللہُ وَحْدَہٗ۔۔۔ بلکہ یہ کہو کہ ہوگا وہی جو اللہ اکیلا چاہے گا۔ (نسائی)

ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا۔۔۔ یہ جملہ کہہ کر تو نے مجھے اللہ کا ند اور شریک بنایا ہے۔

غور فرمایئے! نبی اکرم ﷺ نے "جو اللہ اور رسول چاہے" اس جملے کو شرکیہ جملہ کہا ہے۔۔۔ آج اپنے اردگرد نظر دوڑایئے۔۔۔ اپنے ماحول اور معاشرے کا جائزہ لیجیے۔۔۔ ایسے شرکیہ الفاظ یا جملے مسلمانوں کی روزمرہ کی بول چال میں عام استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: اللہ تے اللہ دے نبی دے حوالے۔۔۔ اللہ نبی وارث۔۔۔ اللہ تے پنجتن پاک دا سہارا۔۔۔ اللہ تے اللہ دا نبی خیر کرسی۔۔۔ اللہ رسول دی قسم وغیرہ۔

بعض علماء کے نزدیک اللہ کا اسم گرامی اَلْوَاحِدُ اسم اعظم ہے۔۔۔۔ ان علماء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو ان کلمات کے ساتھ دعا مانگ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (نسائی)

اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو ہی واحد، یکتا، اکیلا، بے نیاز ہے اور ایسا واحد اور بے نیاز کہ نہ اس کے لیے اولاد، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

آپ نے یہ دعا سن کر فرمایا کہ تو نے اس اسم کے ذریعہ دعا کی ہے جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے اور جب بھی اس کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے عطا ہوتا ہے۔

میں آپ حضرات کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی تلقین کردہ ایسی دعاذ کر کرنے لگا ہوں جس میں اللہ رب العزت کی وحدانیت کا تذکرہ ہے اور جس دعا کے متعلق آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ دعا صبح کے وقت پڑھ لی اس نے دن کا حق ادا کر دیا اور جس نے شام کے وقت پڑھ لی اس نے رات کا حق ادا کر دیا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (نسائی)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہی اسی کی ہے اور حمد کا مالک بھی وہی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی وہی ہے ہماری بازگشت اور توبہ اور عبادت اور سجدہ وحمد اسی کے لیے ہے اللہ نے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام لشکروں کو اکیلے شکست دی۔

نبی اکرم ﷺ سفر سے واپسی پر یہ دعا پڑھتے اور دعا سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ابن ماجہ)

اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص

ایک دن میں سو مرتبہ یہ دعا پڑھے اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب عطا ہوگا۔۔۔ سو نیکیاں اس کی لکھی جائیں گی۔۔۔ سو گناہ اس کے مٹا دیئے جائیں گے۔۔۔ اور اس روز اس کی شیطان سے حفاظت ہوگی۔۔۔ اور اس دن اس سے اچھے عمل والا صرف وہی ہوگا جس نے یہی کلمات اس سے زیادہ مرتبہ پڑھے ہوں گے۔

اسی ذکر کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ بہتر ذکر جو میں نے کیا اور جو مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے کیا وہ یہی کلمات ہیں۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے دس مرتبہ یہ کلمات کہے اللہ رب العزت اس کے اعمال نامہ میں چار کروڑ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدًا (ترمذی، کتاب الدعوات)

امام الانبیاء ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ (ترمذی)

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے آپ یکتا ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں آپ ہی بڑے مہربان اور بہت احسان کرنے والے ہیں آپ ہی آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اے بزرگی اور عزت والے! اے زندہ اور (دوسروں) کو قائم رکھنے والے۔

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء ﷺ کی تلقین کردہ ان دعاؤں کے الفاظ پر غور فرمایئے گا اللہ رب العزت کی الوہیت اور وحدانیت کو دعاؤں کی قبولیت کے سبب کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ایک، اکیلا، یکتا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (1) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4) (الاخلاص)

سامعین گرامی قدر! میں آج کے خطبہ میں اللہ العزت کے ایک نام اَلْاَحَدُ کا معنی ومفہوم اور تشریح وتفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کے اس مبارک نام کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

اَلْاَحَدُ الَّذِيْ لَا نَظِيْرَ لَهُ وَلَا وَزِيْرَ لَهُ وَلَا شِبْهَ وَلَا عَدِيْلَ

احد وہ ذات ہے جس کی مثل کوئی نہیں جس کا وزیر کوئی نہیں اس کا مشابہ بھی نہیں اور اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں۔

لغت کے علماء کے نزدیک اَحَدْ دراصل وَحد تھا واؤ کو ہمزہ سے بدلا تو احد ہو گیا۔

کچھ علماء نے ان دونوں ناموں میں ایک نفیس سا فرق بیان کیا ہے کہ وَاحد وہ ہے جس کی اجزا بندی نہیں ہو سکتی اور احد وہ ہے جس کا دوسرا کوئی نہ ہو یعنی جس کی نظیر اور مثیل کوئی نہ ہو،

نہ ذات کے اعتبار سے اور نہ صفات کے اعتبار سے۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

احد اور واحد ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ احد کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے اور تعدُّد سے اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے یعنی وہ کسی ایک یا متعدد ماڈوں سے نہیں بنا نہ اس میں تعدُّد کا کوئی امکان ہے نہ کسی کے مشابہ ہے۔

ان دونوں ناموں کے مابین ایک لطیف سا فرق یہ بھی کیا گیا ہے کہ واحد کا لفظ محل اثبات میں دیگر اشیاء پر بھی ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔۔۔ ایک آدمی۔۔۔ یا دِرْهَمٌ وَاحِدٌ۔۔۔ ایک درہم۔۔۔ مگر لفظ احد کا اطلاق اثباتاً اللہ کے سوا کسی اور پر نہیں ہوتا۔

ہاں لفظ احد کا استعمال دیگر پر نفی کے طور پر ہوتا ہے اور احد کے ساتھ نفی بڑی کامل نفی ہوتی ہے جیسے وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔۔۔ ذرا غور فرمایئے کہ اللہ رب العزت سے کفو کی نفی لفظ احد سے کی ہے اور یہ ایسی کامل نفی ہے کہ اس کے بعد کوئی استثناء نہیں ہو سکتا۔۔۔ معنی ہوگا اللہ کا ہمسر کوئی بھی تو نہیں۔۔۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ کے نام کے طور پر اور اللہ کی صفت کے طور پر احد کا لفظ صرف ایک جگہ پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔۔۔ میں استعمال ہوا ہے۔۔۔ یہ بھی توحید باری تعالیٰ پر اور اللہ رب العزت کی یکتائی پر ایک عجیب دلیل ہے کہ اللہ کی صفت احد (یکتائی) ایسی مکمل اور کامل ہے کہ قرآن نے تکرار لفظی سے بچتے ہوئے کسی دوسری جگہ پر اسے ذکر نہیں کیا۔۔۔ سبحان اللہ! قربان جاؤں وہ ایسا اکیلا ہے کہ قرآن نے بھی اس کی یکتائی کو صرف ایک جگہ پر ذکر فرمایا ہے۔

پھر ذرا غور فرمایئے! اس ایک مقام پر بھی اسم احد نکرہ استعمال ہوا، الف لام تعریف سے بے نیاز۔۔۔ یعنی اللہ کا نام احد اپنی ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت ہی نہیں اور اس کی یکتائی ایسے کمال کے ساتھ ہے کہ کسی زائد حرف کا استعمال بھی نہیں ہوا۔

جس سورت الاخلاص میں اللہ رب العزت کی باقی صفات کو بیان فرمایا وہاں صفت احد کو ذکر فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔۔۔ بلکہ اس کے بعد تینوں آیات اسی لفظ احد کی تفسیر و تشریح ہیں۔

ذرا سورت الاخلاص کی فضیلت و اہمیت کو سنیئے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرمایا، اس صحابی کا معمول تھا کہ جب بھی امامت کرواتا ہر رکعت کی قرأت کے اختتام پر سورت الاخلاص ضرورت تلاوت کرتا۔ واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس لشکر میں شامل تھے انہوں نے اس صحابی کی اس انوکھی بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے کیا۔۔۔ آپ نے فرمایا:

سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذَالِكَ

اس سے پوچھو وہ ایسے کیوں کرتا ہے؟۔۔۔ صحابہ نے پوچھا تو اس نے کہا:

لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَ بِهَا

اس سورت میں میرے اللہ رحمن کی صفات کا بیان ہے اس لیے میں اس کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہوں۔

امام الانبیاء ﷺ نے اس صحابی کی بات کو سن کر فرمایا:

اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّهُ (بخاری، مسلم)

اس کا رحمن اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

ایک انصاری صحابی مسجد قباء میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے ان کی عادت تھی کہ سورت الفاتحہ کی قرأت کے بعد دوسری سورت کی تلاوت کرنے سے پہلے وہ سورت الاخلاص پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان کی اس عادت کی شکایت امام الانبیاء ﷺ کے

سامنے کی، آپ نے اس صحابی کو بلایا اور پوچھا تم ایسے کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب میں عرض کیا:

اِنِّیْ اُحِبُّهَا۔۔۔ میں اس سورت سے پیار کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔۔۔ حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ

سورت الاخلاص کے ساتھ تیری محبت نے تجھے جنت میں داخل کروادیا ہے۔

ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔۔۔ جبریل امین نے کہا یارسول اللہ! ابوذر آرہا ہے۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم ابوذر کو پہچانتے ہو؟ جبریل امین نے کہا:

هُوَ اَشْهَرُ عِنْدَنَا مِنْهُ عِنْدَكُمْ

ابوذر کو زمین والے اتنا نہیں جانتے جتنا اسے آسمان والے جانتے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ نے پوچھا:۔۔۔ بِمَاذَا نَالَ هٰذِهِ الْفَضِيْلَةَ

ابوذر کو یہ فضیلت اور یہ مقام کس وجہ سے ملا؟

جبریل امین نے کہا:۔۔۔ لِصِغَرِهٖ فِیْ نَفْسِهٖ وَقِرَاَتِهٖ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

ایک تو ابوذر اپنے دل میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے (یعنی ان میں عاجزی، تواضع اور انکساری ہے) دوسرے وہ سورت الاخلاص کی کثرت کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

اسی طرح کی ایک اور روایت آتی ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو امام الانبیاء ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد فرمایا کہ جبریل امین ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ عظمت اور یہ شرف کس وجہ سے ملا؟

آپ نے فرمایا: سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھتے بیٹھتے، سوار اور پیدل، آتے اور جاتے ہر وقت سورت الاخلاص کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنیے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک دن سورج اتنی چمک، شعاع اور روشنی کے ساتھ طلوع ہوا کہ ہم نے زندگی میں کبھی اس طرح نہیں دیکھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں جبریل امین تشریف لائے اور اطلاع دی کہ آپ کے صحابی معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے اتارے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فضیلت اور درجہ کس وجہ سے نصیب ہوا؟ جبریل امین نے فرمایا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت سورت الاخلاص کی تلاوت کیا کرتے تھے اور انہیں اتنا عظیم مقام اور اتنا اعلیٰ درجہ سورت الاخلاص کی تلاوت کی وجہ سے حاصل ہوا۔

سورت الاخلاص۔۔۔ ثلث قرآن

سامعین گرامی قدر! سورت الاخلاص اگرچہ بہت مختصر سورت ہے اور صرف چار آیتوں پر مشتمل ہے لیکن مضامین کے اعتبار اور لحاظ سے اتنی اہم اور عظیم القدر ہے کہ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔۔۔۔۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ایک دن امام الانبیاء ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا سب اکٹھے اور جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سنانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہو گئے۔۔۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ تشریف لائے اور سورت الاخلاص کی تلاوت فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا مگر صرف سورت الاخلاص کی تلاوت فرمانے کے بعد گھر تشریف لے گئے ہیں۔۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گفتگو کا پتہ

چلا تو مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا:

اَلَا وَاِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ

(میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ایک تہائی قرآن سناؤں گا) غور سے سن لو کہ سورت الاخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

ایک اور حدیث اسی حدیث سے ملتی جلتی ایک اور حدیث سن لیجیے! امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

يُعْجِزُ اَحَدَكُمْ اَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ فِىْ لَيْلَةٍ

کیا تم ہر رات ایک تہائی قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب میں کہا:

اَيُّنَا يُطِيْقُ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ

یارسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟

آپ نے فرمایا: سورت الاخلاص قرآن کریم کی تہائی ہے جس نے سورت الاخلاص کی تلاوت کر لی وہ سمجھ لے کہ اس نے قرآن کی ایک تہائی تلاوت کی ہے۔

ثلث قرآن ہونے کی وجہ جو دو حدیثیں میں نے بیان کی ہیں اُن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سورت الاخلاص قرآن کریم کی ایک تہائی ہے اس کی کئی وجوہات مفسرین نے بیان فرمائی ہیں مگر سب سے بہتر اور مناسب وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے تین مضامین بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مضمون جو قرآن نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے وہ توحید کا مضمون ہے۔۔ دوسرا مضمون رسالت کا ہے۔۔ اور تیسرا مضمون قیامت کا بیان فرمایا۔۔ ان تین مضامین میں سے ایک مضمون توحید والا سورۃ الاخلاص میں بیان کیا گیا اور علیٰ وجہ الکمال بیان کیا

گیا، اس لیے اس سورت کو قرآن کی ایک تہائی قرار دیا گیا ہے۔

سامعین گرامی قدر! ہم جو اللہ رب العزت کو احد اکیلا کہتے ہیں تو کس اعتبار سے کہتے ہیں؟ ذرا غور تو کرو! وہ اکیلا کہاں ہے؟ اس کے ساتھ ان گنت فرشتے ہیں۔۔۔ حاملین عرش ملائکہ ہیں۔۔۔ عرش اور کرسی اور نہ جانے کیا کیا ہے۔

یاد رکھیے! وہ اس معنی کے لحاظ سے اکیلا نہیں ہے جس معنی میں اکیلا کا لفظ اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے، خود اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق:16)

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا (المجادلہ:8)

جب تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ ان سے کم اور نہ ان سے زیادہ مگر وہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔

آیئے میں آپ کو بتلاؤں اور سمجھاؤں کہ اللہ رب العزت کے احد یعنی اکیلا ہونے سے کیا مراد ہے؟ مراد اور مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے اکیلا ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔۔۔ کوئی اس کا مثیل نہیں۔۔۔ کوئی اس کی نظیر نہیں ہے۔۔۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کا ساجھی اور شریک نہیں ہے۔۔۔ نہ اس کی بیوی ہے۔۔۔ اور نہ ہی بال بچہ۔۔۔ نہ اس کا کوئی کنبہ ہے۔۔۔ اور نہ قبیلہ۔۔۔ اولاد باپ کی نظیر اور مثیل ہوتی ہے وہ ایسا نہیں ہے وہ احد ہے بے نظیر اور بے مثیل ہے۔۔۔ اس معنی میں تنہا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احد احد کا نعرہ

سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں طرح طرح کی تکلیفیں اور طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔۔۔ وہ امیہ بن خلف کے غلام تھے جو مسلمانوں کے شدید ترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔۔۔ انہیں مکہ مکرمہ کی تپتی ہوئی زمین پر ننگی پیٹھ لٹایا جاتا۔۔۔ ان کے سینے پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دی جاتی تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں۔۔۔ مکہ کی نکیل دار زمین پر انہیں گھسیٹا جاتا۔۔۔ رات کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر کوڑے مارے جاتے۔۔۔ پھر دوسرے دن زخمی بدن کو گرم زمین پر لٹا دیا جاتا اور مشرکین کہتے اسلام سے اور دین توحید سے باز آجا، یا تڑپ تڑپ کر مرجا۔۔۔ سزا دینے والے ایک ایک کر کے اکتا جاتے اور تھک جاتے مگر بلال کی زبان پر ایک ہی نعرہ ہوتا اَحَد اَحَد یعنی معبود وہی اکیلا ہے وہ تنہا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان اور سنیے۔۔۔ ا نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کیا کرتے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَحَد اَحَد۔۔۔ ایک انگلی سے ایک انگلی سے۔۔۔ یعنی جب مُشارٌ الیہ (جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے) ایک ہے تو اس کی طرف اشارہ بھی ایک انگلی سے ہونا چاہیے۔

امام الانبیاء ﷺ کا ایک اور فرمان آپ کے ایمان کو تازہ کرنے کے لیے پیش کرتا ہوں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اولادِ آدم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اسے یہ مناسب نہیں تھا۔۔۔ اس نے مجھے گالی دی اور اسے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔۔۔ جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں اسے دوبارہ پیدا نہیں کروں گا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے اور مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ

وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ (بخاری، کتاب التفسیر)

میں اکیلا ہوں بے نیاز ہوں نہ مجھ کو کسی نے جنا ہے نہ میں نے کسی کو جنا ہے میرے توجوڑ کا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا حدیث کی کتب میں ان کلمات کے ساتھ آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (ابوداؤد، ترمذی)

یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وجہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے وہ اللہ جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک اور دعا بھی سن لیجیے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ یَا اَللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (ابوداؤد، نسائی)

یا اللہ! میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں یا اللہ! تو ایک ہی بے نیاز نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے (یا اللہ!) میرے گناہ بخش دیجیے بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے ان دونوں ناموں اَلْوَاحِدُ اور اَلْاَحَدُ پر ایمان کا سب سے بڑا ثمرہ اور سب سے بڑا اثر اللہ تعالیٰ کو ربوبیت اور الوہیت اور افعال وصفات میں اکیلا اور تنہا اور منفرد ماننا ہے جیسے اللہ اپنی ربوبیت میں اکیلا ہے ایسے ہی وہ اپنی الوہیت ومعبودیت میں بھی منفرد ہے۔۔۔ وہ اپنی ہر ہر صفت میں وحدہٗ لاشریک ہے اکیلا ہے۔۔۔ یکتا ہے۔۔۔ تنہا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (1) اللّٰهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4) (الاخلاص)

سامعین گرامی قدر! آج میرا ارادہ ہے کہ اللہ کے حسین ناموں میں سے ایک اہم اسم گرامی اَلصَّمَدُ کا معنی و مفہوم بیان کروں۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کے اس مبارک نام اَلصَّمَدُ کا معنی یوں بیان فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصْمَدُ إِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ وَهُوَ الَّذِي قَدِ انْتَهٰى سُؤْدَدُهُ وَهُوَ الصَّمَدُ الَّذِي لَا جَوْفَ لَهُ وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ وَهُوَ الْبَاقِي بَعْدَ خَلْقِهِ (تفسیر ابن کثیر)

اَلصَّمَدُ وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے اور اَلصَّمَدُ وہ ہے جس کی بزرگی تمام کمالات میں انتہاء کو پہنچ چکی ہو، اَلصَّمَدُ وہ ہے جس کا پیٹ نہیں جو کھانے پینے سے بے نیاز ہے وہی ہے جو مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے (جیسے قرآن میں آیا ہے: وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ---- ہر

ایک فنا ہونے والا ہے باقی رہنے والی ذات صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کی ہے۔ دوسری جگہ پر فرمایا: کُلُّ شَیْءٍ ھَالِكٌ اِلَّا وَجْھَه۔۔۔ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے وہی الحی القیوم ہے، وہی ہے جسے زوال نہیں ہے۔)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلصَّمَدُ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

اَلصَّمَدُ هُوَ السَّيِّدُ الَّذِيْ يَصْمَدُ اِلَيْهِ فِي الْاُمُوْرِ وَيُقْصَدُ فِي الْحَوَائِجِ وَالنَّوَازِلِ

اَلصَّمَدُ وہی ہستی ہے جو سردار ہے اور سردار بھی ایسا کہ تمام امور میں اسی کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور حاجات وضروریات میں اسی کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اَلصَّمَد کا معنی یوں نقل فرمایا ہے:

اَلصَّمَدُ اَلْمُسْتَغْنِيْ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ وَالْمُحْتَاجُ اِلَيْهِ كُلُّ اَحَدٍ (روح المعانی)

اَلصَّمَدُ وہ ذات ہے جو سب سے مستغنی یعنی بے نیاز ہے اور ہر ایک اسی کا محتاج ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اَلصَّمَدُ کی کیا خوبصورت تعریف کی ہے۔۔۔۔۔۔ عوام الناس کو یہ حقیقت کیوں سمجھ نہیں آرہی کہ اللہ تعالیٰ اپنے امور نافذ کرنے میں کسی کا بھی محتاج نہیں ہے اور ہر ایک حشرات الارض سے لے کر سید الملائکہ تک۔۔۔ امتی سے لے کر نبی تک۔۔ مریدوں سے لے کر پیر تک۔۔ مقتدیوں سے لے کر امام تک۔۔ عام مومن سے لے کر اولیاء اللہ تک سب کے سب اسی کے محتاج ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نونیہ میں کہا ہے:

وَهُوَ الْاِلٰهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ صَمَدَتْ اِلَيْهِ الْخَلْقُ بِالْاِذْعَانِ

اللہ ہی معبود برحق اور سردار اور بے نیاز ہے جس کی حمد وثنا میں تمام مخلوق عزم

ویقین کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ (قصیدہ نونیہ 331/2)

صَمَد بڑی چٹان کو کہتے ہیں۔ دشمن کے حملے کے وقت جس کی پناہ پکڑتے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کے چچازاد بھائی اور مفسر قرآن صحابی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اَلصَّمَد کا معنی یوں فرمایا ہے:

اَلصَّمَدُ الَّذِیْ یُصْمَدُ اِلَیْهِ فِی الْحَاجَاتِ (بخاری)

اَلصَّمَد وہ ہے کہ حاجات میں اس کی طرف قصد اور رجوع کیا جائے۔

اَلصَّمَد کا معنی جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اَلصَّمَد وہ ہے جو ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہو، اسے کسی کام میں اور کسی امر میں کسی کی احتیاج نہ ہو، اسے نسل چلانے کے لیے بیوی بچوں کی ضرورت نہیں، اس نے خود فرمایا:

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (الجن:3)

نہ اس نے بیوی بنائی اور نہ اولاد۔

اسے کسی نے نہیں جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔۔ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے وہ وراثت بھی چھوڑتا ہے، یہ نور من نور اللہ کے گیت گانے والے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کے معنی ومفہوم کو ذہن میں رکھیں۔

اَلصَّمَد مستغنی اور بے نیاز ہے نیند اور آرام کرنے سے، لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔۔۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ اسے نیند ستاتی ہے۔

وہ بے نیاز ہے تھکاوٹ سے۔۔۔ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا۔۔۔ زمین و آسمان کی حفاظت اسے تھکاتی بھی نہیں۔ وہ بے نیاز ہے بیماری دکھ سے، غم وتکالیف سے، مصائب وپریشانی سے۔۔۔ اَلصَّمَد بے نیاز ہے کھانے پینے سے، سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا۔۔۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو فرمایا کہ تم یہ اعلان کرو:

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ قُلْ

إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام:14)

کیا میں اس اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز بنالوں جو اللہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا کہہ دیجیے مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرمانبردار بنوں (اور یہ بھی حکم ہوا) کہ مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔

اَلصَّمَد کے جتنے معنی آپ سن چکے ہیں ہر معنی خوبصورت ہے، حسین ہے، لطیف ہے۔۔۔ان تمام معانی کا خلاصہ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پنجابی میں فرمایا اور خوب فرمایا:

جسدے باجھوں کسے دا کم نہ ٹرے تے اُسدا کم ہر کسے دے باجھوں پیا ٹرے

(کسی کا کام اس کی مدد کے بغیر نہ چلے اور اس کا کام کسی کے سہارے کے بغیر چلتا رہے)

اَلصَّمَد وہ ہے جس کی طرف مصائب اور تکالیف میں گھبر کر رجوع کیا جائے۔۔۔ الصَّمَد وہ ہے جس کی طرف ہر ایک ہر وقت ہر چیز میں محتاج ہو اور وہ کسی کی طرف کسی وقت میں کسی چیز میں محتاج نہ ہو۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کی الوہیت کی نفی بڑے خوبصورت انداز میں فرمائی۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ۔۔۔ مریم کے بیٹے عیسیٰ معبود نہیں تھے بلکہ رسول تھے۔۔۔ ذرا ابن مریم کے لفظ پر غور فرمایئے کہ جو اپنی پیدائش میں ماں کا محتاج ہو۔۔۔ جس کی والدہ ہو وہ الٰہ اور معبود نہیں ہوسکتا۔

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۔۔۔ان کی ماں معبود اور الٰہ نہیں تھی بلکہ ایک ولیہ تھی۔۔۔ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدہ:75)۔۔۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

انہیں بھوک ستاتی وہ کھانا کھاتے اور جو کھانے کا محتاج ہو وہ الٰہ بننے کے لائق

نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ جو کھانے کا محتاج ہوگا وہ زمین کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ ہَل کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ بیج کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ بارش کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ فصل کاٹنے کے لیے مشینری کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ اناج کے لیے بوریوں کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔پھر وہ آٹا پیسنے کے لیے چکی کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ آٹا گوندھنے کے لیے پانی کا محتاج ہوگا۔۔۔وہ پرات کا محتاج ہوگا۔۔۔وہ چولہے کا محتاج ہوگا۔۔۔وہ لکڑیوں کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ ماچس کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔وہ توے اور آگ کا بھی محتاج ہوگا۔۔۔جو اتنا محتاج ہو وہ اللہ اور معبود بننے کے لائق نہیں ہوسکتا۔۔۔اللہ وہ ہے جو الصّمد ہو، جو ہر چیز سے مستغنی ہو، بے نیاز ہو۔۔۔ہر کوئی اسی کا محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ۔۔۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو۔۔۔اَلنَّاس کا لفظ عام ہے، انبیاء، صلحاء، اولیاء، اتقیاء، بزرگانِ دین سب کو شامل ہے۔۔۔تم سب کے سب میرے دروازے کے منگت ہو، میرے محتاج ہو (اعتبار نہیں آتا تو اپنے بابا آدم کو عرفات کے میدان میں دیکھ۔۔۔سیدنا نوح علیہ السلام کو کشتی کا ملاح بنتے ہوئے دیکھ۔۔۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ میں دیکھ۔۔۔سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے نیچے دیکھ۔۔۔سیدنا یعقوب علیہ السلام کو یوسف کے فراق میں روتے ہوئے دیکھ۔۔۔سیدنا یوسف علیہ السلام کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دیکھ۔۔۔سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھ۔۔۔سیدنا ایوب علیہ السلام کو بیماری میں التجائیں کرتے ہوئے دیکھ۔۔۔ایک سو بیس سال کے بوڑھے زکریا کو بیٹے کے لیے زاریاں کرتے ہوئے دیکھ۔۔۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بحر قلزم کے کنارے پر دیکھ۔۔۔پھر انہیں مدین کے کنویں پر رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کی دعا مانگتے ہوئے دیکھ۔

ذرا فقیر کے لفظ پر غور کریں۔۔۔امام الانبیاء ﷺ کو جو کائنات کے سردار بھی ہیں اور محبوب رب العالمین بھی ہیں، انہیں غور ثور میں دیکھ۔۔ بدر کے میدان میں زاریاں اور التجائیں کرتے ہوئے دیکھ۔۔ پھر انہیں حنین اور طائف میں دیکھ۔۔ پھر انہیں خیبر میں دیکھ۔۔ پھر انہیں عرفات کے میدان میں روتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے التجائیں کرتے ہوئے دیکھ۔۔ دیکھ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟

اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ

میں دکھیار احتاج فریادی پناہ مانگنے والا لرزاں وترساں۔

پھر امام الانبیاء ﷺ کو بارش کی دعا مانگتے ہوئے دیکھ۔۔۔۔۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی، بارش کے لیے دعا فرما دیجیے۔

یہ نہیں کہا کہ بارش برسا دیجیے۔۔۔اس لیے کہ اصحاب رسول کا عقیدہ ونظریہ یہ تھا کہ بارش کا برسانا اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے، کائنات کا آقا بارش برسانے پر قادر نہیں، یہ صرف عاجزی کے ساتھ درخواست کر سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور یوں دعا مانگی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ فَاَنْزِلْ عَلَیْنَا غَیْثًا (ابوداؤد، کتاب الاستسقا)

نبی اکرم ﷺ نے شروع میں سورت الفاتحہ کی تین آیات پڑھیں پھر کلمہ توحید پڑھا۔۔ پھر فرمایا جو چاہتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔۔۔مولا! تیرے سوا معبود اور الٰہ کوئی نہیں، تو غنی اور بے پرواہ ہے اور ہم سب مانگت اور فقیر ہیں۔۔ میں بھی تیرے دروازے کا مانگت، گدا اور فقیر ہوں اور میرے صحابہ بھی، ابوبکر وعمر بھی اور عثمان وعلی بھی اور طلحہ وزبیر بھی اور بلال

وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہم سب فقیر، محتاج، گدا اور مانگت ہیں، مولا ہم پر بارش برسا دے۔

آپ نے دعا مانگی، بارش برسنے لگی، صحابہ دیواروں کی اوٹ میں آنے کے لیے بھاگنے لگے، کئی تیزی کی وجہ سے پھسلنے لگے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا، مسکرائے، اتنے مسکرائے کہ سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے۔

آپ کے خیال میں آیا کہ اتنی جلدی بارش کے برسنے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بارش کا برسانا میرے اختیار میں ہے۔ آپ نے فوراً عقیدے کی اصلاح فرمائی:

أَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

آپ نے یہاں أَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ کہہ کر امت کو سبق دیا کہ میں اللہ کا بندہ پہلے ہوں اور رسول بعد میں۔۔۔ یہی اقرار ہم کلمہ شہادت میں کرتے ہیں: وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ پہلے عبدہ پھر رسولہ۔۔۔ مائی آمنہ کے گھر پیدا ہوئے تو عبدہٗ۔۔۔ سیدہ حلیمہ کا دودھ پیا تو عبدہٗ۔۔۔ بکریاں چراتے رہے تو عبدہٗ۔۔۔ سیدہ خدیجہ سے شادی کی تو عبدہٗ۔۔۔ تجارت کے لیے سفر کیے تو عبدہٗ۔۔۔ چالیس سال کے بعد سر پر نبوت کا تاج سجایا گیا تو رسولہٗ۔۔۔ پہلے عبدہٗ پھر رسولہٗ۔

آپ نے یہ فرما کر امت کو غلو سے روکا۔۔۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: مجھے اس طرح نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بڑھایا کہ انہیں معبود مان لیا اور ابن اللہ قرار دیا۔۔۔ أَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ۔۔۔ میں اللہ کا بندہ پہلے ہوں اور رسول بعد میں ہوں۔

اللہ رب العزت کی صفت احد اور صمد کے ساتھ دعا مانگنا اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگنا

قرار دیا گیا ہے۔ مسند احمد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو امام الانبیاء ﷺ نے ان صفات کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (مسند احمد: 478/6)

نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا سن کر فرمایا تم نے اللہ رب العزت کے اسم اعظم سے دعا کی ہے جس کے ذریعہ کی جانے والے دعا قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ دعا مانگتے ہوئے یوں کہہ رہا ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ یَا اَللّٰهُ بِاَنَّكَ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (نسائی، باب الدعا بعد الذکر)

(ان صفات کے مالک تو میرے گناہوں کو معاف کردے)

نبی اکرم ﷺ نے سن کر فرمایا:

قَدْ غُفِرَ لَهٗ قَدْ غُفِرَ لَهٗ

یقیناً اس کی مغفرت کردی گئی، یقیناً اس کی مغفرت کردی گئی۔

اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن کریم میں صرف ایک بار سورت الاخلاص میں آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام اَلْاَحَد بھی سورت الاخلاص میں آیا ہے۔

مشہور مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر یہ جاننا ضروری اور لازم ہے کہ

لَا صَمَدَانِیَّةَ وَلَا وَحْدَانِیَّةَ اِلَّا لِلّٰهِ وَحْدَهٗ فَلَا یُقْصَدُ غَیْرُهٗ وَلَا یُلْجَاُ فِیْ حَوَائِجِهٖ اِلَّا اِلَیْهِ

صفت صمدانیت اور صفت وحدانیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے لہٰذا غیر اللہ کو مقصود نہ بنایا جائے اور اپنی تمام حاجات کو اسی کے سامنے پیش کیا جائے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

صمد وہ سردار ہے جو اپنی سرداری میں کامل ہو، صمد وہ شریف ہے جو اپنے شرف میں کامل ہو، صمد وہ عظیم ہے جو اپنی عظمت میں کامل ہے، صمد وہ حلیم ہے جو اپنے حلم میں کامل ہو، صمد وہ غنی ہے جو اپنے غنا میں کامل ہو، صمد وہ حکیم ہے جو اپنی حکمت میں کامل ہو۔

(درمنثور:780/10)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلصَّمَدُ کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر حاجت میں اپنی محتاجی کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگیں کہ یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد۔

وما علینا الا البلاغ المبین

جس سے مدد مانگی جائے، مددگار

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

(الانبیاء:112)

سامعین گرامی قدر! آج میں جمعۃ المبارک کے خطبہ میں اللہ رب العزت کے ایک اسم گرامی اَلْمُسْتَعَانُ اور اَلْمُعِیْنُ کا معنی اور مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْمُسْتَعَانُ۔۔۔عون سے مشتق ہے جس کے معنی مدد وحمایت کے ہیں۔۔۔ جس سے مدد مانگی جائے اور جسے مدد کے لیے پکارا جائے اسے اَلْمُسْتَعَانُ کہتے ہیں۔۔۔ جب اَلْمُسْتَعَانُ صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے تو پھر مصائب وتکالیف میں گھر کر غائبانہ پکار بھی صرف اور صرف اسی کی ہوگی، اس کے علاوہ مخلوقات میں سے کسی کو مختار جان کر مدد کے لیے غائبانہ پکارنا (غائبانہ پکار سے مراد ہے جس کو میں پکار رہا ہوں میں اس کو نہیں دیکھ رہا مگر وہ دیکھ رہا ہے اور بغیر آلات ووسائل کے مافوق الاسباب میری پکار کو سن رہا ہے) شرک کہلائے گا۔

اکثر حضرات کا خیال ہے کہ شرک تو صرف عبادات میں شریک کرنے کو کہتے ہیں۔۔۔ مثلاً اللہ کے سوا کسی کا سجدہ کرنا۔۔۔ بیت اللہ کے علاوہ کسی قبر یا مزار کا طواف کرنا۔۔۔ کسی کی عبادت اور پوجا پاٹ کرنا۔۔۔ غیر اللہ سے مدد مانگنا۔۔۔ یا غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا کوئی شرک نہیں ہے۔۔۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مدد تو ہم دن رات انسانوں سے مانگتے رہتے ہیں۔۔۔ مثلاً اے فلاں! ذرا میرا یہ کام کر دو۔۔۔ مجھے ایک گلاس پانی پلا دو۔۔۔ میرا سامان میری سواری پر لاد دو وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہ شرک نہیں تو پھر کسی کو بھی مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں۔

سب سے پہلے اس کا جواب سن لیں کہ عبادت اور مدد کے لیے پکارنا دونوں ایک ہی سطح پر اللہ رب العزت کے لیے مخصوص ہیں۔۔۔۔ مدد کے لیے پکارنے کو عربی میں دعا کہتے ہیں اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دعا یعنی پکارنے کو عبادت کہا گیا ہے۔

قرآن کریم نے ایک مقام پر اسے واضح کیا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:60)

تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔

اللہ رب العزت نے اس کے بعد جو فرمایا اسے غور سے سنیئے اور گہری نظر سے دیکھیے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن:60)

یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے روگردانی اور اعراض کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

غور فرمائیے! آیت کے پہلے حصے میں اُدْعُوْنِیْ۔۔۔ مجھے پکارو (پکار کا ذکر ہے) اور آیت کے دوسرے حصے میں عَنْ عِبَادَتِیْ فرما کر واضح کر دیا کہ پکار عبادت ہے۔۔۔ اور جو معبود ہوگا غائبانہ پکار کے لائق بھی وہی ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں اسی آیت کو بطور دلیل پیش فرمایا۔۔۔

آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔۔۔ ایک موقع پر فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔۔۔ پہلے ارشاد کا معنی ہے پکارنا ہی عبادت ہے اور دوسرے ارشاد کا معنی ہے پکار عبادت کا مغز اور نچوڑ ہے۔ (مسند احمد: 4/271، مشکوۃ، باب الدعوات)

معلوم ہوا کہ دعا اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے عبادت ہی ہے۔۔۔ کیونکہ مافوق الاسباب کسی کو مدد کے لیے پکارنا اور اس سے کوئی چیز مانگنا اس کی عبادت ہی ہے لہٰذا اللہ کے سوا کسی کو بھی حاجات میں پکارنا اور ان سے غائبانہ مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور ہم کلمہ میں اقرار کرتے ہیں لا الٰہ الا اللہ کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ہر مسلک کے لوگ نماز میں بار بار اس آیت کو دہراتے ہیں:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔۔۔ یہاں نَسْتَعِیْنُ۔۔۔ ہم مدد مانگتے ہیں تفسیر ہے نَعْبُدُ کی۔

استعانت کے لیے جب پکارا جائے تو اسے دعا کہتے ہیں اور یہ بھی عبادت ہی کی طرح اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ مولانا جعفر شاہ ندوی نے اسے بہت خوبصورت انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ کے ذوق کے لیے میں اسے یہاں نقل کر رہا ہوں:

عبادت اور استعانت دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں، جس کی عبادت ہو گی اسی سے استعانت بھی ہو گی اور جو مستعان ہو گا وہی معبود بھی ہو گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جہاں یہ فرمایا کہ "میں تمہیں بھی چھوڑتا ہوں اور ہر اس غیر اللہ کو بھی جسے تم پکارتے ہو اور میں تو اپنے رب کو پکاروں گا"، وہاں غیر اللہ کی تشریح اگلی آیت میں خود اللہ نے فرما دی کہ "جب ابراہیم

نے انہیں اور ہر اس غیر اللہ کو چھوڑ دیا جس کی وہ عبادت کرتے تھے"، گویا عبادت اور دعا (مدد کے لیے پکارنا) دونوں لازم وملزوم ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم روز اپنے کاموں کے لیے کسی نہ کسی کو مدد کے لیے بلاتے ہیں تو کیا یہ ناجائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو دنیا کا کام کیسے چلے؟ جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو کسی موچی سے نہ کہیں کہ بھئی ذرا اس تسمے کو جوڑ دے بلکہ اللہ سے دعا کرنے بیٹھ جائیں؟ کسی سے نہ کہیں کہ پانی پلاؤ؟ کوئی مریض تیماردار سے یہ فرمائش نہ کرے کہ مجھے دوا دے دو، یا سہارا دے کر اٹھادو؟ کسی تانگے والے سے یہ نہ کہیں کہ ہمیں اسٹیشن پہنچادو؟ آخر اس کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو اور کسی کو نہ پکارو؟ اس فرق کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے جو بندوں کو اور اللہ کو پکارنے کے درمیان ہے۔

مدد اور حاجت روائی کے لیے پکارنے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے پکارا جائے اسے یہ سمجھا جائے کہ ہم تو اس کے محتاج ہیں اور یہ ہمارا محتاج نہیں۔ یہ انداز دعا صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس طرح کسی کو پکارنا قطعی شرک ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہم جسے پکاریں اس کے متعلق یہ بھی یقین رکھتے ہوں کہ کسی بات میں ہم اس کے محتاج ہیں اور کسی بات میں وہ ہمارا محتاج ہے، آج وہ ہماری مدد کرتا ہے اور کل ہم اس کی مدد کریں گے۔ یہ نہ شرک ہے نہ کوئی گناہ، بلکہ اسی طرح دنیا کا کاروبار چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ پہلی صورت کو کہتے ہیں استعانت یعنی مدد مانگنا، اعانت طلب کرنا اور اس معنی میں صرف اور صرف اللہ مستعان ہے۔ دوسری شکل ہے تعاون کی، جس کا مطلب ہے ایک دوسرے کی اعانت کرنا۔ یہ کوئی شرک نہیں بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ 5:2)

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور سرکشی میں تعاون نہ کرو۔

تعاون میں ایک دوسرے سے مدد مانگتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کرتا بھی ہے۔ یعنی اگر زید، عمر سے استعانت کرتا ہے تو عمر بھی زید سے استعانت کرتا ہے۔ اسی کو تعاون کہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنے کی یہ صورت نہیں ہوتی۔ وہاں یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ آج ہم اللہ کے محتاج ہیں اور وہ ہماری مدد کرتا ہے اور نعوذ باللہ کل اللہ ہماری مدد کا محتاج ہو کر ہم سے مدد مانگے گا اور ہم اس کی مدد کریں گے۔

بالکل یہی صورت دعا کی ہے۔ اگر آج ہم کسی کو پکارتے ہیں اور کل وہ ہمیں پکارتا ہے تو یہ کوئی شرک نہیں۔ شرک وہ دعا ہے کہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر یوں پکارا جائے کہ وہ ہماری دعا (پکار) کو سن لے گا لیکن اسے خود ہمیں پکارنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے غیر اللہ سے دعا کرنا اور اسے مدد کے لیے پکارنا یا اس کی عبادت کرنا سب یکساں ہیں۔

ہم محدثین اور اہل علم کے قدردان ہیں لیکن کسی بشر کی ہر بات سے اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ بھجۃ الاسرار میں ایک نماز غوثیہ یا صلوٰۃ الاسرار لکھی ہے جسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرمایا ہے۔ ذرا وہ بھی سن لیجیے۔

مغرب کی فرض وسنت کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں، ہر رکعت میں بعد از سورت الفاتحہ گیارہ گیارہ بار سورت الاخلاص پڑھیں، سلام کے بعد حمد وثنا کریں اور گیارہ بار سلام عرض کر کے یوں کہیں:

يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا نَبِيَّ اللهِ اَغِثْنِيْ وَامْدُدْنِيْ فِيْ قَضَاءِ حَاجَتِيْ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ

پھر بغداد شریف کی طرف رخ کر کے گیارہ قدم چلیں اور ہر قدم پر یوں کہیں:

يَا غَوْثَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَرِيْمَ الطَّرَفَيْنِ اَغِثْنِيْ وَامْدُدْنِيْ فِيْ قَضَاءِ حَاجَتِيْ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ

پھر حضور نبی ﷺ کے توسل سے جناب باری میں دعا کریں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نماز ان لوگوں نے کیوں اور کس نیت سے روایت کی ہے۔ ہم اگر کچھ کہیں تو فوراً منکر صوفیہ اور منکر محدثین اور منکر فقہاء کے خطابات سے نواز دیا جائے گا، اس لیے ہم آپ کے ایمان و ضمیر پر ہی اسے چھوڑتے ہیں۔ آپ اوپر کی تصریحات کے پیش نظر خود ہی اس کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کرلیجیے۔

اس سے آگے ایک اور وظیفہ بھی صوفیوں کے ہاں رائج ہے جو بڑے بڑے علماء کا بھی معمول رہا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

یَاشَیْخ عَبْدُ الْقَادِرْ شَیْئًا لِلّٰہِ

اگر توسل صحیح ہے تو اللہ سے مانگنا اور بزرگوں کو وسیلہ بنانا چاہیے۔ یعنی الفاظ دعا یوں ہونے چاہئیں۔

اَلشَّیْخ عَبْدُ الْقَادِرْ شَیْئًا یَا اللّٰہ

مگر یہاں اللہ کو وسیلہ بنا کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دعا ہو رہی ہے۔ یہ استغاثت اور یہ دعا کس نوعیت کی ہے، تعاون ہے یا استعانت اس کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیے۔ (مقالات:86-83)

مولانا جعفر ندوی کی اس عبارت سے آپ کو تعاون اور استعانت کا فرق بخوبی سمجھ آ گیا ہوگا۔۔۔ کہ تعاون ایسے امور اور کاموں میں ہوتا ہے جس میں تعاون مانگنے والا اور تعاون کرنے والا دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ درزی کو موچی کی ضرورت ہے۔۔۔ تو موچی کو درزی کی ضرورت پڑتی ہے۔۔۔ زمیندار کو مزارع کی ضرورت ہے تو مزارع زمیندار کا محتاج ہے۔۔۔ گاہک کو دکاندار کی احتیاجی ہے اور دکاندار گاہک کے بغیر کسی کام کا نہیں۔۔۔ احتیاجی اور ضرورت کا یہ سلسلہ دونوں جانب موجود ہے۔۔۔ آج تو میری مدد کر کل تجھے بھی ضرورت پڑسکتی ہے تو میں تیری مدد کروں گا۔

مگر استعانت ان امور میں ہے جو انسانی اور بشری طاقت سے باہر ہیں اور ان کا تعلق صرف قدرتِ الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً مصائب، تکالیف، غموں اور دکھوں کو دور کرنا۔۔۔ مرادوں اور حاجات کو پورا کرنا۔۔۔ آرزوؤں کا بر لانا۔۔۔ روزی کی تنگی وفراخی۔۔۔ مال اور اولاد کی بخشش۔۔۔ بارش کا برسانا۔۔۔ فصلوں کا بڑھانا۔۔۔ عزتیں عطا کرنا۔۔۔ صحت و بیماری کا اختیار رکھنا۔۔۔ زندگی اور موت کے فیصلے کرنا۔۔۔ ان امور میں مدد مانگنا یعنی استعانت کرنا صرف اور صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے۔

یاد رکھیے! استعانت (ون وے ٹریفک کی طرح) یکطرفہ ہوتی ہے اور جو دوطرفہ ہو اسے استعانت نہیں کہتے بلکہ تعاون کہتے ہیں۔۔۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک اور قطعی حرام ہے اور ظاہری امور میں ایک دوسرے سے تعاون حکم الٰہی ہے، شرط صرف یہ ہے کہ تعاون نیکی کے کاموں میں ہونا چاہیے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ:2)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

استعانت صرف اور صرف اللہ رب العزت سے ہونی چاہیے اس لیے کہ اَلْمُسْتَعَانُ صرف وہی ہے اور ہم بار بار اقرار اور وعدہ کرتے ہیں کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا مُستعان کون؟ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھائی اپنے ساتھ لے کر گئے اور ایک تاریک کنوئیں میں پھینک کر یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لائے اور کہانی گھڑی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔۔۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے: بابا! آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے مگر ہیں ہم سچے۔۔۔ بیٹے رات

کے وقت روتے ہوئے آئے تھے اور یوسف کے خون آلود کرتے کو اپنی صداقت اور سچائی کی دلیل بنا رہے تھے۔

(سامعین گرامی قدر! اس واقعہ پر ذرا غور کیجیے! کیا حقیقت اور کیا بات سمجھ آ رہی ہے؟ کیا مسئلہ واضح ہو رہا ہے؟ صدقِ دل سے اور ہر قسم کے مسلکی تعصب سے کنارہ کش ہو کر بتلایئے۔۔۔۔ کیا سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام جن کے والد بھی نبی اور جن کے دادا جد الانبیاء پھر خلیل اللہ۔۔۔۔ وہ عالم الغیب ہیں۔۔۔؟ اور حاضر و ناظر ہیں۔۔۔؟ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو وہ علیحدہ بیٹھ کر یوسف کو اپنے ساتھ لے جا کر کنوئیں میں ڈالتے یا قتل کرنے کے مشورے کرتے۔۔۔؟ وہ مشورہ کر کے آئے، اپنا مدعا بیان کیا، یوسف کے ساتھ خیر خواہی اور محبت جتلائی تو سیدنا یعقوب علیہ السلام کہتے جس جگہ پر تم نے یوسف کو ساتھ لے جانے کا مشورہ کیا ہے اور جو تدبیریں تم نے سوچی ہیں میں سب کو جانتا ہوں، مجھ سے تمہاری کوئی حرکت مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔۔۔ اگر بھائیوں کا یہی عقیدہ ہوتا تو وہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا کی کہانی بیان کرتے۔۔۔؟ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگاتے۔۔۔؟ رو رو کر اپنے عمل پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔۔۔؟ معلوم ہوا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر۔۔۔ عالم الغیب ہونا اور حاضر و ناظر ہونا یہ صفت صرف باری تعالیٰ ہی کی ہے۔

دوسری حقیقت اس واقعہ سے یہ واضح ہوئی کہ کبھی کبھی زیادتی کرنے والے بھی اپنے جرم کو چھپانے کے لیے آنسو بہاتے اور ماتم کرتے ہیں۔۔۔ کوفہ کے جن غداروں نے خط لکھ لکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تھا عین موقع پر غداری کرتے ہوئے اور بے وفائی کرتے ہوئے انہیں کنبہ کے باقی افراد کے ساتھ شہید کر دیا اور اپنے خطوط کو جلانے کے لیے خیموں کو آگ لگا دی۔۔۔ اور یہ مذموم اور سفاکانہ کارروائی کر کے اپنے جرم پر پردہ

ڈالنے کے لیے کوفہ کے بازاروں میں ماتم کرنے لگے اور بلند آواز سے رونے لگے۔
حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں روتے ہوئے مخاطب کیا کہ تم نے ہمیں بلایا اور پھر غداری کر کے شہید کیا اب روتے اور ماتم کرتے ہو، اللہ کرے تم قیامت تک روتے رہو۔۔۔اگر تم ہمارے قاتل نہیں ہو تو بتاؤ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟)

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات سن کر اور یہ دیکھ کر کہ بھیڑیا یوسف کو کھا گیا مگر کرتہ کسی جگہ سے بھی نہیں پھٹا۔۔۔فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۔۔۔بات یوں نہیں جس طرح تم کہہ رہے ہو بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۔۔۔۔بس اب صبر ہی بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۔۔۔اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔(یوسف:18)

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مُستعان کون؟

منافقین نے ایک سازش کے تحت جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی اور بہتان باندھا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ سے اجازت لے کر ام المومنین اپنے والد کے گھر تشریف لے گئیں۔۔۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد امام الانبیاء ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے اور پریشان حال عائشہ سے پوچھا کہ تم ہی بتاؤ معاملہ کیا ہے؟

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ ۔۔۔اللہ کی قسم میرا معاملہ وہی ہے جو یوسف کے باپ کا تھا۔(ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ فرطِ غم سے میری زبان سے سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام نہیں آرہا تھا اس لیے میں نے ابا

یُوسُف کہا)

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (بخاری، تفسیر سورت یوسف)

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا (میں بھی صبر کا راستہ اختیار کرتی ہوں) اور جو کچھ لوگ بیان کر رہے ہیں اس پر اللہ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے (میں بھی اپنے معاملہ میں اللہ سے مدد مانگتی ہوں)

پھر اللہ رب العزت نے ایسی مدد فرمائی کہ اسی وقت جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزگی اور پاکدامنی کی گواہی میں اللہ تعالیٰ نے سورت النور کی چند آیات نازل فرمائیں۔

امام الانبیاء ﷺ کا مُستعان کون؟ امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا کو قرآن نے نقل فرمایا ہے جو آپ نے مشرکین مکہ کے مقابلہ میں مانگی تھی۔۔۔ جب مشرکین نے ہر طرح سے آپ کو ستایا، زبانی ایذاء بھی دی اور جسمانی تکالیف پہنچانے کی حد کر دی۔۔۔ جب وہ بار بار آپ سے درخواست کرتے کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو وہ عذاب کہاں؟ وہ عذاب کب آئے گا؟ نبی اکرم ﷺ ان کے جواب میں فرماتے:

وَإِنْ أَدْرِيْ أَقَرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (الانبیاء:109)

جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دور ہے۔

جب مشرکین تکذیب کی حدیں بھی پار کرنے لگے تو آپ نے یوں دعا مانگی:

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۔۔۔ اے میرے پالنہار مولا! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما۔۔۔ ساتھ ہی فرمایا: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (الانبیاء:112)

اور ہمارا پروردگار رحمن ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو (یعنی میری بابت جو مختلف باتیں تم بیان کرتے رہتے ہو، میری تکذیب کر کے

میرے خلاف مشورے اور مذموم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے ہو تمہاری ان سب باتوں کے مقابلے میں ہمارا رب مہربان ہی ہے جس سے ہم مدد کے طلبگار ہیں وہی ہماری مدد کرنے والا ہے)

اللہ رب العزت نے میرے پیارے پیغمبر ﷺ کی دعا قبول فرما کر ایسی کامیابی وکامرانی عطا فرمائی جو آپ سے پہلے کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا کے الفاظ پر اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کی دعا کے الفاظ پر غور فرمایئے۔۔۔! میرے نبی مکرم ﷺ کی دعا کے الفاظ میں دعائے یعقوب سے بڑھ کر کس قدر قوت و پختگی ہے۔

دونوں کی دعا کی قبولیت میں بھی یہی فرق موجود ہے۔۔۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو صرف گمشدہ یوسف ملا اور میرے پیارے پیغمبر ﷺ کی گود میں ہزاروں گمشدہ اور گمراہ لوگ آئے اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئے۔

سامعین گرامی قدر! میں آپ کو میدانِ بدر میں لے جانا چاہتا ہوں۔۔۔ جب مسلمان کمزور اور ظاہری ساز وسامان سے محروم تھے۔۔۔ ان کی تعداد بھی صرف تین سو تیرہ تھی۔۔۔ ان کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا۔۔۔ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔۔۔ پانی پر مشرکین کی فوج کا قبضہ تھا۔۔۔ اور ریتلا میدان مسلمانوں کے حصے میں آیا تھا۔۔۔ ایسے دگرگوں حالات میں مسلمانوں کا سہارا صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات پر تھا۔۔۔ جس کے آگے وہ زاریاں کر رہے تھے اور گڑگڑا کر التجائیں کر رہے تھے۔۔۔ خود امام الانبیاء، سرتاج کائنات، محبوب رب العالمین ﷺ بھی الگ ایک خیمے میں ساری رات نہایت عاجزی اور زاری سے دعا میں معروف تھے، آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔۔۔ داڑھی مبارک بھیگ گئی تھی۔۔۔ ان کی اس حالت کو قرآن نے ذکر کیا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ (الانفال:9)

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے (یہ فریادیں کون کر رہا ہے کائنات کا سردار۔۔۔ یہ فریادیں کرنے والے کون ہیں، صدیق اکبر ہیں، فاروق اعظم ہیں، حیدر کرار ہیں، طلحہ و زبیر ہیں، بلال و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔۔۔ ساری دنیا کے ولی اور پیر اور مرشدان کے قدموں کی خاک کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔۔۔ مگر میدانِ بدر میں وہ مدد کے لیے کس کو پکار رہے ہیں؟ کس کے آگے فریاد کر رہے ہیں؟ کس کے آگے رو رو کر زاریاں کر رہے ہیں؟ اگر مدد کرنا ان کے اختیار میں ہوتا اور اگر فتح و شکست کے فیصلے ان کے ہاتھ میں ہوتے تو پھر انہیں رونے اور پریشان ہونے اور التجائیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟)

قرآن کہتا ہے مسلمانوں نے پکارا تو فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔۔۔ اللہ نے جواب دیا کہ تمہاری پکار و التجا کو میں نے سنا بھی ہے اور شرفِ قبولیت بھی بخشا ہے۔

پھر اللہ نے کیا فرمایا:

أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ۔۔۔ میں ایک ہزار لگا تار اترنے والے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا (یہاں کوئی کج فہم یہ نہ سمجھ لے کہ فرشتوں نے مدد کی تھی کیونکہ اس آیت کے بعد اللہ رب العزت نے واضح کیا کہ فرشتوں کا اترنا صرف اس لیے ہے کہ تمہارے لیے خوشخبری بنے اور تمہارے دلوں میں اطمینان کی دولت آجائے ورنہ

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال:10)

اور مدد و نصرت تو صرف اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست و حکمت والا ہے۔

(یعنی مدد کرنے والی ذات اللہ رب العزت ہی کی ہے، آگے اللہ کی مرضی ہے کہ وہ مدد کس کے ذریعہ کرتا ہے۔۔۔ فرشتوں کے ذریعہ یا مکڑی کے جالے کے ذریعہ یا کبوتری کے انڈوں کے ذریعے)

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مدد کس کے ذریعہ ہوئی بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں مدد کے لیے پکارنا کس کو چاہیے؟ قرآن وحدیث اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ مدد کے لیے پکارنا صرف اللہ رب العزت کو چاہیے۔۔۔ آگے اس کی مرضی ہے وہ کسی جن کو بھیج کر مدد کرے یا فرشتوں کو اتار کر مدد کرے یا مکڑی غار کے منہ پر جالا تن دے یا کسی جانور یا جمادات کو ذریعۂ اعانت بنادے، جس کا ہمیں علم بھی نہ ہو سکے۔ وہ جو بھی چاہے اور جو مناسب سمجھے کرے اس سے ہمیں غرض نہیں، یہ اس کا کام ہے اور ہمارا کام یہ ہے کہ ہم صرف اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکاریں۔

سامعین مکرم! آخر میں کچھ ایسی دعاؤں کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْمُسْتَعَانُ کو ذکر کیا گیا ہے یا ان دعاؤں میں اللہ سے استعانت اور مدد مانگی گئی ہے۔

سب سے پہلے میں اس دعا کا ذکر کروں گا جو امام الانبیاء ﷺ نے مرض الوفات میں مانگی تھی جب مرض نے شدت اختیار کی اور موت کے سکرات طاری ہوئے تو آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ (صحیح بخاری)

اے اللہ! موت کی تلخیوں پر تو میری مدد فرما۔

ایک حدیث میں آیا نبی اکرم ﷺ نے مشہور صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: معاذ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو ہر نماز کے بعد اس دعا کو لازماً پڑھا کر:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (ابوداود، کتاب الوتر)

اے اللہ! اپنے ذکر پر اور اپنی نعمتوں کے شکر کرنے پر اور اپنی عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مختلف اوقات میں کئی دعائیں سکھائیں اور خود بھی بہت سی دعائیں مانگیں جنہیں ہم یاد نہ رکھ سکے، پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں مانگیں جو ہمیں یاد نہ رہیں، آپ نے ہماری اس پریشانی کو دیکھ کر فرمایا۔۔۔کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتادوں جو تمام دعاؤں کی جامع ہو۔۔۔ہم نے عرض کیا ضرور بتلائیے۔آپ نے فرمایا یوں دعا مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مَنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ (ترمذی، باب الدعوات)

اے اللہ! ہم تجھ سے ہر اس بھلائی اور خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا سوال تیرے نبی ﷺ نے کیا اور ہر اس چیز سے پناہ مانگتے ہیں جس سے تیرے نبی ﷺ نے پناہ مانگی ہے تو ہی مددگار ہے تو ہی بھلائی اور برائی کا پہنچانے والا ہے اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت بھی صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

آخر میں ایک فرمان نبوی ﷺ سماعت فرمایئے۔

مشہور صحابی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا کہ ایک شخص باغ کے دروازے پر آیا اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا آپ نے فرمایا دروازہ کھول دو، اور اسے جنت کی خوشخبری سناؤ۔۔۔میں نے دروازہ کھولا دیکھا تو وہ ابوبکر تھے (یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بڑی خوشخبری ہے امام الانبیاء ﷺ وحی الٰہی کے مطابق کلام فرماتے تھے جو لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھ کران پر تبراء کرتے ہیں ان کے لیے لمحہ فکر یہ ہے اس کے علاوہ بھی نبی اکرم ﷺ نے متعدد بار انہیں جنت کی بشارت دی ہے، ایک موقع پر فرمایا کہ ابوبکر کو جنت کے آٹھوں دروازے اپنی جانب بلائیں گے) سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے خوشخبری سن کر اللہ کی حمد وثنا کی۔

کچھ دیر کے بعد پھر ایک شخص آیا اور دستک دی، آپ نے فرمایا دروازہ کھول دے اور اسے بھی جنت کی بشارت دے، میں نے دیکھا تو وہ عمر تھے، میں نے انہیں جنت کی بشارت سنائی انہوں نے الحمدللہ کہا (آپ کی یہ بشارت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے باعث افتخار ہے اور ان کی عظمت ورفعت پر شاہد ہے، سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے علاوہ بھی نبی اکرم ﷺ نے جنت کی بشارتیں دی ہیں، معراج کے سفر میں ایک موتی کا بنا ہوا مکان جو بہت خوبصورت اور حسین تھا آپ کے پوچھنے پر جبریل امین نے کہا یہ مکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے)

تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک شخص آیا دروازے کھولنے کی استدعا کی، آپ نے فرمایا کھول دے اور اس کو بھی جنت کی خوشخبری سنا دے مگر اسے دنیا میں کچھ مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ عثمان تھے (دنیا میں کچھ آزمائشیں اور تکالیف سے مراد وہی حالات ہیں جو انہیں اپنے دورِ خلافت کے آخری سالوں میں پیش آئے اور چند شر پسندوں کی سازش سے آپ شہید کر دیئے گئے)

میں نے انہیں جنت کی بشارت سنائی اور جو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا وہی ان سے کہہ دیا، انہوں نے سن کر اللہ کا شکر ادا کیا پھر کہا:

اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ (بخاری، باب مناقب عمر)

اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ (یعنی اس آزمائش اور مصیبت میں وہی مدد کرے گا اور صبر واستقامت عطا کرے گا)

اللہ رب العزت کے نام اَلْمُسْتَعَانُ کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے چھوٹے بڑے امور میں۔۔۔ مصائب ومشکلات میں گھِر کر۔۔۔ بیماریوں اور دکھوں میں۔۔۔ جیل کی تنگ وتاریک کوٹھری میں۔۔۔ اور آزادی کی فضاؤں میں۔۔۔ اولاد کی طلب کے لیے۔۔۔

اور پریشانیوں سے نجات کے لیے۔۔۔ تخت پر اور تختے پر مدد کے لیے صرف اور صرف اللہ کو پکارے۔۔۔ استعانت صرف اسی سے چاہے۔۔۔ اور اس عہد کی پاسداری کرے جس کا وعدہ وہ ہر نماز میں اللہ سے کرتا ہے:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اللہ کے علاوہ کسی سے مافوق الاسباب مدد مانگنا شرک جلی ہے اور شرک نا قابل معافی جرم ہے۔ اکثر مسلمان اس شرک میں اس لیے مبتلا ہیں کہ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی نہیں سمجھتے یا سمجھنے پر مائل نہیں ہوتے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْحَقُّ

سچا، برحق و برقرار رہنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (یونس:32)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا ایک حسین نام اَلْحَقُّ آج ہمارے خطبہ جمعۃ المبارک کا موضوع اور عنوان ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں اس کا معنی ومفہوم آپ حضرات کے سامنے بیان کرسکوں۔

بعض علماء نے اَلْحَقُّ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

اَلْحَقُّ مِنْ اَسْمَائِہٖ وَھُوَ بِمَعْنَی الْمَوْجُوْدُ الْکَامِلُ

اَلْحَقُّ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کا معنی ہے وہ ذات جو اپنے وجود برحق کے ساتھ موجود ہے۔ (جس کا وجود متحقق ہو، جو معبود برحق ہو، ایسا مالک اور بادشاہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو، جو اپنی صفات وافعال میں کامل ہو)

حق کا لفظ قرآن مقدس میں 237 بار آیا ہے۔ اس لفظ کا اس کثرت سے استعمال ثابت کرتا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد بلکہ سب سے بڑا مقصد حق بات کو پھیلانا، حق بات کو بیان کرنا، حق بات کی تعلیم دینا ہے۔

قرآن کریم سراپا حق ہے۔ جو ذات بھیجنے والی ہے وہ حق ہے، جو تعلیم دیتا ہے وہ حق ہے، مستقبل کی جو خبریں دیتا ہے وہ حق ہے، ماضی کے جو واقعات سناتا ہے وہ حق ہے، قرآن حق بات کو لے کر آیا ہے، حق اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بنی اسرائیل:105)

ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور حق لے کر اترا ہے۔

بلاشبہ حقیقی حقانیت اللہ ہی کی ذات کو حاصل ہے۔۔۔ پھر جن جن اشخاص اور جن جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہو گئی انہیں بھی حقانیت حاصل ہو گئی۔۔۔ کتاب اللہ قرآن کو۔۔۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو۔۔۔ کعبہ بیت اللہ کو۔۔۔ رمضان شہر اللہ کو۔۔۔ اسلام دین اللہ کو۔۔۔ اصحاب رسول، حزب اللہ کو۔۔۔ ان سب کو حقانیت سے مالا مال کر دیا گیا۔۔۔ پھر میزان کو۔۔۔ پل صراط کو۔۔۔ حوضِ کوثر کو۔۔۔ مقامِ محمود کو۔۔۔ لواء الحمد کو۔۔۔ پھر قیامت اور اللہ رب العزت کی طرف سے ہونے والے تمام وعدے حق ہیں کیونکہ اَلْحَقُّ نے انہیں حق بنایا اور حق کے ساتھ ان کا ظہور ہو گا۔

قرآن کریم نے حق کے لفظ کو متعدد معنوں میں استعمال کیا ہے اور وہ سب کے سب معنی حق کے لغوی معنی ہیں۔ کبھی حق عدل وانصاف کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (الجاثیہ:29)

یہ ہے ہماری کتاب (اعمال نامہ) جو انصاف کے ساتھ بول رہی ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے رہتے تھے۔

کبھی حق راست بازی اور سچ کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ (الکہف:29)

اور اعلان کر دیجیے کہ (یہ قرآن) تمہارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (لقمان:33)

یقیناً اللہ کا وعدہ (جزا و سزا کا) سچا ہے۔

کبھی حق رشد و ہدایت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔۔۔ جنات کا ایک گروہ وادیٔ نخلہ میں امام الانبیاء ﷺ کی زبانِ مقدس سے قرآن کریم سن کر اپنی قوم کے پاس پہنچا اور انہیں تبلیغ کرتے ہوئے کہا ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔۔۔۔۔ اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ (الاحقاف:30)

حق اور سیدھی راہ کی طرف لے جانے والی ہے۔

کبھی حق صداقت کے معنی میں آتا ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ (آل عمران:3)

اللہ نے آپ پر کتاب (قرآن) کو صداقت کے ساتھ نازل فرمایا۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ (الزمر:2)

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف صداقت کے ساتھ نازل فرمایا۔

یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے، جو وعدے کیے ہیں اور جو تخویفات سنائی ہیں اور ماضی کے جو حالات بتائے ہیں ان کی حقیقت اور صداقت بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گی۔

کبھی حق معین و مقرر حصے کے معنی میں آتا ہے:

وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات:19)

(متقی لوگ جو جنت میں جائیں گے ان کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے)

کہ ان کے اموال میں مانگنے والوں اور سوال سے بچنے والوں کا مقرر حصہ ہوتا تھا۔

اللہ رب العزت کا اسم گرامی اَلْحَقُّ ان جملہ معانی کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔۔۔قرآن کریم اَلْحَقُّ کی برحق اور سچی کتاب ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ (الکھف:29)

آپ اعلان کریں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔ (تحریف اور تغیر وتبدل سے محفوظ۔۔۔اسے منسوخ کرنے والی اب کوئی کتاب نہیں آئے گی۔۔۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود اٹھائی۔۔۔مخالفین کو چیلنج کیا:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔۔۔اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ)

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی ایسی حفاظت فرمائی کہ اس کے ایک ایک لفظ کو محفوظ فرما دیا اور مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ کر دیا۔

ایک شخص جو عمدہ کاتب تھا، اس نے یہ جانچنا چاہا کہ کون سا دین صحیح ہے؟ اس کے لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تورات، انجیل اور قرآن کی انتہائی خوبصورت کتابت کی اور کچھ جگہوں پر کمی بیشی بھی کر دی۔ پھر تورات کو لے کر یہود کے علماء کے پاس پہنچا، انہوں نے اسے پڑھا اور اتنی خوبصورت کتابت پر اس کی تعریف کی اور انعام سے بھی نوازا۔

پھر انجیل کا نسخہ عیسائی پادریوں کے ہاں لے کر گیا، انہوں نے بھی اتنی حسین کتابت پر اس کی تعریف کی اور بڑے انعام سے نوازا۔

پھر وہ قرآن کریم کا نسخہ لے کر مسلمانوں کے علماء کی خدمت میں پہنچا، انہوں نے پڑھا اور اس میں کمی بیشی کو دیکھا تو اسے پکڑ لیا، اس کی مرمت کرنے کے بعد حاکم وقت کے پاس لے گئے، حاکم نے تحریف قرآن کے جرم میں اس کے قتل کا حکم صادر کیا، تب اس

نے اصل حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا کہ میں جاننا چاہتا تھا کہ کون سا دین صحیح اور محفوظ ہے۔۔۔آج واضح ہو گیا کہ دین اسلام ہی دین برحق ہے جس کی کتاب ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔

معبودِ برحق صرف اللہ ہے معبود برحق صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔ اس کے علاوہ جن کو معبود بنایا گیا ہے وہ سب معبودانِ باطلہ ہیں۔۔۔عبادت کا حقدار صرف اور صرف اَلْحَقُّ ہی ہے اور اَلْحَقُّ کا حق کسی کو دینا شرک ہے۔

قرآن کریم نے سورت الحج میں مسلمانوں سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تو ساتھ ہی اپنی قدرت کا ذکر کر کے بتایا کہ میں مدد کر سکتا ہوں کیونکہ دن کو رات میں داخل کر کے رات کو طویل کرنے والا اور رات کو دن میں داخل کر کے دن کو لمبا کرنے والا ہر ایک کی پکار کو سننے والا اور ہر ایک کی حالت کو دیکھنے والا وہی ہے۔آگے فرمایا کہ یہ مدد اور مسلمانوں کی نصرت اور انہیں فتح یابی سے ہمکنار کیوں کروں گا؟ اس لیے کہ

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ (الحج:62)

یہ اس لیے کہ اللہ وہی ہے (معبود) حق اور اس کے سوا جسے بھی مشرکین پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔

سورت لقمان میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرتوں اور اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں کہا:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ (لقمان:30)

یہ اس لیے کہ اللہ وہی ہے (معبود) حق اور اس کے سوا جسے بھی مشرکین پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔

اَلْحَقُّ ہی معبود برحق ہے۔۔۔اس کے جو حقوق ہیں وہ کسی اور کے لیے ادا کرنا شرک ہوگا۔۔۔عبادت و پکار صرف اسی کا حق ہے۔۔۔سجدہ اسی کا حق ہے۔۔۔نذر و نیاز

بھی اسی کا حق ہے۔۔۔وہ تعظیم جو اللہ کے لیے خاص ہے انہیں غیر اللہ پر خرچ کرنا شرک کہلائے گا۔

اللہ رب العزت نے یہود و نصاریٰ کے شرک کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ: 31)

یہود و نصاریٰ نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عیسائی مذہب ترک کر کے اسلام کے دامن میں آئے تھے انہوں نے اس آیت کو پڑھ کر نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

ہم نے تو اپنے علماء اور درویشوں کو کبھی بھی رب نہیں کہا تھا، پھر قرآن نے ان کو رب بنانے کا الزام ہم پر کیسے لگایا؟

نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا۔۔۔کیا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے علماء بہت سی ایسی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور تم اپنے علماء کے کہنے پر ان کو حرام سمجھتے ہو۔۔۔اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر تمہارے علماء انہیں حلال کہتے ہیں تو تم ان کی بات کو مان کر اسے حلال قرار دیتے ہو۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیشک ایسا تو ہے، اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہی ان کو رب بنانا ہے۔ (ترمذی)

کیونکہ حلال و حرام کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب مان لیا ہے۔

(یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانا اس کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔۔۔سورت التحریم کی پہلی آیت اس

پر گواہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ (التحریم:1)

اے میرے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے اسے آپ نے حرام کیوں کیا)

قرآن نے ایک مقام پر معبودیت الٰہی پر دلیل عقلی علیٰ سبیل الاعتراف من الخصم پیش کی ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (یونس:31)

میرے پیغمبر! ان مشرکین سے پوچھیے کہ تمہیں زمین وآسمان سے روزی کون دیتا ہے (آسمان سے بارش برسا کر، سورج کی تمازت سے فصلیں پکا کر، چاند کی ضیا پاشیوں سے پھلوں میں رس بھر کر، اور زمین سے۔۔۔ایک دانے کو سات سو دانوں میں بدل کر) تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے، وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے مشرکین جواب میں یقیناً کہیں گے کہ اللہ، تو ان سے کہیے پھر شرک سے بچتے کیوں نہیں ہو۔

اس کے بعد فرمایا: فَذَٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ (یونس:32)

پس ان صفات کا مالک اللہ تمہارا رب ہے حقیقی پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے پھر تم کہاں سے الٹے پھرے جا رہے ہو۔

یعنی جب تم مانتے ہو کہ رازق اور مالک اللہ ہے۔۔۔جب مانتے ہو کہ محی اور ممیت اور مدبر بھی اللہ ہے تو پھر اس اللہ کا حق کسی اور کو کیوں دیتے ہو۔۔۔؟ اس کی

صفات میں غیر اللہ کو شریک کیوں بناتے ہو۔۔۔؟ پھر غیر اللہ کے در پر سجدہ ریزیاں کیوں کرتے ہو۔۔۔؟ پھر غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو۔۔۔؟ پھر اُعْلُ ھُبَل اور لَنَا عُزّٰی کے نعرے کیوں لگاتے ہو؟

یاد رکھیے! اَلْحَقُّ کا حق غیر اللہ کو دینا شرک کہلائے گا۔۔۔ عبادت و پکار اللہ ہی کا حق ہے۔۔۔ سجدہ اور نذر و نیاز اللہ ہی کا حق ہے اسے غیر اللہ پر خرچ کرنا شرک کہلائے گا۔

قرآن کریم نے اسے ایک جگہ پر بیان فرمایا:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔۔۔ اسی کو پکارنا حق ہے (اس کے علاوہ کسی اور کو غائبانہ پکارنا باطل ہے)

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ کے اعلان سے پہلی آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی کئی صفات اور متعدد کاریگریوں کا تذکرہ کیا ہے۔۔۔ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند میں نے کیا ہے۔۔۔ سورج اور چاند کو اپنے حکم کا مسخر میں نے کیا ہے۔۔۔ زمین کو پھیلا کر بچھا دیا۔۔۔ اور پہاڑوں کی میخیں ہم نے ٹھونکیں۔۔۔ ہر قسم کے پھل میں نے پیدا کیے۔۔۔ دن اور رات کے نظام کو میں نے چلایا۔۔۔ زمین کے ٹکڑے ملے ہوئے ہیں مگر پھلوں میں مختلف تاثیریں اور ذائقے میں نے رکھے۔۔۔ ہر مادہ کے رحم کی حالت کو جاننے والا بھی میں ہو۔۔۔ عالم الغیب والشہادۃ بھی میں ہوں۔۔۔ بھاری بھاری بادلوں کو ہانک کر لانے والا میں ہوں۔۔۔ جب یہ ساری کی ساری صفتیں میری ہیں تو نتیجہ اور ثمرہ یہ نکلا:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔۔۔ حاجات و مصائب میں اسی کو پکارنا حق ہے۔۔۔ اسی کو پکارنا عقل و خرد کے مطابق ہے کیونکہ ہر ایک کی پکار کو سننے والا وہی ہے۔۔۔ اور ہر چیز کا مالک بھی وہی ہے۔۔۔ غیر اللہ کی پکار باطل بھی ہے اور عقل و خرد کے بھی خلاف ہے۔

اسی حقیقت کو یہاں بیان فرمایا:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (الرعد:14)

اسی کو پکارنا حق ہے جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکاروں کو کچھ بھی قبول نہیں کر سکتے (ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ پانی اس کے منہ میں پڑ جائے (اس پیاسے شخص کی طرح جسے پیاس نے پاگل کر دیا ہے وہ کنویں کی منڈیر پر آتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ رسی اور ڈول نہیں ہے وہ پانی کو آواز لگانے لگ جاتا ہے آ پانی، آ پانی۔۔۔ ساری زندگی پانی کو آواز لگاتا رہے پانی نہ اس کی آواز سن سکتا ہے اور نہ اس کے منہ تک پہنچ سکتا ہے، اسی طرح جو شخص کسی قبر پر آ کر صاحب قبر کو آواز لگاتا ہے اور اسے پکار رہا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہاں روح والی رسی اور ڈول تو ہے نہیں جس طرح پانی پیاسے کی آواز سن کر اس کی فریاد کو پہنچ نہیں سکتا یہ بھی اس کی پکار کو سن کر اس کی حاجت کو پورا نہیں کر سکتا)

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (طٰہٰ:114)

پس اعلیٰ و برتر ہے اللہ بادشاہ سچا۔

ایک جگہ پر ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ (النور:25)

بیشک اللہ ہی حق ہے اور (حقیقت) کو واضح کر دینے والا ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (المومنون:116)

پس بلند و بالا ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ عرشِ کریم کا مالک ہے۔

ان تمام آیات سے یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ مالک حقیقی اور سچا بادشاہ صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے جس کا ہر ہر وعدہ حق ہے۔۔۔جس کی ہر ہر وعید حق ہے۔۔۔ جنت اور جہنم حق ہے۔۔۔اس کا دین حق ہے۔۔۔اس کی کتاب سراپا حق وصداقت ہے۔۔۔اس کی جانب سے ملنے والی خوشخبریاں حق ہیں۔۔۔۔اور وہی حق کے ساتھ فیصلے کرنے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں نبی اکرم ﷺ کی ایک دعا آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس میں اللہ رب العزت کی صفت اَلْحَقُّ کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ، اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، اَنْتَ اِلٰهِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (بخاری)

یا اللہ! آپ ہی کے لیے (سب) تعریف ہے (اس لیے کہ) آسمانوں اور زمین کو اور ان کی تمام مخلوقات کو قائم رکھنے (اور سنبھالنے) والے آپ ہیں اور آپ ہی کے لیے (سب) حمد وثنا ہے (اس لیے کہ) آپ ہی آسمانوں کے اور زمین کے اور ان کی تمام مخلوقات کے بادشاہ ہیں اور آپ ہی کے لیے (سب) تعریف ہے (اس لیے کہ) آپ ہی آسمانوں اور زمین کے اور ان کی تمام مخلوقات کے نور ہیں اور آپ ہی کے لیے (سب) تعریف ہے (اس لیے کہ) آپ ہی حق ہیں اور آپ کا وعدہ بھی حق ہے اور (قیامت کے

دن) آپ سے ملنا بھی برحق ہے اور جنت بھی برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے اور تمام نبی بھی برحق ہیں اور محمد ﷺ بھی برحق ہیں، قیامت بھی برحق ہے، یا اللہ! آپ ہی کے سامنے میں نے سر جھکایا ہے اور آپ ہی پر ایمان لایا ہوں اور آپ ہی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور آپ ہی کی جانب میں نے رجوع کیا ہے اور آپ ہی کی مدد سے میں نے (منکروں) سے جھگڑا کیا ہے اور آپ ہی کی بارگاہ میں فریاد لایا ہوں، آپ ہی ہمارے رب ہیں اور (مرنے کے بعد) آپ ہی کے پاس ہمیں لوٹ کر آنا ہے، پس آپ بخش دیجیے جو کچھ (گناہ) میں نے (اب سے) پہلے کیے اور جو اس کے بعد کروں اور (گناہ) میں نے چھپا کر کیے اور جو اعلانیہ کیے اور وہ گناہ جن کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، آپ ہی مقدم (آگے) کرنے والے ہیں اور آپ ہی موخر (پیچھے) کرنے والے ہیں، آپ ہی میرے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہی (کی جانب) سے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بہت محبت کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ (البروج:14)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک کے لیے اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ میں سے جس نام کا میں نے انتخاب کیا ہے وہ ہے اَلْوَدُوْدُ۔

بعض علماء نے اَلْوَدُوْدُ کا معنی کیا ہے:

فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَدُوْدٌ لِأَوْلِيَآئِهٖ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ مُحِبٌّ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور اپنے نیک بندوں کے لیے ودود ہیں یعنی ان سے محبت کرنے والے ہیں۔

اور اَلْوَدُوْدُ کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے:

هُوَ الْوَدُوْدُ بِكَثْرَةِ إِحْسَانِهٖ أَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُوَدَّ فَيُعْبَدَ وَيُحْمَدَ

اَلْوَدُوْدُ وہ ذات ہے جس کے احسان وانعامات کی کثرت کی بنا پر اس سے محبت کرنی چاہیے، یعنی اپنی بے شمار نعمتوں کی وجہ سے وہ اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے (اور محبت کی علامت یہ ہے) کہ اسی کی عبادت کی جائے اور ہر وقت اسی کی تعریف کی

جائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ودود اسم فاعل کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا بہت محبت کرنے والا اور اگر اسم مفعول کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا وہ ذات جس سے محبت کی جائے۔

اللہ رب العزت نے ایک مقام پر اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبانِ مقدس سے اعلان کروایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (التوبہ:24)

آپ کہیں! اگر تمہارے آباء واجداد اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا خوف رکھتے ہو اور وہ مکان اور بنگلے جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پیاری ہیں تو تم اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایک جگہ پر مومنین کو دین اسلام پر پختہ رہنے کی تاکید فرمائی اور انہیں ارتداد سے منع کیا اور ارتداد کی صورت میں بدلے میں دوسری قوم لانے کا اعلان فرمایا اس قوم کی کن صفتوں کو ذکر فرمایا: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدہ:54)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ بہت جلد

ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کو محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کفار پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے یہ ہے اللہ کا فضل جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! ایک مومن کے دل میں سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔۔۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کا یہی تقاضا اور یہی مطالبہ ہے۔

مگر شریعت کا یہ بھی تقاضا اور مطالبہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے محبت کی جائے اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر کی جائے۔ خود نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری، کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میری ذات اس کو اس کے والد سے، اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

ایک موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیاء ﷺ سے کہا:

مجھے آپ میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔۔۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا جب تک کوئی شخص اپنی جان سے بھی بڑھ کر میرے ساتھ محبت نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو سکتا۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر فوراً کہا اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب ہیں۔ (بخاری، کتاب الایمان)

اور شریعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ والدین سے بھی محبت کی جائے، اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے بھی محبت کی جائے، پھر اللہ کی محبت اور نبی کی محبت اور ولی کی محبت میں فرق کیا رہا؟

خوب سمجھ لیجیے! ہر ایک سے محبت کا معیار الگ الگ ہے، جو محبت اللہ سے کرنی

ہے وہ محبت اللہ کے رسول سے نہیں کرنی اور جو محبت اللہ کے رسول سے کرنی ہے ایسی محبت ولی اللہ سے نہیں کرنی۔

کیا ایک شخص اپنی ماں سے محبت نہیں کرتا؟ اپنی بہن سے محبت نہیں کرتا؟ اپنی بیٹی سے محبت نہیں کرتا؟ اور وہ اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا ہے؟۔۔۔ کیا ہر ایک سے ایک جیسی محبت کرتا ہے یا ہر ایک سے محبت کا معیار الگ ہے، جس نگاہ سے ماں کو دیکھتا ہے کیا اسی نگاہ سے بیوی کو دیکھتا ہے؟ اگر بیوی کہے کہ تمہیں تو اپنی ماں سے محبت ہے اور مجھ سے محبت نہیں ہے کیونکہ جس نگاہ سے ماں کو دیکھتے ہو تم اس سے نگاہ سے مجھے نہیں دیکھتے۔۔۔ تو کیا بیوی کی یہ بات عقل وخرد کے ترازو پر پوری اترتی ہے؟

کہتے ہیں کہ شادی کے کچھ دن بعد ہی بیوی اپنے شوہر سے ناراض رہنے لگی۔۔۔ خاوند کے پوچھنے پر ناراضی کی وجہ بتائی کہ تم ہر روز آ کر سیدھے ماں کے کمرے میں جاتے ہو اور کہتے ہو ماں جی! کیا حال ہے۔۔۔ تمہاری زبان جل جائے گی کہ ایک دن مجھے بھی ماں کہہ دو۔۔۔ خاوند نے کہا تجھے ماں کہوں تا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح اللہ کو اللہ سمجھنا ہے اس سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے معبود و مسجود سمجھا جائے۔۔۔ اسے اپنی صفات میں وحدہ لاشریک سمجھا جائے۔۔۔ نذر و نیاز صرف اسی کے نام کی دی جائے۔۔۔ وظیفے اور ورد صرف اسی کے لیے کیے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت یہ ہے کہ انہیں خاتم الانبیاء سمجھا جائے۔۔۔ انہیں رحمۃ للعالمین کے منصب پر فائز مانا جائے۔۔۔ انہیں ساری کائنات کا سردار تسلیم کیا جائے۔۔۔ انہیں حوض کوثر کا ساقی کہا جائے۔۔۔ انہیں لواء الحمد کا حامل کہا جائے۔۔۔ انہیں شفیع المذنبین سمجھا جائے۔۔۔ انہیں وسیلہ کے مکان کا مکین مانا جائے۔۔۔ انہیں محبوب رب العالمین تسلیم کیا جائے۔۔۔ اور زندگی کے نشیب و فراز میں اور زندگی کے ایک ایک موڑ پر۔۔۔ دین و دنیا کے معاملات میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔۔۔ ان

کی سنت اور طریقے کی پیروی کی جائے۔۔۔ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا جائے اور ان کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے۔

پیر و مرشد اور ولی اللہ سے محبت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے مطابق جو راہنمائی وہ فرمائیں اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دین و دنیا کے معاملات میں جب کبھی پریشانی اور کوئی مشکل پیش آئے تو ان کے مشورے کے مطابق کام کیا جائے۔

اللہ کو اللہ ماننا ہے اور نبی کو نبی ماننا ہے اور ولی کو ولی ماننا ہے۔۔۔اللہ والی محبت نبی سے نہیں کرنی اور نبی والی محبت ولی کے ساتھ نہیں کرنی جیسے ماں کو ماں سمجھنا ہے، بہن کو بہن سمجھنا ہے، بیٹی کو بیٹی سمجھنا ہے اور بیوی کو بیوی سمجھنا ہے۔

ایک فیصلہ آپ کریں ایک بات کا فیصلہ آپ کریں اور بتائیں کیا ہم مسلمان سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے؟ ہم انہیں عبد اللہ مانتے ہیں۔۔۔رسول اللہ مانتے ہیں۔۔۔کلمۃ اللہ مانتے ہیں۔۔۔روح اللہ مانتے ہیں۔۔۔صاحب کتاب مانتے ہیں۔۔۔پھر صاحب معجزات مانتے ہیں۔۔۔ان کی والدہ محترمہ کو صدیقہ اور پاکیزہ مانتے ہیں۔۔۔ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں۔۔۔مگر عیسائی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت نہیں ہے۔۔۔ان کا کہنا یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے محب تب بنو گے جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانو، انہیں ابن اللہ اور نور من نور اللہ مانو۔۔۔صدق دل سے بتاؤ عیسائیوں کا یہ کہنا درست ہے؟ ہرگز نہیں! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا یہ معیار اور ترازو عقلاً اور نقلاً غلط ہے۔

ایک اور بات بتایئے! کیا ہم اہلسنت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں مانتے؟ کیا اہلسنت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت نہیں کرتے؟

ہم اہلسنت انہیں پروردۂ نبوت مانتے ہیں۔۔۔بچوں میں پہلا مومن مانتے ہیں۔۔۔ہجرت والی رات انہیں نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنے بستر پر سلایا۔۔۔وہ

بدر واحد کے غازی ہیں۔۔۔۔ خندق کے ہیرو ہیں۔۔۔۔ بہادر و شجاع ہیں۔۔۔۔ نڈر و دلیر ہیں۔۔۔۔ مسلمانوں کے خلیفہ رابع ہیں۔۔۔۔۔ اور دامادِ نبی ہیں۔۔۔۔۔ ہم اہلسنت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کے قائل ہیں اور ان سے محبت کرنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

مگر ایک طبقہ کا کہنا یہ ہے کہ اہلسنت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے قائل ہیں اور نہ ہی ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ آپ کے ہاں فضیلت اور محبتِ علی کا معیار کیا ہے؟

وہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت یہ ہے کہ انہیں مشکل کشا مانا جائے بلکہ یہ مانا جائے کہ تمام انبیاء پر آنے والی مشکلات بھی تب دور ہوئیں جب انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدد کے لیے پکارا۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا معیار یہ ہے کہ انہیں خلیفہ بلافصل مانا جائے۔

ایمان داری سے فیصلہ کرو! اس طبقے کا یہ کہنا عقلاً و نقلاً صحیح ہے۔۔۔؟ کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا یہی معیار اور تقاضا ہے؟

چلیے ایک اور بات بتائیے! کیا ہم اہلسنت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دلی محبت و پیار نہیں کرتے؟ کیا ہم ان کے فضائل اور مناقب کے قائل نہیں ہیں؟

ہم اہلسنت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابیٔ رسول مانتے ہیں (جس منصب کی وجہ سے وہ بعد میں آنے والی پوری امت سے افضل ہو گئے) وہ نواسۂ رسول ہیں، وہ پیدا ہوئے تو انہیں گھٹی میرے نبی نے لگائی۔۔۔ ان کے کان میں اذان میرے نبی نے دی۔۔۔ ان کا نام میرے نبی نے رکھا۔۔۔ انہیں کندھوں پر اٹھایا۔۔۔ ان کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا۔۔۔ ان کی زبان کو چوسا۔۔۔ ہم اہلسنت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتوں اور رفعتوں کے قائل ہیں۔

مگر ایک طبقہ کا خیال یہ ہے کہ اہلسنت کو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی محبت نہیں بلکہ وہ ہمیں سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں میں سے سمجھتے ہیں۔

انصاف سے بتایئے! کیا ان کا یہ خیال درست ہے؟ ان سے پوچھا جائے کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا معیار کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کا ترازو یہ ہے کہ انہیں مدد کے لیے پکارا جائے اور محرم کے ایام میں ماتم اور سینہ کوبی کی جائے۔

اب ایک بات اور بتایئے! کیا ہم علمائے دیوبند نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کرتے؟ کیا ہم دنیا کی ہر شئی سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کرتے؟ اگر کوئی شخص ساری کائنات اور کائنات کی عزیز سے عزیز تر شئی سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کرتا وہ مومن اور مسلمان نہیں ہے۔ کیا ہم نبی اکرم ﷺ کو امام الانبیاء اور خاتم النبیین نہیں مانتے؟ رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین نہیں مانتے؟ سردار کائنات نہیں مانتے؟

مگر ایک طبقہ کہتا ہے کہ علمائے دیوبند نبی اکرم ﷺ کو نہیں مانتے۔۔۔۔۔۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے محبت نہیں کرتے بلکہ علمائے دیوبند کو گستاخ رسول کہتے ہیں۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ محبت رسول اور عشق نبی کا معیار یہ ہے کہ آپ کو نور من نور اللہ کہا جائے۔۔۔ آپ کو عالم الغیب اور حاضر وناظر سمجھا جائے۔

انصاف سے فیصلہ کیجیے کہ اس طبقے کا یہ کہنا صحیح ہے؟ کیا ان کا کہنا عقلاً اور نقلاً درست ہے؟ امام الانبیاء ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر وناظر سمجھنا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ سے وہ محبت ہے جو اللہ کا حق ہے اور اللہ کا حق غیر اللہ پر خرچ کرنے کا نام محبت نہیں بلکہ شرک ہے۔

قرآن کریم نے کہا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرہ:165)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

محبت الٰہی کا نسخہ یہود و نصاریٰ دونوں کا دعویٰ اور خیال یہ تھا ہم اللہ کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ کے محب بھی ہیں۔۔۔ان کا دعویٰ تھا:

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ۔۔۔ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب اور محب ہونے کو اطاعتِ رسول سے مشروط کر دیا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران:31)

کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کی کسوٹی اور میزان اطاعتِ رسول کو قرار دیا گیا ہے۔سورت المریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم:96)

بیشک جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کرے گا۔

اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کر دے گا یا دنیا میں عام لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دے گا جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل سے کہتے ہیں میں فلاں

بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس سے محبت کر پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل آسمان سے منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے پھر تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب الادب)

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی دو مقام پر ذکر ہوا۔۔۔ سورت ھود میں سیدنا شعیب علیہ السلام کے تذکرہ میں کہ انہوں نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ (ھود:90)

تم اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اسی کی طرف رجوع کرو یقیناً میرا رب بڑا مہربان اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

سورت البروج میں ہے:

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ (البروج:14)

وہ بڑا بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْوَدُوْدُ کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت کا کوئی رشتہ استوار نہ کیا جائے وہ اللہ کا دشمن چاہے کتنا قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ رب العزت نے اصحاب رسول کی اسی خوبی پر انہیں اپنی رضامندی کی سند عطا کی۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ:22)

تو نہیں پائے گا ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے (روح سے مراد اپنی خاص نصرت یا نور ایمان ہے بعض لوگوں نے جبرئیل بھی مراد لیا ہے) اللہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں یہ اللہ کا لشکر ہے اور سنو اللہ کا گروہ ہی کامیاب لوگ ہیں۔

اصحاب رسول کی سیرتوں کا مطالعہ کریں انہوں نے عملی طور پر اس بات کا مظاہرہ کیا کہ اپنے ماں باپ اپنی اولاد، اپنا کنبہ وقبیلہ، اپنا وطن، اپنا کاروبار، اپنا مال سب کچھ محبت رسول پر قربان کر دیا اور جو جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے انہوں نے سب کو چھوڑ کر اللہ کے رسول کے دامن کو تھام لیا۔

آخر میں امام الانبیاء ﷺ کی ایک مبارک دعا آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔۔۔آپ بھی اسے یاد کر لیں اور اللہ کے حضور مانگا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ (ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو آپ کی محبت کے قریب کرے کا سوال کرتا ہوں۔

امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا پر اپنے خطبے کا اختتام کرنا چاہتا ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ اِنْصَرَفَ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ

اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَسَمِعْتُهُ يُكْثِرُ فِي الْوِتْرِ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ، وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِيْ، وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِيْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِيْ، وَتَحْفَظُ بِهَا غَائِبِيْ وَتُبَيِّضُ بِهَا وَجْهِيْ وَتُزَكِّيْ بِهَا عَمَلِيْ، وَتُلْهِمُنِيْ بِهَا رَشَدِيْ، وَتَعْصِمُنِيْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ ذَا الْاَمْرِ الرَّشِيْدِ وَالْحَبْلِ الشَّدِيْدِ اَسْأَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ، اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ فَعَّالٌ لِّمَا تُرِيْدُ (بیہقی:1/414)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک رات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ وہ وتر میں کثرت سے یہ پڑھ رہے تھے:

اے اللہ! میں آپ سے ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے میرے دل کو راہنمائی حاصل ہو اور جس کے ذریعہ میرا کام مکمل ہو اور آپ میری گندگی کی اصلاح فرمائیں اور جس کے ذریعہ آپ میرے نگہبان کو بلند کریں اور میرے غائب ہونے میں آپ اس کے ذریعہ حفاظت کریں اور جس کے ذریعہ آپ میرے چہرے کو روشن کریں اور میرے عمل کو اس کے ذریعہ پاکیزہ بنائیں، اس کے ذریعہ میری راہنمائی میں میرے دل میں بات ڈالیں اور جس کے ذریعہ آپ مجھ کو ہر برائی سے بچائیں، اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رحمت کا سوال کرتا ہوں کہ جس کے ذریعہ دنیا و آخرت کی بہتری حاصل کروں، اے اللہ! بہتر کام والے اور سخت معاملے والے میں آپ سے عذاب والے دن امن کا سوال کرتا ہوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کا (سوال کرتا ہوں) بیشک آپ رحم کرنے، محبت کرنے والے ہیں اور جو آپ چاہیں وہ کرنے والے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وسعت والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
(البقرہ:115)

سامعین گرامی قدر! آج میرا ارادہ ہے کہ خطبہ جمعۃ المبارک کے لیے اللہ کے ایک حسین نام اَلْوَاسِعُ کو موضوع بناؤں اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض علماء نے اَلْوَاسِعُ کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اَلْوَاسِعُ هُوَ الْغَنِيُّ الَّذِيْ وَسِعَ غِنَاهُ مَفَاقِرَ عِبَادِهٖ وَوَسِعَ رِزْقُهٗ جَمِيْعَ خَلْقِهٖ

اَلْوَاسِعُ وہ غنی ہستی ہے جس کی سخاوت اس کے حاجت مند بندوں کے لیے کافی ہے اور اس کی روزی تمام مخلوقات کے لیے وسیع ہے۔

مشہور مفسر ابن جریر طبری نے الواسع کا معنی یوں فرمایا ہے:

يَسَعُ خَلْقَهٗ كُلَّهُمْ بِالْكِفَايَةِ وَالْاِفْضَالِ وَالْجُوْدِ وَالتَّدْبِيْرِ (تفسیر طبری)

(اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت اَلْوَاسِعُ کو بیان کیا ہے) کہ اس نے اپنی کفایت،

فضل واحسان، سخاوت اور تدبیر کو اپنی تمام مخلوقات کے لیے وسیع کر دیا ہے۔

وَاسِعٌ۔۔۔وسعت سے ہے اور وسیع کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔۔۔۔۔۔

آیت الکرسی میں اپنی مختلف صفات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ:255)

اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔۔۔یعنی اس کی کرسی نے زمین و آسمانوں کو سمار رکھا ہے۔

کرسی کا لغوی معنی ہے ایک چیز کا دوسری سے ملنا۔۔۔کرسی بھی لکڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر بنائی جاتی ہے، اس لیے اسے کرسی کہہ دیتے ہیں۔

بعض علماء نے کرسی سے مراد علم لیا ہے، اسی وجہ سے علماء کو بھی کراسی کہتے ہیں۔۔۔ایک قول یہ ہے کہ یہاں کرسی سے مراد عظمت ہے۔۔۔کچھ علماء کا خیال ہے کہ کرسی سے مراد حکومت و بادشاہی ہے۔ مگر صحیح اور درست بات یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے اقتدار اور حکومت سے، غلبہ و طاقت سے اور قوت و حشمت سے۔۔۔یعنی اللہ کا اقتدار آسمانوں اور زمین کے اطراف واکناف پر حاوی ہے۔ کائنات کا کوئی گوشہ، زمین و آسمان کا کوئی کونہ اور دنیا کا کوئی حصہ بحر ہو یا بر۔۔۔ماتحت الثریٰ سے لے کر ثریا تک اس کی حکومت، قابو اور اقتدار سے باہر نہیں ہے بلکہ اس کی حکومت و اقتدار ساری دنیا پر محیط ہے۔۔۔وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ وزیر و مشیر رکھنے کی ضرورت پڑے۔

وسیع العلم اگر یہاں کرسی سے مراد علم ہو جیسے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خیال ہے تو اَلْوَاسِعُ کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے کہ اس نے زمین و آسمان کی ایک ایک چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

سورت الانعام میں ارشاد ہوا:

وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (الانعام:80)

میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے۔

اسی لیے قرآن کریم میں اکثر مقام پر اللہ رب العزت نے اپنی صفت اَلْوَاسِعُ کے ساتھ اَلْعِلْم والی صفت کو ذکر فرمایا ہے۔

(مطالعہ کیجیے: البقرہ: 115۔ اور آیت نمبر 268-261-247۔ آل عمران: 73)

اللہ کے علم کی وسعت کی طرف دیکھا جائے تو اس کے علم کے سمندر کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا بلکہ سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں بن جائیں اور معلومات ربی کو لکھنا چاہیں تو درخت ختم ہو جائیں گے اور سمندر خشک ہو جائیں گے مگر میرے رب کی معلومات اور کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

سورت لقمان میں اسے بیان فرمایا:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (لقمان: 27)

روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

سورت الکہف میں ارشاد ہوا:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکہف: 109)

کہہ دیجیے میرے رب کی باتوں (مراد اللہ کا علم محیط اور وسیع ہے) کے لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گے گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔

قرآن کریم نے ایک مقام پر اللہ رب العزت کے علم کی وسعت کو بڑے

پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الانعام:59)

اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کے خزانے (یا کنجیاں) ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ ہر ہر چیز کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور (ٹہنی سے ٹوٹ کر) کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتاب مبین (علم الٰہی یا لوحِ محفوظ) میں ہے۔

سورت الرعد میں بڑے خوبصورت انداز میں اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ (الرعد:8)

ہر مادہ جو کچھ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے اللہ اسے بخوبی جانتا ہے اور پیٹ کا بڑھنا اور گھٹنا (کہ حمل کو ٹھہرے کتنی مدت ہوگئی ہے یا بچوں کی تعداد کتنی ہے) بھی جانتا ہے اور ہر چیز اس کے ہاں اندازے کے ساتھ ہے (یعنی کس کی زندگی کتنی ہے اور اسے کتنا رزق دینا ہے)

ایک جگہ پر اپنے علم کی وسعت کو یوں بیان فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران:5)

بیشک اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

سورت طٰہٰ میں کہا:

وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (طٰہٰ:7)

اور اگر تو اونچی بات کرے تو وہ تو ہر راز کو اور راز سے بھی مخفی چیز کو جانتا ہے (راز وہ ہوتا ہے جو انسان کے دل میں آ گیا مگر اس کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں اور اَخفیٰ وہ راز ہے جو ابھی انسان کے دل میں بھی نہیں آیا دس سال کے بعد آئے گا اللہ اب اسے جانتا ہے)

وسیع القدرت | اَلْوَاسِعُ وہ ہستی ہے جس کی قدرت اور اختیار وسیع سے وسیع تر ہے۔ جس کی صفت ہے۔۔۔اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔۔۔جس کی صفت ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:21)

اور اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت سے) بے خبر ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ اور قصہ میں ہر ہر قدم پر یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔۔۔ بھائیوں نے راستے کا کانٹا سمجھ کر کنویں میں پھینک دیا۔۔۔قافلہ والوں نے غلام بنا کر فروخت کر دیا۔۔۔عزیز مصر کی بیوی نے سبق سکھانے کے لیے جیل کی ہوا کھانے پر مجبور کر دیا۔۔۔مگر قدم قدم پر تقدیر الٰہی غالب آتی رہی، کسی کا مقصد پورا نہ ہوا، اللہ نے ہر جگہ پر سیدنا یوسف علیہ السلام کو عزت وعظمت سے نوازا اور آخر کار مصر کا وزیر خزانہ بنا دیا اور راستہ سے ہٹانے والے بھائیوں کو ہاتھ باندھے یوسف کے سامنے کھڑا کر دیا۔

مشرکین مکہ نے بھی نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا، آپ بھی سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح تین دن غار ثور میں محصور رہے، پھر آپ کو مدینہ کی سرداری نصیب ہوئی اور آخر کار ہجرت کا مسافر جو مکہ سے چھپ کر نکلا تھا مکہ کا فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوا اور یوسف کے بھائیوں کی طرح مکہ کے قریش بھی ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اعلان فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔۔۔۔۔آج تم پر کوئی الزام نہیں میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْوَاسِعُ بڑی وسیع قدرت کا مالک ہے، اس نے چلتے ہوئے پانی پر زمین بچھا دی۔۔۔۔زمین ڈولنے لگی تو اس پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں۔۔۔ بغیر ستونوں کے اتنی وسیع وعریض چھت کھڑی کر دی۔۔۔ پہاڑ جیسے بادلوں کو ہانک کے لاتا ہے۔۔۔اور پیاسی زمین کی پیاس بجھا دیتا ہے۔۔۔سورج کی آتشیں کرنیں اور تمازت اس کی قدرت کی وسعت پر دلیل ہے۔۔۔ چاند کی ضیا پاشیاں۔۔۔اور ستاروں کا جگمگانا۔۔۔ موسموں کا تغیر وتبدل۔۔۔اور ہواؤں کا چلنا اس کے وسیع القدرت ہونے پر برہان ہیں۔ دو سمندروں کو ملا کر چلاتا ہے، ایک کا پانی میٹھا دوسرے کا کڑوا۔۔۔ان کے درمیان ایک ان دیکھا پردہ رکھا جو دونوں پانیوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔

پانی کے گندے اور نجس قطرے پر پیٹ میں تین اندھیروں میں (ماں کے پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس پردے کا اندھیرا جس میں لپیٹ کر بچے کی تصویر بناتا ہے) نقشے جماتا ہے اور حسین ترین انسان بنا دیتا ہے۔

زمین میں بوئے گئے ایک دانے کو کیسے زمین سے باہر نکالتا ہے اور پھر اسے پروان چڑھا کر سات سو دانوں میں بدل دیتا ہے۔

اللہ رب العزت اَلْوَاسِعُ ہے جس نے آسمان بنائے، جن کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔۔۔ان آسمانوں کی کسی کو ابتداء معلوم ہے نہ انتہاء۔۔۔سات آسمانوں کے درمیان فاصلوں کی وسعت کی خبر کوئی دے سکتا ہے؟ قرآن نے کہا:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (47)وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ (الذاریات:47)

اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور یقینا ہم کشادگی کرنے والے

ہیں (یعنی آسمان کی وسعت کو مزید بڑھانے کی طاقت رکھتے ہیں یا آسمان سے بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی قوت رکھتے ہیں) اور زمین کو ہم نے فرش بنایا پس ہم بہت ہی اچھے بنانے والے ہیں۔

اپنے پاؤں کے نیچے بچھی ہوئی زمین کو دیکھیے جس پر ہم دن رات چلتے پھرتے اور دوڑتے ہیں۔۔۔کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وسعت وکشادگی کتنی ہے۔۔۔؟ کوئی بتا سکتا ہے کہ روئے زمین پر میخوں کی طرح گڑھے ہوئے پہاڑوں کی کتنی وسعت ہے۔۔۔؟ اور ان کی مجموعی لمبائی اور بلندی کا کسی کو صحیح علم ہے۔۔۔؟ پھر ان پہاڑوں کی اندرونی سطحوں کی وسعت کون بتا سکتا ہے۔۔۔؟ کسے خبر ہے کہ ان کے اندر پوشیدہ معدنیات اور ذخائر کی وسعت کیا ہے۔۔۔؟ ان کے اندر تیل، گیس اور پانی کی مقدار کیا ہے۔۔۔؟ کیچڑ، کوئلہ، گندھک اور آگ کتنی ہے۔۔۔؟ یہ سب اس ہستی کی کاریگری ہے جس کی صفت اَلْوَاسِعُ ہے یقیناوہ وسیع القدرت ہے۔

وسیع الرحمت اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلْوَاسِعُ ہے کہ اس کی رحمت اور مغفرت بڑی وسیع اور کشادہ ہے۔۔۔اس کی رحمت کی وسعت اور کشادگی ہی تو ہے کہ اپنے اور پرائے، مومن اور کفار، فاسق اور فاجر اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔۔۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا اور دنیا میں اسی ایک حصے کی بنا پر مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی درندے اور جانور تک اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔۔۔اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں انہیں اس ایک حصے کے ساتھ ملا کر سب کی سب رحمتیں اپنے (مومن) بندوں پر فرمائے گا۔ (مسلم:2/356)

قرآن کریم میں کئی مقام پر اَلْوَاسِعُ نے اپنی رحمت کی وسعت کا ذکر فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:156)

اور میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔

سورت المومن میں اللہ رب العزت نے حاملین عرش فرشتوں کی اس دعا کو ذکر فرمایا جو فرشتے ان مومنین کے لیے مانگتے ہیں جو فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ہر عمل پیرا ہیں۔۔۔ فرشتے کہتے ہیں:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (المومن:7)

اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے پس تو ان (مومنوں) کو معاف کر دے جو (شرک سے) توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔

سورت البقرہ میں اپنی مغفرت اور اپنے فضل کے ساتھ اپنی اسی صفت الْوَاسِعُ کو ذکر فرمایا:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ:268)

شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے (یعنی اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤ گے) اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے (اَلْفَحْشَآء سے مراد بخل بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ غیر شرعی کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

سورت النجم میں اپنی مغفرت کی وسعت کو یوں بیان فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم:32)

ان لوگوں کو (جن کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ عطا فرمائے گا) جو بڑے گناہوں سے بچتے

ہیں اور بے حیائی کے کاموں سے بھی سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے بیشک تیرا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے پس تم اپنی پاکیزگی خود بیان نہ کرو وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اَلْوَاسِعُ کی رحمت اور مغفرت کی وسعت کو اس آیت میں دیکھیے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:53)

(میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر (کثیر گناہ کر کے) زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے واقعی وہ بڑی بخشش والا رحمت والا ہے۔

خطاب کا انداز ہی رحمت و مہربانی کو ظاہر کر رہا ہے۔۔۔ نہ یہ کہا اے مجرمو!۔۔۔ نہ کہا اے گناہگارو! بلکہ کتنا حسین انداز اپنایا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔ گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے میرے بندو!

اللہ رب العزت اَلْوَاسِعُ ہے مگر اپنے بندوں کو ان کی وسعت اور طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا اور ان احکام میں بھی مسلمانوں کو رعایت عطا کرتا ہے۔ وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم۔۔۔ نماز میں قیام نہ کر سکنے کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت۔۔۔ رکوع اور سجدہ نہ کر سکنے کی صورت میں اشارہ سے نماز کی ادائیگی۔۔۔ بیماری اور مسافری کی حالت میں روزہ سے رخصت اور بعد میں قضا کا حکم۔۔۔ شیخ فانی کے لیے ہر روزہ کے بدلے فدیہ کی ادائیگی وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرة:286)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلْوَاسِعُ ہے کہ اس نے اپنے رزق کو اپنی تمام مخلوق کے لیے پھیلا دیا ہے اور کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے نہ کھاتی ہو، وہ سمندروں میں بسنے والی مخلوق کا بھی روزی رساں ہے اور جنگل کے درندوں کا بھی اور حشرات الارض کا بھی اور اڑتے پرندوں کا بھی۔۔۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ پر ہیں (یعنی روزی رساں وہی ہے اس کے علاوہ روزی دینے والا کوئی نہیں ہے) بند پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی اپنی قدرت کی وسعت سے روزی پہنچا رہا ہے۔ سورت ہود کی آیت نمبر 6 کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نقل کیا کہ انہیں اللہ نے مشاہدہ کروایا کہ پتھر میں بند کیڑے کے منہ میں سبز رنگ کا پتہ ہے اور وہ اللہ کے نام کا ذکر اس طرح کر رہا ہے:

سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِيْ وَيَسْمَعُ كَلَامِيْ وَيَعْلَمُ مَكَانِيْ وَيَرْزُقُنِيْ وَلَا يَنْسَانِيْ

شریکوں سے پاک ہے وہ ذات جو بند پتھر میں مجھے دیکھتا ہے اور میرے کلام کو سنتا ہے اور میرے ٹھکانے کو جانتا ہے اور مجھے روزی پہنچاتا ہے اور آج تک مجھے نہیں بھولا۔

اللہ رب العزت اس معنی میں اَلْوَاسِعُ ہے کہ نیکی کرنے والوں کے اجر و ثواب میں فراخی اور وسعت فرماتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ:261)

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جو سات گوشے اگاتا ہے ہر خوشے میں سو دانے ہوتے ہیں اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ کر

دیتا ہے (یعنی سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر دیتا ہے) اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔

اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلْوَاسِعُ ہے کہ اس کا حلم اور حوصلہ وسیع ہے کہ باوجود علم اور قدرت کے اپنے دشمنوں کو بھی جلدی نہیں پکڑتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے۔ اپنے نافرمانوں کی روزی بھی بند نہیں کرتا بلکہ پہلے سے زیادہ دیتا ہے۔

حلم اور حوصلہ اتنا وسیع ہے کہ اسی کا کھا کر جو لوگ کہتے ہیں ہمیں جو کچھ دے رکھا ہے ہمارے حضرت صاحب کی نظر کرم ہے، انہیں اور دولت سے نوازتا ہے۔

اللہ کے عطا کردہ بچوں کے نام علی بخش۔۔۔ حسین بخش۔۔۔ امام بخش۔۔۔ عطاء رسول۔۔۔ فیض الحسن۔۔۔ عطاء المصطفیٰ۔۔۔ اور پیراں دتہ رکھتا ہے ان کے بچوں کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

اس کی عطا کردہ دولت، اناج، جانور اور جانوروں کے دودھ میں سے غیر اللہ کی نذریں اور نیازیں دیتا ہے، ان کے رزق میں بھی کمی نہیں کرتا۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں۔۔۔ میں امام الانبیاء ﷺ سے منقول دو دعاؤں کا تذکرہ کر کے اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دوں یا تمہیں ایسے پانچ کلمات سکھلا دوں جن میں تمہارے لیے دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں ہیں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پانچ ہزار بکریاں تو بہت ہیں لیکن آپ مجھے یہ کلمات سکھلا دیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دعا مانگ لیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ خُلُقِيْ وَطَيِّبْ لِيْ كَسْبِيْ وَقَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَلَا تُذْهِبْ قَلْبِيْ إِلٰى شَيْءٍ صَرَفْتَهُ عَنِّيْ (کنز العمال)

اے اللہ! میرے گناہ بخش دے، میرے اخلاق وسیع کر دے، اور میری کمائی

پاک کردے، جو روزی تو مجھے عنایت فرمائے اس پر قناعت نصیب فرما، جو چیز مجھ سے ہٹا لے تو میرے دل میں اس کی تلاش باقی نہ رکھ۔

نبی اکرم ﷺ نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں، اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہیں اور تصور کرکے مانگنا چاہے تب بھی وہ چیزیں نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا نبی اکرم ﷺ سکھا گئے۔ وضو کے وقت نبی اکرم ﷺ نے جو دعا مانگی اس میں پہلی چیز گناہوں کی معافی ہے، دوسری چیز وسعتِ دار، لہٰذا وضو کے وقت یہ دعائے نبوی اہتمام سے مانگنی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ (مسند احمد)

اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، میرے گھر میں کشادگی اور وسعت فرما اور جو رزق تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نگہبان، نگاہ رکھنے والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدہ:117)

سامعین گرامی قدر! اللہ تعالیٰ کے ایک خوبصورت اسم گرامی اَلرَّقِیْبُ کا ترجمہ تفسیر اور معنی ومفہوم آج ہمارے خطبہ جمعۃ المبارک کا موضوع اور عنوان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور مہربانی سے مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ اَلرَّقِیْبُ یعنی اَلْحَافِظُ، رقیب حفاظت کرنے والے کو کہتے ہیں اَلرَّقِیْبُ اَلْمُنْتَظِرُ، رقیب کہتے ہیں نگرانی کرنے والے کو۔

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (الرعد:11)

اللہ کے پہرے دار فرشتے انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

بعض علماء نے اَلرَّقِیْبُ کا معنی یوں کیا ہے:

اَلرَّقِیْبُ اَلْمُطَّلِعُ عَلٰی مَا اَكَنَّتْهُ الصُّدُوْرُ الْقَائِمُ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ اَلَّذِیْ حَفِظَ الْمَخْلُوْقَاتِ

اَلرَّقِیْبُ وہ ذات ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے وسوسوں سے بھی باخبر ہے، ہر شخص کے ہر عمل کی نگہبانی کرتا ہے اور مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے۔

اَلرَّقِیْبُ وہ ہے جو حفیظ اور علیم ہو، اس اسم گرامی میں علم اور حفظ کی دونوں صفتیں جمع ہو گئی ہیں کیونکہ نگرانی وہی کر سکتا ہے جس میں یہ دونوں اوصاف موجود ہوں۔۔۔ ہر ایک کی ہر حالت سے ہر وقت واقف اور باخبر ہو۔۔۔ ایسا محافظ ہو کہ اس سے کوئی چیز بھی مخفی اور پوشیدہ نہ ہو۔

جب کسی شخص کا یہ ذہن بن جائے کہ اللہ مجھ پر نگرانی کرنے والا ہے وہ نگہبان ہے اور ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے ہے تو تب ہی وہ شخص گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

چنانچہ سورت النساء کی ابتدائی آیات میں اسی کی جانب اشارہ کیا گیا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا (النساء:1)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قطع رحمی سے بھی بچو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو مرتبہ اِتَّقُوا اللّٰہ کا حکم دیا ہے یعنی اللہ سے ڈرو۔۔۔ تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ نام نیکی کرنے کا نہیں ہے بلکہ اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کا ہے۔۔۔

آپ میں سے ہر ذی عقل بخوبی سمجھتا ہے کہ نیکی کرنا آسان ہے مگر گناہوں سے بچنا مشکل ہے، یہاں لوگ نماز کے پابند بھی ہیں مگر اشیاء میں ملاوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔۔۔ تلاوت بھی کرتے ہیں مگر مال دو نمبر فروخت کرتے ہیں۔۔۔ تسبیح بھی رولتے ہیں اور سودی کاروبار سے بھی نہیں رکتے۔۔۔ غیبت کرنا اور بہتان باندھنا ہمارے ہاں گناہ ہی شمار نہیں ہوتے، جھوٹ ہم فیشن سمجھ کر بولتے ہیں۔۔۔ قدم قدم پر ہم شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں۔ سورت النساء کی پہلی آیت میں اور اس آیت کی ابتداء میں فرمایا: اِتَّقُوْا رَبَّكُمُ۔۔۔ اپنے رب سے ڈرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو اور آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔۔۔ یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہے، تم اس کی نگاہوں کے سامنے ہو اور تمہاری کوئی حرکت اور تمہارا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہے۔

ہم سب کے تجربے میں ہے کہ موٹروے پر جہاں پولیس کے کیمرے فٹ ہیں وہاں پر ڈرائیور اپنی رفتار کو موٹروے کی مقرر کردہ رفتار کے مطابق کر لیتا ہے، ہر ڈرائیور شرافت اور قانون کی پاسداری کا مجسمہ نظر آتا ہے، جونہی اس جگہ کو کراس کیا تو گاڑی کی رفتار اپنی مرضی کے مطابق کر لی۔

یہ حیران کن خبر لندن ٹائمز میں ایک تصویری خبر کے ساتھ شائع ہوئی، خبر میں بتایا گیا کہ کار چلانے والے دس اشخاص اس جرم میں پکڑے گئے اور ان پر جرمانہ کیا گیا کہ انہوں نے سڑک کی لال بتی جل جانے کے باوجود اپنی گاڑی نہیں روکی تھی۔

ایک گاڑی عین اس نازک لمحہ (Fateful moment) میں پکڑی گئی جبکہ وہ لال بتی والے مقام پر ٹریفک قاعدہ کی خلاف ورزی کر رہی تھی۔ یہ گاڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک خاص چوراہے پر پہنچی، اس کے پہنچتے ہی وہاں کی لال بتی جل اٹھی، اب اس گاڑی کو وہاں رک جانا چاہیے تھا مگر لال بتی جلنے کے باوجود رکے بغیر آگے بڑھ گئی۔

ڈرائیور کو معلوم نہ تھا کہ مخفی نظام کے تحت اس کا فوٹو لیا جا رہا ہے، چنانچہ عین اس

وقت جبکہ اس نے لال بتی جلنے کے بعد گاڑی نکالی تو اس کو پکڑ لیا گیا اور یہ واقعہ بتی جلنے کے صرف ایک سیکنڈ کے بعد پیش آیا۔

ایک دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے یہ کیا کہ لال بتی جل جانے کے باوجود وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کیمرے نے فوراً اس کی تصویر لے لی۔ یہ دوسرا واقعہ لال بتی جلنے کے دو سیکنڈ بعد پیش آیا۔ پہلی تصویر میں کیمرے نے ایک سیکنڈ کی خلاف ورزی کو پکڑا اور دوسری تصویر میں دو سیکنڈ کی خلاف ورزی کو۔

ان گاڑیوں کو پکڑنے کی یہ کارروائی دور سے کنٹرول کیے جانے والے کیمرے کی شہادت پر عمل میں آئی۔ مذکورہ گاڑیاں سڑک پر تیزی سے گزرتی ہوئی دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھیں مگر کیمرے میں ان کی مکمل تصویر پوری طرح محفوظ تھی۔ ان تصویروں کے ذریعے انہیں با آسانی پکڑ لیا گیا۔

اَلرَّقِيْبُ کون؟

سورت النساء کی آیت کریمہ آپ سن چکے ہیں۔۔۔۔۔ سورت الاحزاب کی ایک آیت بھی سماعت فرمائیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا (الاحزاب:52)

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا پورا نگہبان ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کیا کہیں گے؟ جب قیامت کے دن اللہ رب العزت ان سے سوال کریں گے کہ یہ عیسائی کہہ رہے ہیں کہ تم انہیں کہہ کر آئے تھے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا الٰہ اور معبود بنا لینا، کیا واقعی تم نے یہی دعوت دی تھی؟

اس کے جواب میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے جس بات کے کہنے کا مجھے حق ہی نہیں تھا وہ بات میں کیسے کہہ سکتا تھا؟ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ ایسی شرکیہ اور نجس بات زبان سے کہنا تو دور کی بات ہے ایسی بات کہنے کا وسوسہ بھی میرے دل میں کبھی نہیں آیا۔۔۔۔ میں تو یہی تبلیغ کرتا رہا کہ عبادت صرف اپنے پالنہار مولا کی کرو۔

جب تک میں ان کے اندر رہا ان کے حالات سے مطلع رہا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(المائدہ:117)

پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر مطلع ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کو واضح الفاظ میں فرمایا کہ نازل شدہ مسائل اور احکام کو واضح طور پر لوگوں کو سامنے بیان کیجیے۔۔۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔۔۔ باقی رہا دشمنوں کی سازشیں اور تدبیریں اور قتل وایذاء پہنچانے کے منصوبے۔۔۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔۔۔ تو اللہ آپ کو لوگوں (کی ایذاء) سے محفوظ فرمائے گا۔

پھر اللہ رب العزت نے کیسے آپ کی حفاظت فرمائی۔۔۔ اور کس طرح آپ کی نگہبانی اور نگرانی فرمائی۔۔۔ کبھی ابوطالب کو کھڑا کر کے۔۔۔ کبھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر۔۔۔ کبھی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مراد رسول بنا کر۔۔۔ کبھی فرشتوں کو مقرر کر کے۔۔۔ قتل کی تدبیریں ہوئیں۔۔۔ ہر قبیلے کے جوان اکٹھے ہوئے۔۔۔ ہاتھ میں ننگی تلواریں، گھر کا شدید محاصرہ۔۔۔ اَلرَّقِیْبُ نے کیسی نگہبانی کی اور مشرکین کو اندھا کر کے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ان کی تلواروں کے سائے میں سے باہر نکال کر بحفاظت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچا دیا۔

غار ثور کے دہانے پر دشمن پہنچ گئے، ان کی آوازیں غار میں موجود نبی وصدیق سن رہے ہیں مگر اَلرَّقِیْبُ نگہبان ہے۔ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دے دیئے، یا اللہ نے فرشتوں کو بھیجا کہ غار کے منہ میں قطار بنا کر کھڑے ہو جاؤ کہ کوئی کافر میرے پیارے نبی کو دیکھ نہ سکے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا:

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا (التوبہ:40)

پس اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے دیکھا بھی نہیں۔

پھر غزوۂ بدر میں اَلرَّقِیْبُ نے کس طرح اپنے پیغمبر ﷺ کی نگرانی اور نگہبانی فرمائی کہ تعداد میں معمولی لشکر کو جس کے پاس آلاتِ حرب بھی نہیں بڑے لشکر پر غالب کر دیا اور فرشتے اتار کر اپنے پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش دشمن کی گود میں

اَلرَّقِیْبُ جس کی نگہبانی اور نگرانی کرتا ہے پھر اس کی پرورش دشمن کے گھر میں کروا دیتا ہے۔ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کروا دیا کرتا تھا۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو ان کی ماں پریشان ہو گئیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدۂ محترمہ کے دل میں ڈالا کہ اپنے اس بچے کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا کے سپرد کر دے۔۔۔ ماں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا کے حوالے کر دیا۔۔۔ صندوق تیرتا ہوا شاہی محل کے کنارے پہنچا۔۔۔ فرعون کی بیوی نے صندوق نکال کر لانے کا حکم دیا۔۔۔ کھول کر دیکھا تو ایک معصوم بچہ اپنا انگوٹھا چوس رہا ہے۔۔۔ فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے بچے کو شاہی محل میں رکھ لیا۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام کی محبت فرعون کے دل میں اور باقی لوگوں کے دلوں میں ڈال دی۔

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ (طٰہٰ:39)

اور میں نے اپنی طرف سے خاص محبت تجھ پر ڈال دی (کہ جو دیکھتا تھا محبت کرنے لگتا تھا)

وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (طٰہٰ:39)

تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔ یعنی میری نگرانی اور میری

حفاظت میں کی جائے۔

چنانچہ اللہ رب العزت کی قدرت اور اس کی نگرانی ونگہبانی کا کمال دیکھیے کہ جس بچے کی خاطر فرعون نے بنی اسرائیل کے بے شمار بچوں کو قتل کروایا تھا (فرعون کو خطرہ تھا کہ بنی اسرائیل سے نبوت وحکومت کا وعدہ ہو چکا ہے تو بنی اسرائیل کے گھر جنم لینے والا کوئی بچہ اس منصب پر فائز ہو کر میری حکومت اور سلطنت کے لیے خطرہ نہ بن جائے) وہی بچہ آج اس کے محل میں بلکہ اس کی گود میں ناز ونعمت سے پرورش پا رہا ہے۔۔۔ اس بچے کی ماں اسے دودھ پلا رہی ہے اور اس کی اجرت بھی اسی دشمن موسیٰ سے وصول کر رہی ہے۔

اللہ رب العزت ہی اَلرَّقِیْبُ ہے جس نے سیدنا نوح علیہ السلام کی نگہبانی طوفان کے اندر فرمائی اور طوفان سے پہلے کشتی کو بناتے وقت فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا (ھود: 37)

اور کشتی بنا ہماری آنکھوں کے سامنے یعنی ہماری نگرانی ونگہبانی میں۔

جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی نگہبانی ونگرانی زندگی کے ایک ایک موڑ پر فرمائی۔۔۔ تاریک کنوئیں سے نکال کر وزیر خزانہ کے گھر پہنچا دیا اور پھر جیل کی تنگ وتاریک کوٹھڑی سے نکال کر وزارت کے منصب پر فائز کر دیا۔۔۔ جس اللہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نگرانی ونگہبانی آگ میں فرمائی اور جلتی ہوئی آگ میں ایسی حفاظت فرمائی کہ اسے سن کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اللہ اَلرَّقِیْبُ ہے جس نے سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں کتنی حفاظت کے ساتھ رکھا اور کیسے ان کی نگہبانی کی۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا یہ نام اَلرَّقِیْبُ بندے کو سبق دیتا ہے کہ وہ مراقبہ کرے کہ اَلرَّقِیْبُ ہر معاملے میں اور اس کی ہر حرکت پر اور ہر ہر عمل پر اس کا نگران ہے۔۔۔ اس پر شاہد ہے وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔۔۔ اس کی ہر بات کو سن رہا

ہے۔۔۔اس کے ایک ایک عمل سے مطلع ہے۔۔۔اور ہر لحظہ، ہر سانس اور آنکھ جھپکنے تک سے آگاہ ہے۔

جب ایک مسلمان اور مومن بندہ اس حقیقت کو اپنے دل میں بٹھا لیتا ہے کہ اَلرَّقِیْبُ اس کی نگرانی فرما رہا ہے تو پھر وہ مومن بندہ اپنی ایک ایک حرکت اور اپنے ایک ایک عمل کے ادا کرتے ہوئے یہ سوچے گا کہ اَلرَّقِیْبُ اس پر نگہبان ہے اور اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی خوبصورت بات کی ہے:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ
خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْب

جب کسی دن تنہائی میسر ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا بلکہ یہ خیال رکھنا کہ مجھ پر کوئی نگران موجود ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللهَ يَغْفُلُ سَاعَةً
وَلَا أَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ ایک گھڑی بھی غافل ہوتے ہیں اور یہ نہ ماننا کہ تمہارے مخفی امور اس کے علم سے باہر ہیں۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں ایک حدیث نبوی پیش کر کے آج کے خطبہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ہمیں امام الانبیاء ﷺ نے یہ خطبہ سکھایا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (ابوداؤد)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حاجت کا خطبہ سکھایا۔ تمام خوبیوں کا سرچشمہ اللہ کی ذات بابرکت ہے، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت کے طلبگار ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں جس کو اللہ نے سیدھی راہ دکھائی اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو وہ گمراہ کردے اس کو راہِ راست بتانے والا کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس کے وسیلہ سے تم آپس میں مانگتے ہو اور رشتوں کے توڑنے سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور انصاف کی بات کہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْمُجِيْبُ

دعائیں قبول کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ھود: 61)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کا بہت ہی حسین نام اَلْمُجِیْبُ ہمارے آج کے خطبے کا موضوع ہے۔ اللہ رب العزت سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس کا معنی و مفہوم بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْمُجِیْبُ کا معنی کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَاهُ وَيَسْعَفُ الْمُضْطَرَّ اِلٰى مَا اسْتَدْعَاهُ وَتَمَنَّاهُ (مرقاۃ: 5/88)

اَلْمُجِیْبُ وہ ہستی ہے جو دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے اور بے قرار کی وہ حاجت پوری کرتا ہے جس کی وہ دعا مانگتا ہے اور جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

اَلْمُجِیْبُ وہ ہے جس کے دربار سے ہر سائل کو اس کی جائز حاجت ملتی ہے۔۔۔

اَلْمُجِیْبُ وہ ہے جو ہر ایک کی دعا کو سننے کی طاقت رکھتا ہے۔۔۔ جہاں ہر ایک کی پکار براہ راست بغیر کسی واسطے، وسیلے اور طفیل کے پہنچ جاتی ہے۔۔۔ جو ہر زبان اور ہر بولی جانتا

ہے۔۔۔ اسے جس زبان میں پکارو وہ سن کر جواب دیتا ہے۔۔۔ اَلْمُجِیْبُ کا دربار ایسا دربار ہے جہاں گونگے کی رمزیں بھی سمجھ لی جاتی ہیں کیونکہ وہی دلوں کے بھید جانتا ہے۔

اَلْمُجِیْبُ نے اپنی الوہیت و معبودیت کو ثابت کرنے کے لیے اپنی اسی صفت کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے:

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (النمل:62)

بھلا کون ہے جو بے کس کی پکار کو جب وہ اسے پکارے قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے اور اس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ تم بہت کم نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہو۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو غائبانہ پکاریں سننے کی صلاحیت و طاقت رکھتا ہو، جو بے کس کی پکاروں کو سن کر اس پر آنے والی مشکلات اور دکھوں کو دور کر دیتا ہو وہی الٰہ اور معبود ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کو ایک اور جگہ پر بیان فرمایا:

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ (النحل:53)

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں سب اللہ کی عطا کردہ ہیں (یہ زندگی، یہ کاروبار، یہ دولت، یہ عزت، یہ اولاد، یہ فصلیں اور باغات، یہ صحت و جوانی، یہ سب اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جن نعمتوں کے متعلق کچھ بدنصیب لوگ برملا کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے کہ ہمیں جو کچھ عطا ہوا یہ سب ہمارے حضرت صاحب اور ہمارے مرشد کی نظر کرم ہے) پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو۔

لاچار، بے کس، مصیبت زدہ، مجبور اور درماندہ شخص کی پکار کو سن کر اسے آنے والی مصیبت اور آفت سے بچانے والا صرف اور صرف اَلْمُجِیْبُ ہی ہے۔

مُضطر اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی سخت مصیبت میں گرفتار ہو جائے جس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہ ہو۔۔۔ظاہری اسباب مفقود ہوں۔۔۔دنیا کا کوئی سہارا نہ رہا ہو۔۔۔اور وہ ایسی حالت میں اللہ کو پکارے تو اللہ اس کی دعا کو قبول کر کے اسے اس شدید ترین دکھ اور صدمے سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ایسی ہی مصیبت اور دکھ میں مبتلا ہوئے تھے، جب عزیز مصر کی بیوی نے بند کمرے میں انہیں دعوتِ گناہ دی تھی۔۔۔کہ یوسف یہاں دیکھنے والی آنکھ بھی کوئی نہیں اور روکنے والا ہاتھ بھی کوئی نہیں اور میں آگے بڑھ کر تجھے دعوت دے رہی ہوں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جواب میں کہا:

مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف:23)

اللہ کی پناہ بیشک اللہ میرا پروردگار ہے جس نے مجھے بہت اچھا ٹھکانہ دیا۔

یا معنی یوں کریں گے "بیشک تیرا خاوند عزیز مصر میرا مالک ہے جس نے مجھے اپنے محل میں عزت کے ساتھ رکھا ہوا ہے" میں اپنے مالک کی عزت کے ساتھ کیسے کھیل سکتا ہوں؟

عزیز مصر کی بیوی یوسف پر ایسی فریفتہ ہو چکی تھی کہ وہ یہ نادر موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی، اس نے دروازوں کو بند کر دیا تھا۔۔۔یوسف سے بھی کہا کہ جب تک میری خواہش کو پورا نہیں کرو گے باہر نہیں نکل سکتے ہو۔۔۔یہاں مجبور اور بے کس یوسف نے اپنے رب کے حضور التجا کی، مولا! میری نبوت کی سفید چادر کو داغ دار کرنا چاہتی ہے، مولا! مجھے اس کی شرارت اور اس کے ارادوں سے بچا۔

اللہ نے ان کی التجا سنی اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو بے داغ دامن کے ساتھ کمرے سے باہر پہنچانے کے اسباب پیدا کر دیئے۔

سیدنا یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تین اندھیروں میں (رات کا

اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور سمندر کی تہہ کا اندھیرا) گھر کر اللہ رب العزت کو آواز لگائی، اللہ تعالیٰ نے ان کی التجا کو شرف قبولیت بخش کر انہیں مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کیسی بیماری میں مبتلا ہوئے اور کیسی آزمائش کا شکار ہوئے، زمینیں اور باغات برباد ہو گئے۔۔۔اولاد اللہ کو پیاری ہو گئی۔۔۔صحت و جوانی جواب دے گئی۔۔۔بے کس اور مجبور پیغمبر نے اللہ کے آگے التجا کی۔۔۔اللہ رب العزت نے ان کی التجا کو سنا۔۔۔شفا بھی بخشی۔۔۔پہلے سے دوگنی اولاد بھی عطا فرمائی۔۔۔اور مال و جائیداد بھی لوٹا دیئے۔

امام الانبیاء ﷺ نے بدر کی ساری رات اپنے رب کے حضور سجدہ ریزی میں گزاری۔۔۔ساتھیوں کی قلیل تعداد اور آلات حرب کی کمی اور مقابلے میں ایک ہزار جنگجو اور مسلح لشکر۔۔۔ساری رات روتے رہے۔۔۔اپنے اللہ کے حضور گڑگڑاتے رہے۔۔۔داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔۔۔اور زمین بھیگ گئی۔۔۔مولا! میرے ساتھی اگر آج یہاں کام آ گئے اور شہید ہو گئے تو پھر زمین پر تیری خالص عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔میں تیرے آگے فریادی اور سوالی ہوں تو میری مدد فرما۔

اللہ رب العزت نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کی التجا کو سنا۔۔۔اور فرشتے اتار کر مدد بھی فرمائی۔۔۔اور فتح سے ہمکنار بھی کر دیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اللہ کی توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی معبودیت سے قوم کو منع کیا، توحید سنانے کی پاداش میں انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔قوم کے لوگ جو پانچ بزرگوں کے پجاری تھے، انہوں نے سیدنا نوح علیہ السلام کو کذاب اور مجنون تک کہا، جسمانی اذیت اس کے علاوہ تھی۔

جب سیدنا نوح علیہ السلام قوم کے ایمان قبول کرنے سے مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع دی کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے علاوہ اب ان

میں سے کوئی بھی ایمان کی دولت سے سرفراز نہیں ہوگا۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (ہود:36)

قوم کی طرف سے مسلسل نافرمانی اور سرکشی کو دیکھ کر سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا اسے اللہ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا:

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (القمر:10)

پس انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بے کس ہوں تو میری مدد فرما۔

ایک اور مقام پر اسے یوں بیان فرمایا:

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ (الصافات:75)

اور نوح نے ہمیں پکارا (تو دیکھ لو کہ) کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا کو احسن انداز میں قبول فرمایا اور ان کی مدد کی۔۔۔ انہیں کشتی کے ذریعہ طوفان کے عذاب سے بچایا۔۔۔ ان کے مخالفین کو ہلاکت و بربادی کے گھاٹ اتار دیا۔۔۔ ان کی اولاد سے زمین کو پھر سے آباد کیا۔۔۔ اور رہتی دنیا تک سیدنا نوح علیہ السلام کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔۔۔ قرآن نے اس کو ذکر فرمایا:

وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ 76 وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (77) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (78) سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ (79) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (80) إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (81) ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ (82) (الصافات:82-76)

ہم نے نوح کو اور اس کے پیروکاروں کو سخت مصیبت سے بچایا اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنا دیا اور ہم نے نوح کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نوح ہمارے مومن

بندوں میں سے تھا پھر ہم نے باقی کے تمام لوگوں کو غرق کر دیا۔

سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالٰی کی الوہیت و معبودیت کی دعوت دیتے ہوئے غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا، انہیں اللہ کے انعامات یاد دلائے۔۔۔۔۔ شرک و کفر سے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور اللہ کی توحید کے دامن سے وابستہ رہنے کا حکم دیا اور آخر میں فرمایا:

إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ (ہود:61)

یقیناً میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

قرآن کریم نے ایک اور مقام پر اللہ رب العزت کے قریب ہونے اور دعاؤں کی استجابت کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ:186)

جب میرے بندے میرے بارے آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں اس لیے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ وہ کامیابی حاصل کریں۔

ایک اور مقام آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المومن:60)

تمہارے پروردگار کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں کو قبول کرتا ہوں یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ مصائب ومشکلات میں گھبر کر اور لاچارو بے کس ہو کر ہر حالت میں مجھے ہی پکارو۔۔۔تمہاری دعاؤں اور پکاروں کو شرف قبولیت سے مالامال کرنے کی طاقت صرف اور صرف مجھ میں ہے۔ میرے آقا ﷺ کے کئی فرامین بھی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔۔۔ایک موقع پر فرمایا:

تین لوگوں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جن کی قبولیت میں شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دعا (مظلوم کی دعا عرش کا سینہ چیر کر رب کے حضور پہنچتی ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مظلوم کی دعا ایسی پُرسوز ہوتی ہے کہ کیچڑ میں بھی آگ لگا دیتی ہے) دوسری مسافر کی دعا اور تیسری والد کی دعا جو وہ اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ایک روزہ دار جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔۔۔ دوسرا مظلوم کی دعا (جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے اور دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ وہ کچھ مدت بعد ہی ہو) تیسرا منصف حاکم وبادشاہ کی دعا جو فیصلے عدل وانصاف سے کرتا ہو۔

قرآن وحدیث کے ان ارشادات سے واضح ہو رہا ہے کہ اَلْمُجِیْبُ ہی ہے جو بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے جس نے قرآن میں کہا اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔۔۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ کئی بار ہم دعا کرتے ہیں اور بار بار دعا کرتے ہیں مگر وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔۔۔ بلکہ بہت کم دعائیں شرف قبولیت پاتی ہیں اور اکثر دعائیں پوری نہیں ہوتیں۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان آیات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر دعا قبول ہوتی

ہے اور اللہ پر لازم ہے کہ ہر بندے کی ہر دعا کو شرف قبولیت بخشے۔۔۔ بلکہ آیات کا مفہوم یہ ہے کہ دعاؤں اور پکاروں کو شرف قبولیت سے نوازنا یہ صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ پر اس کی وضاحت خود فرمائی ہے:

بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ (الانعام:41)

(قیامت کے آجانے پر یا عذاب کے چھا جانے پر کیا تم غیر اللہ کو پکارو گے ہر گز نہیں) بلکہ تم اسی اللہ کو پکارو گے اور اگر وہ چاہے گا تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم نے اسے پکارا ہے (اگر چاہے گا کے الفاظ پر غور کریں، اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا)

قبولیتِ دعا کی شریعت نے کچھ شرائط بھی رکھی ہیں۔ دعا مانگنے والے کو جائزہ لینا چاہیے کیا وہ ان شرائط پر پورا اتر رہا ہے؟ ایک دو شرطیں تو سورت البقرہ میں بیان بھی کر دی گئی ہیں۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔۔۔ بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور میرے احکام کی پیروی کریں۔ تم حقیر پانی سے بنے ہوئے بندے اگر میری بات نہیں مانتے ہو تو مجھ خلاق عالم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو کہ میں تمہاری باتیں مانوں گا۔

دعاؤں کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ دعا مانگتے وقت بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف صدق دل سے متوجہ ہو۔ بے صبری اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنا قبولیتِ دعا کے لیے مانع ہے۔۔۔ رزق حلال قبولیتِ دعا کے لیے لازم ہے۔۔۔ حرام کی روزی بندے کی غذا بنے تو اللہ ایسے لوگوں کی دعائیں قبول نہیں کرتا بلکہ رزق حرام سے خریدا گیا کپڑا پہن کر نماز بھی پڑھے تو قبول نہیں ہوتی۔ حج جیسی عبادت بھی شرف قبولیت نہیں پاتی اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے جواب میں کہا جاتا ہے لَا لَبَّیْکَ۔۔۔ تیری حاضری قبول نہیں کیونکہ تیرا لباس،

تیرا کھانا حرام روزی سے ہے۔

دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثنا کرنا اور دعا کے آغاز اور اختتام پر درود کا پڑھنا بھی قبولیتِ دعا کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

آیئے! جن لوگوں کو شکوہ رہتا ہے کہ ہماری مانگی مرادیں ہمیں نہیں ملتیں۔۔۔ ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔۔۔ انہیں ایک حوصلہ افزاء اور دل خوش کر دینے والا فرمانِ نبی سناتا ہوں۔

جو مسلمان بھی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہ ہو تو اللہ رب العزت تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔

اِمَّا ان تعَجَّلَ لَہٗ دَعْوَتہ۔۔۔ یا تو اس کی دعا جلدی قبول ہو جاتی ہے یعنی جو اس نے مانگا وہ اسے عطا ہو گیا۔

اِمَّا ان یَدَّخِرھا لَہٗ فی الاٰخِرۃِ۔۔۔ یا وہ دعا بندے کے لیے آخرت کا ذخیرہ بن جاتی ہے یعنی اس دعا کے بدلے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں اعمال نامہ میں درج ہوں گی۔

وَاِمَّا ان یَّصرِفَ عنہُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَھَا۔۔۔ یا اس دعا کے بدلے بندے سے اس کی مثل مصیبت دور کر دی جاتی ہے۔ (مسند احمد: 3/18)

سامعین گرامی قدر! میری گفتگو سے آپ اتنی حقیقت تو سمجھ گئے ہوں گے کہ دعا یعنی پکار عبادت ہے، میرے آقا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (ترمذی: 2/175)

دعا ہی اصل عبادت ہے اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اگر دعا یعنی غائبانہ پکار عبادت ہے تو پھر عبادت صرف اور صرف اللہ کی ہونی چاہیے اور غیر اللہ کی عبادت صریح شرک اور قبیح کفر ہے۔ لہٰذا غیر اللہ سے مرادیں مانگنا اور ان سے

اپنی حاجات طلب کرنا قرآن مجید اور تعلیمات نبوی ﷺ کے سراسر خلاف بھی اور نری گمراہی بھی ہے۔قرآن کریم نے غیر اللہ کے پکارنے اور ان سے فریادیں چاہنے کو سب سے بدترین گمراہی قرار دیا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (الاحقاف:5)

اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے علاوہ ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہیں کر سکتے (کیونکہ) وہ ان کی پکاروں سے بے خبر ہیں۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (13) إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (فاطر:14-13)

جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ وہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر دیں گے تجھے خبردار اللہ کی طرح کوئی بھی خبریں نہ دے گا۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بات روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گئی کہ جن کو تم پکارتے ہو تمہاری پکاروں کو قبول کرنے کی طاقت وصلاحیت ان میں موجود نہیں۔۔۔کیونکہ وہ تمہاری پکاروں کو سننے کی قوت نہیں رکھتے۔۔۔اور اتنے عاجز اور لاچار ہیں کہ اگر سن بھی لیں تو تمہاری دعاؤں اور التجاؤں کو شرف قبولیت نہیں بخش سکتے۔۔۔تمہاری دعاؤں اور التجاؤں کو قبول کرنا اور تمہاری پکاروں کا جواب دینا اَلْمُجِيْبُ ہی کی صفت ہے۔۔۔

اَلْمُجِيْبُ نے قرآن میں اعلان کیا ہے:

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:60)

مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں کو قبول کرتا ہوں۔

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ:186)

جب بھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں یعنی قبول کرتا ہوں۔

پھر بندے کو چاہیے کہ اپنی ہر حاجت اَلْمُجِيْبُ کے آگے بیان کرے۔۔۔ اَلْمُجِيْبُ ہی کو پکارے اور اپنا ہر سوال اس کے سامنے رکھے اور امیدیں اسی سے وابستہ رکھے۔۔۔ اسی سے مانگے۔۔۔ اسی کے سامنے گڑگڑائے۔

میں خطبہ کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ آپ حضرات پوری توجہ سے فرمان مصطفی ﷺ کو سماعت فرمایئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ،

(بخاری، باب الدعا)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب بلند اور برکت والا ہر رات کو جس وقت رات کا اخیر تیسرا حصہ رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر اترتا ہے، فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں قبول کروں، کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں دوں، کون مجھ سے بخشش چاہتا ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

اَلْمَجِیْدُ۔ اَلْمَاجِدُ

بڑی بزرگی والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ہود:73)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک مبارک نام اَلْمَجِیْدُ کا معنی ومفہوم بیان کروں، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ماجد اور مجید ''مَجْدٌ'' سے ماخوذ ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے، جیسے عالم بمعنی علیم استعمال ہوتا ہے۔۔۔ہاں مجید میں ماجد کی نسبت مبالغہ پایا جاتا ہے۔

ماجد کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا اور اَلْمَجِیْدُ کا لفظ قرآن میں چار مرتبہ آیا ہے۔ دو مرتبہ اللہ کی صفت کے طور پر اور دو مرتبہ قرآن کی صفت بیان کرتے ہوئے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْمَجِیْدُ وہ ذات ہے جو بزرگی والی ہے اعلیٰ تعریفوں کے لائق اور حد درجہ کی کریم ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ: اَلْمَجِیْدُ کَثِیْرُ الْاِحْسَانِ اِلٰی عِبَادِہٖ

عما یُفِیْضُہٗ عَلَیْھِمْ مِنَ الْخَیْرَاتِ (فتح القدیر: 2/511)

اَلْمَجِیْدُ وہ ہستی ہے جو اپنی نعمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ احسان کرنے والی ہے۔

کچھ علماء نے اَلْمَجِیْدُ کا معنی یوں بیان فرمایا:

اَللّٰہُ ھُوَ الْمَجِیْدُ تَمَجَّدَ بِاَفْعَالِہٖ وَمَجَّدَہٗ خَلْقُہٗ لِعَظَمَتِہٖ

اللہ ہی اَلْمَجِیْدُ ہے اپنے افعال کی وجہ سے اور خلقت اس کی بزرگی اور بڑائی اس کی عظمت کی وجہ سے بیان کرتی ہے۔

ان تمام علمائے کرام کے بیان سے نتیجہ یہ نکلا کہ اَلْمَجِیْدُ کا معنی ومفہوم ہوا۔۔۔ انتہائی معزز۔۔۔ بلند پایہ۔۔۔ عالی مرتبت۔۔۔ کامل الصفات۔۔۔ انتہائی عزت وشرف کا مالک کہ اس کے بعد عزت وشرف کا کوئی مقام نہ ہو۔۔۔ اپنی ذات اور اپنی صفات کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف۔۔۔ سب سے بڑھ کر بزرگی والا اور اعلیٰ قدر ہو۔

سورت البروج میں اللہ رب العزت نے اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا:

اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ۔۔۔۔۔ وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔۔۔۔۔ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۔۔۔۔۔ وہ بڑا بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۔۔۔۔۔ عرش کا مالک بڑی بزرگی اور عظمت والا ہے۔ (البروج: 15)

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھرانے پر اللہ رب العزت کی خاص مہربانی اور اللہ کی طرف سے ہونے والی رحمت اور برسنے والی برکت کا قرآن نے جہاں ذکر فرمایا وہاں اللہ کی صفت اَلْحَمِیْدُ کے ساتھ دوسرے اسم الٰہی اَلْمَجِیْدُ ہی کا ذکر فرمایا گیا۔

جبرئیل امین دوسرے فرشتوں کے ساتھ انسانی اور بشری لباس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں پہنچے۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مہمان سمجھا اور مہمان نوازی کرتے ہوئے بچھڑا بھون اور تل کر ان کے سامنے رکھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں اٹھ رہے تو دل ہی دل میں ڈرے کہ کہیں یہ دشمن ہی نہ ہوں اور مجھے نقصان پہنچانے کے لیے آئے ہوں۔

فرشتوں نے خوف کے آثار دیکھے تو کہا ڈریئے نہیں ہم انسان نہیں تیرے رب کے فرشتے ہیں جنہیں قومِ لوط کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے۔

(ایک لمحہ کے لیے یہاں رک کر ایک بات کا جواب دیجیے اور امانت ودیانت سے جواب دیجیے۔۔۔ کیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ آنے والے مہمان انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں؟ اگر انہیں علم ہوتا تو ان کے لیے کھانے کا اہتمام فرماتے؟ اب یہ بتایئے کہ نوریوں کا سردار جانتا تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہماری مہمان نوازی کی فکر میں پڑ کر بچھڑا ذبح کر کے بھوننے میں لگے ہوئے ہیں؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی حقیقت جانتے ہوتے تو خوف زدہ ہونے اور ڈرنے کی ضرورت تھی؟

مسئلہ تو صاف سمجھ آ گیا کہ اس زمانے کے انسانوں کا سردار ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور نوریوں کا سردار جبریل امین دونوں عالم الغیب نہیں تھے۔

دوسری حقیقت یہ سمجھ آئی کہ نوری بشری لبادہ اوڑھ بھی لے پھر بھی کھاتا پیتا نہیں ہے۔ اور جو بھوک مٹانے کے لیے کھانے کا محتاج ہو وہ اندر باہر سے بشر ہوتا ہے)

فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنائی تو ان کی اہلیہ حضرت سارہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔۔۔ کہنے لگیں:

قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ (ھود:72)

ارے دیکھو! کیا میں جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں (ان کی عمر نناوے سال کے

قریب تھی) اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں (جن کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی) یقینا یہ عجیب بات ہے۔

فرشتوں نے حضرت سارہ کی بات سن کر کہا:

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (ہود:73)

کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں یقینا اللہ حمد وثنا کا مستحق اور بڑی بزرگی والا ہے۔

فرشتے کہنا چاہتے ہیں کہ ایسی خبر پر کوئی اور تعجب کا اظہار کرے تو بات سمجھ آتی ہے۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر کے رہنے والوں کو ایسی خبر پر تعجب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تمہارے گھر میں ایسی انہونیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جس ابراہیم پر جلتی آگ گلزار بن جاتی ہے۔۔۔ وہاں اگر بڑھاپے میں گود ہری ہو جائے تو اس پر تعجب کیسا؟

سامعین محترم! یہاں ایک بات کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا۔۔۔ فرشتوں نے یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اہل بیت کہا ہے اور پھر ان کے لیے جمع مذکر مخاطب (عَلَيْكُمْ) کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ یہاں یہ ثابت ہوا کہ اہل بیت کا سب سے پہلا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے۔۔۔۔ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ اہل بیت کے لیے جمع مذکر کے صیغے کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔۔۔۔۔ اب سورت الاحزاب کی اس آیت کریمہ پر مخالفین کا اعتراض رفع ہو گیا جس میں امام الانبیاء ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت کہا گیا ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا
(الاحزاب:33)

اے رسول کے اہل بیت! اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی (لغو

بات) کو دور کردے اور تمہیں خوب پاکیزہ کردے۔

اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی۔۔۔ حضرت سارہ کے تعجب کرنے پر انہیں دعائیں دے کر یقین دلایا تو آخر میں اللہ رب العزت کی صفت حمید اور مجید کو ذکر کیا۔

اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب مقدس میں دو مقام پر قرآن کی صفت کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ سورت البروج میں ارشاد ہوا:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ (21) فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (البروج:22-21)

بلکہ یہ قرآن ہے بڑی عظمت وشان والا لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔

سورت ق کی ابتداء میں ارشاد فرمایا:

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ (ق:1)

ق، بہت بڑی شان والے قرآن کی قسم ہے۔

قرآن واقعی بڑی عظیم الشان، عالی مرتبت اور عظمتوں والی کتاب ہے جس نے اپنے سے پہلے اترنے والی تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔۔۔ اپنی اعجازی قوت لامحدود معارف واسرار سے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔۔۔ بتاؤ تو سہی آج دنیا کی کون سی کتاب ہے جو اپنی فصاحت وبلاغت، معنویت اور بلندی کے اعتبار سے اس کی ٹکر کی ہو۔

یہ عظیم اور بزرگ تر کتاب ہے جو اَلْمَجِیْدُ نے نازل فرمائی ہے۔۔۔ جس فرشتے کے ذریعے اتاری وہ بھی بزرگی والا۔۔۔ جس مہینے میں اتری وہ بھی عظمتوں والا۔۔۔ جس رات میں نازل ہوئی وہ رات قدر والی۔۔۔ جن شہروں میں اتری وہ شہر بزرگ وبرتر۔۔۔ جس امت کو ملی وہ امت خیر امت۔۔۔ اور جس شخصیت پر نازل ہوئی وہ عظیم الرتبت بھی۔۔۔ رفیع القدر بھی۔۔۔ بلند وبالا بھی۔۔۔ برتر۔۔۔ اور اعلیٰ بھی۔

ایسی عظیم کتاب جو تحریف اور تغیر وتبدل سے محفوظ ہے اور جسے منسوخیت سے

ماوراء قرار دیا گیا ہے کیونکہ اَلْمَجِیْدُ نے اَلْقُرْآن اَلْمَجِیْد کی قسم اٹھائی ہے اور اسے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ کہا ہے۔

واقعی مخلوقات میں سے کسی کو بڑائی ملی ہے۔۔۔ بزرگی نصیب ہوئی ہے۔۔۔ کسی کو عظمت ملی ہے۔۔۔ کسی کو کوئی مقام و مرتبہ عطا ہوا ہے۔۔۔ تو وہ سب اَلْمَجِیْدُ کی طرف سے ملا ہے کیونکہ حقیقی بزرگی اور عظمت اسی کے لیے ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو جس قدر عظمتیں عطا ہوئیں۔۔۔ بزرگانِ دین کو جتنی رفعتیں ملیں۔۔۔ ملائکہ کو جتنے درجات عطا ہوئے۔۔۔ روح القدس کو جتنی قوت و عظمت نصیب ہوئی۔۔۔ مکہ اور مدینہ کو جتنا شرف عطا ہوا۔۔۔ عرشِ بریں کو جتنی بزرگی ملی۔۔۔ اور اصحابِ رسول کو جتنے مرتبے ملے سب اَلْمَجِیْدُ کی عطا ہے۔

درودِ ابراہیمی کا اختتام درودِ ابراہیمی جسے میرے پیارے پیغمبر ﷺ نے افضل ترین درود کہا ہے اس کے آخر میں اسی اسم مبارک اَلْمَجِیْدُ کا ذکر ہے۔۔۔ درودِ ابراہیمی کی ابتداء اَللّٰهُمَّ سے ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعہ دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کے تمام اسماء حسنیٰ کے ذریعہ دعا کی جائے۔

درود کا اختتام اللہ کے نام حمید اور مجید کے ساتھ ہوا۔۔۔ اللہ کے اسم مبارک حمید میں جمال ہی جمال ہے یعنی وہ ہستی جس میں وہ سارے محاسن و کمالات اور جملہ صفات واوصاف پائے جائیں جن کی بنا پر وہ حمد و تعریف کے لائق ہو۔

اور اللہ کے نام مجید میں جلال ہے یعنی ایسی ہستی جس کو ذاتی جلال و جبروت اور ہیبت و دبدبہ اور عظمت و کبریائی بدرجۂ اتم حاصل ہو۔

اس بنا پر اَللّٰهُمَّ اور اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو تمام صفاتِ جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے تو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آلِ محمد پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی آپ ہی سے درخواست ہے۔

درود ابراہیمی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے۔۔۔تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم پر خاص رحمتوں اور برکتوں کا جہاں قرآن نے ذکر فرمایا وہاں بھی اللہ نے اپنی انہی دو صفتوں کا ذکر فرمایا اور اپنے انہی دو ناموں کے ساتھ کلام کو ختم فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (ہود:73)

غرضیکہ اَللّٰهُمَّ سے درود کا آغاز اور اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ پر درود کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان دونوں ناموں نے درود کا کیف اور لطف مزید بڑھا دیا ہے۔

اس حقیقت میں رائی کے دانے کے برابر شک وشبہ نہیں ہے کہ امام الانبیاء ﷺ امت کے لیے محسن اعظم ہیں۔۔۔ان ہی کے ذریعہ ایمان کی دولت نصیب ہوئی جو کائنات کی ہر دولت سے بڑھ کر نعمت ہے۔۔۔انہی کے ذریعہ قرآن جیسی عظیم کتاب عطا ہوئی۔۔۔کل قیامت کے دن انہی کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر پینے کی امید ہے۔۔۔قیامت کے دن انہی کے جھنڈے کے سائے میں کھڑے ہونے کی توقع ہے۔۔۔قیامت کے ہولناک دن میں انہی کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑھ کر امت پر احسان نبی اکرم ﷺ کا ہے لہذا اللہ جو ہمارا خالق ورازق ہے اس کا حق یہ ہے کہ ہم اس کی عبادت بجالائیں۔۔۔اس کی حمد وثنا میں مشغول رہیں۔۔۔اس کی تسبیح وتقدیس کریں۔۔۔اسی کے آگے سجدہ ریز ہوں۔۔۔اسی کے نام کی نذر ونیاز دیں۔۔۔اسی کی پکار کریں۔۔۔اور اسی کے نام کے وظیفے پڑھیں۔۔۔اور امام الانبیاء ﷺ کا حق یہ ہے کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے۔۔۔ان کے لیے مزید درجات کی بلندی کی دعائیں کی جائیں۔

یہ درود وسلام دراصل نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ہدیہ ہے۔۔۔

وفاداری وانکساری کا نذرانہ ہے۔۔۔اس میں ہمارے اعمال نامے میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔۔۔ ورنہ انہیں ہماری دعاؤں کی کیا محتاجی ہے۔۔۔؟ بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدایا اور تحفوں کی کیا ضرورت ہے؟

درود پڑھنے میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو کبھی رد نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ہی قبول ومنظور ہوتا ہے۔ درود کے عمل سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ وہ بھی رب کی رحمت وسلامتی کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔ ان کے آگے سجدہ ریز نہیں ہونا، رحمت وسلامتی کا انہیں مالک ومختار نہیں سمجھنا بلکہ ان کے لیے رحمت وبرکت کی دعا کرنی ہے۔

پھر ہم امام الانبیاء ﷺ کے لیے دعا گو ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔۔۔اور جو بندہ اور نبی اکرم ﷺ کا امتی اپنے نبی کے لیے دعا گو ہے ان کی پرستش کرنے والا کیسے ہوسکتا ہے؟

آخر میں درود کی فضیلت کے متعلق اپنے پیغمبر ﷺ کے دو تین ارشادات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مشہور ومعروف صحابی رسول جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ

مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلٰوۃً صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ
(مسند احمد، مشکوۃ: 87)

جو شخص آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا میں اس شخص پر رحمت نازل کروں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی اتاروں گا۔

ایک اور صحابی۔۔۔ خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ (نسائی، مشکوۃ: 86)

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا تو اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اس کے دس گناہ مٹا دے گا اور جنت میں اس کے دس درجے بلند فرما دے گا۔

امام الانبیاء ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ایک مومن شخص کے لیے کس قدر حوصلہ افزاء اور مسرت سے لبریز ہے کہ

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً (ترمذی، مشکوۃ:86)

قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھنے والا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

خوبیوں والا، لائق تعریف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر:15)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں ارادہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلْحَمِیْدُ کا معنی و مفہوم بیان کروں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق بخشے۔

مشہور مفسر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْحَمِیْدُ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

اَیِ الْمَحْمُوْدُ فِیْ جَمِیْعِ اَفْعَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ وَشَرْعِهٖ وَقَدَرِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَلَا رَبَّ سِوَاهُ (تفسیر ابن کثیر: 1/321)

اللہ تعالیٰ اپنے تمام کاموں میں اور اپنی تمام باتوں میں اور اپنی شریعت اور تقدیر میں لائق حمد و ثنا ہے اس کے سوا الٰہ بھی کوئی نہیں اور اس کے علاوہ رب بھی کوئی نہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس لیے اَلْحَمِیْدُ ہے کہ اس کا ہر فعل اور ہر کام تعریف کے قابل ہے، اس کا ہر قول اور فرمان لائق ستائش ہے، اس نے اپنے بندوں کو جتنے احکام دیے ہیں اس کا ہر ہر حکم تعریف کے لائق ہے۔

اَلْحَمِیْدُ سے مراد وہ ذات ہے جس نے مخلوق پر واجب کر دیا ہو کہ وہ ہر وقت اس کی تعریف کرے۔ اَلْحَمِیْدُ وہ ذات ہے جو واقعی تعریف کی مستحق ہے، اپنے ناموں، اپنی صفات اور اپنے تمام افعال میں حمد و تعریف اور ثنا کے لائق ہے۔

اَلْحَمِیْدُ حمد سے مشتق ہے جس کے معنی تعریف کرنے کے آتے ہیں اور حمید محمود کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو ہر طرح تعریف اور حمد کا مستحق ہو کیونکہ وہ ہر کمال اور ہر خوبی سے متصف ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی حمید ہے کہ اپنی تعریف خود کرتا ہے اور بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ اس کی تعریف کریں اور اس کی حمد بیان کریں۔

وہی اَلْحَمِیْدُ ہے کہ دنیا کی ہر شئی زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے اس کی تعریف کرتی ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل:44)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

اَلْحَمِیْدُ وہ ہستی ہے جس نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا کہ تمام تعریفیں اور خوبیاں اور اوصاف اور کمالات اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے اس معنی پر ایک اعتراض اور ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ کے لیے ہیں تو کیا مخلوق میں سے کسی کے اندر کوئی وصف اور خوبی موجود نہیں ہے؟ کیا اللہ کے سوا کسی کی کوئی تعریف نہیں ہے؟ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اللہ کی مخلوق میں ہزاروں صفات اور خوبیاں اور کمال موجود ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی خوبیوں کے تذکرے کیے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ان کی صفات

بیان کی ہیں، سب سے زیادہ خوبیاں اور تعریفیں امام الانبیاء ﷺ کی بیان کی گئی ہیں، کسی جگہ پر کہا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (احزاب:46-45)

اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو حق بیان کرنے والا خوشخبری دینے والا ڈرانے والا اللہ کی طرف بلانے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔

کسی جگہ پر فرمایا:

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (توبہ:128)

میرا نبی مومنوں پر شفقت کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

کسی جگہ پر آپ کو خاتم النبیین کے لقب سے نوازا گیا۔۔۔ کسی جگہ کوثر کے عطا کرنے کی بات کی گئی۔۔۔ کہیں آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرنے کی نوید سنائی گئی۔۔۔ کہیں آپ کے معراج کے تذکرے کیے۔

پھر قرآن نے کئی مقامات پر میرے نبی کے یاروں کی تعریفیں کیں۔۔۔ ان کے اوصاف کے تذکرے کیے۔۔۔ ان کی خوبیوں کو بیان کیا۔۔۔ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔۔۔ کہیں فرمایا: أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔۔۔ پھر کہا: أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔۔۔ پھر فرمایا: أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔۔۔ کہیں کہا: أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔۔۔ پھر فرمایا: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔۔۔ پھر کہا: أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ۔

پھر قرآن نے اولیاء اللہ کی تعریفیں کیں۔۔۔ شہداء کی تعریفیں کی ہیں۔۔۔ فرشتوں کی تعریفیں کی ہیں۔۔۔ جبریل امین کی تعریفیں کیں۔۔۔ آپ ذرا غور کریں کہ کچھ اوصاف مومن تو مومن رہ گئے کفار میں بھی پائے جاتے ہیں۔۔۔ مثلاً سخاوت (آج تک

لوگ حاتم طائی کی تعریف کرتے ہیں) شجاعت، مثلاً (رستم وسہراب) شرافت۔۔۔ امانت۔۔۔ بیٹاباپ کی تعریف کرتا ہے۔۔۔شاگرد استاذ کی تعریف کرتا ہے۔۔۔اور مرید اپنے مرشد کی تعریف کرتا ہے۔۔۔ پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا یہ معنی کس طرح درست اور صحیح ہوسکتا ہے کہ سب صفات اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

جن لوگوں نے اور مفسرین نے یہ معنی کیا ہے وہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مخلوق میں جو صفتیں پائی جاتی ہیں اور ان صفتوں کی وجہ سے ان کی تعریف ہوتی ہے تو وہ صفتیں مخلوق کو عطا کرنے والا بھی تو اللہ ہی ہے لہٰذا تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہوئیں۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت اور کمال یہ ہے کہ وہ ہر آیت اور ہر لفظ کا ایسا مفہوم اور ایسی مراد بیان کرتے ہیں جس پر کوئی شبہ اور کوئی اعتراض وارد ہی نہ ہو مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں الف لام استغراق کے لیے نہیں ہے (جس طرح عام مفسرین کہتے ہیں) بلکہ الف لام جنس اور عہد خارجی کے لیے ہے اور یہاں صرف وہی اوصاف اور صرف وہی صفات مراد ہیں جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں جو صرف اللہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اور مخلوق میں سے کسی فرد کے اندر نہیں پائی جاتیں۔

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی کرتے ہیں صفاتِ الوہیت، صفاتِ معبودیت اللہ کے لیے ہیں یعنی اللہ والی مخصوص صفات اور الوہیت والے مخصوص اوصاف صرف اور صرف اللہ کے لیے ہیں۔

اس معنی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ انبیاء والے اوصاف انبیاء میں پائے جاتے تھے۔۔۔ ملائکہ والے اوصاف ملائکہ میں پائے جاتے ہیں۔۔۔ اولیاء والے اولیاء میں اور علماء والے علماء میں۔۔۔ سخاوت والے سخی میں۔۔۔ اور شجاعت والے شجاع میں۔۔۔

کتابت والے کاتب میں ۔۔۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں ان اوصاف کا اور ان صفات کا کوئی تذکرہ ہی نہیں بلکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا معنی اور مراد یہ ہے کہ ایک نمازی باوضو ہو کر اور قبلہ رخ ہو کر اللہ سے وعدہ کرتا ہے کہ مولا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری صفتیں اور تیرے اوصاف نہ کسی نبی میں مانوں گا، نہ کسی ولی میں مانوں گا، نہ کسی پیغمبر میں مانوں گا اور نہ کسی پیر میں مانوں گا، تیری صفتیں نہ کسی نوری میں مانوں گا اور نہ کسی ناری میں اور نہ خاکی میں مانوں گا، تیری صفتیں نہ کسی زندے میں مانوں گا اور نہ کسی مردے میں مانوں گا بلکہ تیری صفتیں صرف اور صرف تجھ ہی میں مانوں گا۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ معنی ومفہوم پر نہ تو کوئی اعتراض ہوتا ہے اور نہ جواب دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اس معنی سے مشرکین کے باطل عقائد کی تردید بھی ہوتی ہے اور شرک کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔

اَلْحَمِیْدُ وہ ذات ہے جس نے سورت الفاتحہ میں اپنی تعریف کو رب العالمین سے شروع کیا یعنی حمد وثنا کے لائق وہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار اور پرورش کنندہ ہے۔ پھر اس نے اپنی تعریف کا اختتام مالک یوم الدین پر کیا یعنی جو روزِ جزا کا مالک ہے یعنی ابتدا کا مالک بھی وہی ہے اور انتہاء کا مالک بھی وہی ہے۔

اسی کو سورت القصص میں بیان فرمایا:

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (القصص:70)

وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں دنیا اور آخرت میں اسی کی حمد وثنا اور تعریف ہے اور اسی کے لیے فرمانبرداری ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

دین اسلام اور امت محمدیہ کا حمد کے ساتھ ایک خصوصی تعلق اور جوڑ ہے۔ اسلام کی

کتاب کا آغاز حمد سے ہوا، پھر سورت الانعام، سورت الکہف، سورت سبا کا آغاز بھی حمد کے ساتھ ہوا (کیونکہ ان سورتوں سے نئے مضمون کا آغاز ہوتا ہے) سورت فاطر کا آغاز بھی الحمدللہ سے ہوا کیونکہ سورت فاطر آنے والی سورتوں کے لیے مبدأ اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلام کے بانی اور داعی کا ذاتی نام محمد اور احمد ہے۔ دونوں ناموں کا اشتقاق حمد سے ہے۔ محمد وہ ہے جس کی تعریف سب سے زیادہ کی گئی ہو اور احمد وہ ہے جس نے اَلْحَمِیْدُ کی تعریف ساری مخلوق سے بڑھ کر کی ہو۔

قیامت کے دن جس مقام پر نبی اکرم ﷺ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے اس کا نام مقامِ محمود ہے۔

عَسٰی أَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:79)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا۔

جو جھنڈا میدانِ محشر میں آپ کو عطا ہوگا جس کے نیچے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں سمیت کھڑے ہوں گے اس کا نام لواء الحمد ہوگا۔ اور آپ کی امت کو قیامت کے دن حمادون کے مبارک نام سے پکارا جائے گا۔

اللہ رب العزت کا یہ مبارک اور حسین نام اَلْحَمِیْدُ قرآن مجید میں سترہ مرتبہ آیا ہے۔ اور ایک بار بھی تنہا نہیں آیا۔ اللہ کے ایک اور نام اَلْغَنِیُّ کے ساتھ دس مرتبہ آیا ہے۔ اور اسم مبارک العزیز کے ساتھ تین مرتبہ آیا ہے اور اَلْمَجِیْدُ کے ساتھ ایک مرتبہ آیا ہے۔ اللہ کے نام اَلْوَلِیُّ کے ساتھ ایک مرتبہ اور الحکیم کے ساتھ بھی ایک مرتبہ آیا ہے۔

میں کچھ مقام آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ سورت البقرہ میں اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔ حرام کی کمائی میں سے خرچ نہ کرو، اسی طرح گھٹیا اور ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ

میں خرچ نہ کیا کرو بلکہ عمدہ اور محبوب چیزوں میں سے خرچ کیا کرو۔ آخر میں فرمایا:

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (البقرہ: 267)

اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ خوبیوں والا ہے۔ (اسے تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں ہے، صدقات وخیرات دینے میں فائدہ تمہارا ہی ہے، تم اس کی راہ میں خرچ نہ کرو تب بھی وہ حمید ہے)

سورت ابراہیم میں سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ ہوا، انہوں نے تذکیر بایام اللہ کرتے ہوئے قوم کو سمجھایا کہ تمہارے رب نے وعدہ کیا ہے کہ میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے (تو میرا کیا نقصان کرو گے) میرے عذاب کے سزاوار ہو جاؤ گے۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (ابراہیم: 8)

موسیٰ نے کہا اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔

تم ناشکری کرو گے تو اس میں اللہ کا کیا نقصان ہے؟ وہ تو تعریفوں سے بے نیاز ہے کوئی شکر کرے یا نہ کرے وہ الْحَمِيدُ ہی ہے۔

سورت فاطر میں اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق اور کاریگری کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ فرمایا، پھر غیر اللہ کی عاجزی و بے کسی کا ذکر فرمایا کہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں وہ پکارنے والوں کی پکار کو سننے سے عاجز ہیں پھر کہا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر: 15)

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو (ناس کا لفظ عام ہے عوام وخواص حتیٰ کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء سب آجاتے ہیں وہ سب اللہ کے در کے محتاج ہیں) اور اللہ بے نیاز خوبیوں

والا ہے (یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے پس ہر نعمت جو اپنے بندوں پر کی ہیں اس پر وہ حمد وثنا اور شکر کا مستحق ہے)

سورت حم السجدہ میں ارشاد ہوا:

لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِیلٌ مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ (حم السجدہ:42)

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے (یعنی اس میں کمی نہیں ہوسکتی) نہ پیچھے سے (یعنی اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا) کیونکہ یہ قرآن حکمتوں والے خوبیوں والے کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

اس قرآن میں تحریف، کمی بیشی اور تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اس کی طرف سے اتارا گیا ہے جو اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے جو حمید یعنی محمود ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن کاموں سے منع کرتا ہے عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں یعنی اچھے اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

سورت الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِی یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیدُ (الشوریٰ:28)

وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے وہی ہے کارساز اور لائق حمد وثنا۔

وہی کارساز ہے جو اپنے بندوں کی چارہ سازی کرتا ہے جو اپنے بندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔۔۔ ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے۔۔۔ پیاسی زمین کی فریادیں سن کر بادلوں کو ہانک کے لاتا ہے اور رحمت کی بارش برسا کر اس کی پیاس کو مٹا دیتا ہے۔ اپنے ایسے انعامات اور اپنی بے پناہ نعمتوں کی بنا پر حمد وثنا اور تعریف کے لائق ہے کیونکہ

اَلْحَمِیْدُ وہی ہے۔

سورت البروج میں اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْحَمِیْدُ کو العزیز کے ساتھ ذکر فرمایا کہ جن مظلوم مسلمانوں کو کفار نے آگ میں جھونک دیا تھا ان کا قصور کیا تھا؟

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (البروج:8)

وہ لوگ مسلمانوں سے صرف اس بات کا انتقام لے رہے تھے کہ وہ اللہ غالب حمد کے لائق ذات پر ایمان لائے تھے۔

اَلْحَمِیْدُ کی حمد کے فضائل

ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا۔۔۔ ہر حال میں الحمد للہ کہنا۔۔۔ ہر وقت اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہنا۔۔۔ اس کی شریعت اسلامیہ نے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔۔۔ اور اللہ کی حمد وثنا اور اللہ کی تعریف کرنے والوں کے لیے بڑے فضائل بھی بیان ہوئے ہیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔۔۔ کہ اگر دنیا کی ساری نعمتیں اور دولتیں میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہوں اور وہ الحمد للہ کہے تو الحمد للہ کہنا ان سب نعمتوں سے افضل ہے۔ (قرطبی:8/123)

ابن ماجہ میں ایک حدیث آئی ہے، امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی نعمت فرماتا ہے اور بندہ اس نعمت کے ملنے پر اللہ کی حمد وتعریف کرتا ہے وہ چاہے ہونے والی نعمت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو وہ حمد بہر حال اس سے بڑھ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک حدیث بڑی مشہور ومعروف ہے کہ جب کسی مسلمان کا معصوم بچہ فوت ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کی روح قبض کر کے اللہ کے حضور پہنچتے ہیں تو اللہ فرشتوں سے پوچھتے ہیں میرے بندے کے باغ کا پھول توڑ لائے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں! تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم نے اس کی روح قبض کی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں میرے بندے کے دل کے ٹکڑے کو توڑ کر لے آئے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں ہاں مولا! لے آئے ہیں۔ اللہ

پوچھتے ہیں جب تم نے بچے کی روح قبض کی اور والدین کو یقین ہوگیا کہ ہمارا لخت جگر مر گیا ہے تو انہوں نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ انہوں نے تیری حمد کی (یعنی یہ کہا کہ اولاد دینے والی صفت اور اولاد دے کر اولاد لینے والی صفت اللہ ہی کی ہے) اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ (مسند احمد: 5/569)

(اس کے بدلے میں) جنت میں ایک گھر میرے بندے کے لیے بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد (حمد کا گھر) رکھو۔

ایک حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ یَمْلَؤُہٗ (ترمذی)

سبحان اللہ کہنا نصف ترازو کو بھر دیتا ہے اور الحمد للہ کا کہنا اس کے پلڑے کو پورا بھر دیتا ہے۔

توصیف کے دو ہی پہلو ہوتے ہیں منفی اور مثبت۔۔۔ سبحان اللہ کہنا منفی صفت ہے یعنی نہیں، نہیں۔۔۔ کہ اللہ جملہ عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک کوئی نہیں، اس کا ند کوئی نہیں، اس کی بیوی اور اولاد کوئی نہیں، اس کا کنبہ وقبیلہ کوئی نہیں، کھانا پینا، سونا اور تھکنا کوئی نہیں، نیند اور اونگھ کوئی نہیں۔

اور الحمد للہ کہنا مثبت پہلو ہے، یعنی ہے، ہے۔۔۔ وہ مالک ومختار ہے، خالق ورازق ہے، محیی اور ممیت ہے، مدبر وحاکم ہے، عالم الغیب اور مختار کل ہے۔

امام الانبیاء ﷺ نے سنا کہ ایک صحابی نماز میں کہہ رہے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرہ فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس کوشش میں تھا کہ اس مبارک کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے۔ (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی موجود ہے کہ اللہ رب العزت اس بندے پر بہت راضی اور خوش ہوتا ہے جو ہر لقمہ پر۔۔۔ یا پانی کے ہر گھونٹ پر الحمد للہ کہے۔ (مسلم: 2/173)

نبی اکرم ﷺ نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کو بہترین ذکر اور الحمد للہ کو اَفْضَلُ الدُّعَاءِ (سب سے افضل دعا) کہا ہے۔ (ترمذی: 2/173)

سورت الاعراف میں اللہ رب العزت نے جنتی لوگوں کا تذکرہ فرمایا کہ دنیا کے اندر جو دو بھائیوں کے درمیان کوئی تلخی اور کینہ موجود تھا ہم وہ دلوں سے نکال دیں گے، جنتی جنت میں پہنچ کر اور جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر کہیں گے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا (الاعراف: 43)

تمام تعریفیں اور سب خوبیاں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس جگہ تک پہنچایا اور اگر اللہ ہمیں یہاں تک نہ پہنچاتا تو ہماری یہاں تک رسائی کبھی نہ ہوتی۔

یعنی دنیا میں وہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور اللہ نے ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن رکھا یہ اللہ کی خاص رحمت اور نعمت ہے۔ اگر اللہ کا یہ فضل اور یہ کرم اور یہ رحمت نہ ہوتی تو ہم جنت کی ان نعمتوں تک کبھی نہ پہنچ سکتے۔ اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک اللہ کی رحمت شامل حال نہیں ہوگی۔ صحابہ کرام نے پوچھا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ۔۔۔۔۔ ہاں میں بھی اس وقت جنت میں جاؤں گا جب رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں سمیٹ لے گی۔ (بخاری)

سامعین گرامی قدر! دو تین آیات آپ کو سنانا چاہتا ہوں جن میں اللہ رب العزت

کی حمد و تعریف کا تذکرہ ہوا ہے۔

سورت الجاثیہ میں ہے:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (36) وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (الجاثیہ:37-36)

پس اللہ ہی کے لیے حمد و تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں کا پالنہار ہے آسمانوں اور زمین کی کبریائی اسی کے لیے ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

سورت الروم میں ارشاد ہوا:

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الروم:18)

تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف اللہ ہی ہے۔

سامعین گرامی قدر! خطبہ کے آخر میں۔۔۔ میں ان دعاؤں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن میں اللہ رب العزت کی حمد وثنا کا تذکرہ ہوا اور وہ دعائیں امام الانبیا ﷺ نے مختلف اوقات میں مانگیں۔

سنن ابن ماجہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بارے میں ایک نہایت ہی عمدہ، نفیس اور مختصر دعا موجود ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس دعا کو سن کر دو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ ہم اس کا اجر کیسے لکھیں گے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح میرے بندے نے کہا ہے ویسا ہی لکھو، البتہ اس کا اجر و ثواب میں خود اپنے بندے کو اس وقت عطا کروں گا جب وہ میرے سامنے حاضر ہوگا۔ دعا یہ ہے:

یَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِكَ (سنن ابن ماجہ)

اے میرے رب! تیرے ہی لیے تعریف ہے جو تیری ذات کی بزرگی اور تیری عظمت کی شان کے مناسب ہو۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ كُلُّهُ اِلَیْكَ یُرْجَعُ

الْاَمْرُ كُلُّهٗ عَلَانِيَتُهٗ وَسِرُّهٗ فَاَهْلٌ اَنْ تُحْمَدَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ جَمِيْعَ مَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِيْ وَاعْصِمْنِيْ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمْرِيْ وَارْزُقْنِيْ عَمَلًا زَاكِيًا تَرْضٰى بِهٖ عَنِّيْ (سنن ابن ماجہ)

اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے ہیں اور ساری بادشاہت آپ ہی کے لیے ہے، سارا خیر آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، سارے معاملات آپ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، ظاہر بھی پوشیدہ بھی، پس آپ ہی کی ذات حمد وثنا کے لائق ہے۔ بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! میرے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیجیے اور میری باقی عمر میں میری حفاظت فرما اور ایسا پاکیزہ عمل نصیب فرما جس سے آپ راضی ہو جائیں۔

امام الانبیاء ﷺ تہجد کی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ (بخاری، مسلم)

یا اللہ! اے ہمارے رب! حمد آپ کے لیے ہے، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان کو قائم رکھنے والے آپ ہی ہیں۔ آپ کے لیے حمد ہے آسمانوں اور زمین اور ان میں سب چیزوں کا نور آپ ہی ہیں، آپ کے لیے ہی حمد ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی سب اشیاء کے بادشاہ آپ ہی ہیں۔ حمد کے مالک آپ ہیں آپ حق ہیں اور آپ کا فرمان بھی حق ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کی اس دعا کے الفاظ پر ذرا غور فرمایئے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ (مسند احمد: 3/158 ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لیے کہ سب صفاتِ الوہیت تیرے لیے

ہیں تیرے سوا اللہ کوئی نہیں اے احسان کرنے والے! اے آسمان وزمین کے خالق! اے بزرگی اور عزت والے! اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اور سب کو قائم رکھنے والے۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں تسبیح اور تحمید کرنے کے اجر کے متعلق فرمانِ مصطفیٰ پیش خدمت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ وَاِذَا اَمْسٰی كَذٰلِكَ لَمْ یُوَافِ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلَائِقِ بِمِثْلِ مَا وَافٰی (ابوداود:2/338)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے صبح وشام سبحان اللہ العظیم وبحمدہ سو مرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا سوائے اس کے جو اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھے۔

مسلم کی روایت میں یہ فضیلت صرف سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ کہنے پر آئی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

الحیّ

ہمیشہ زندہ رہنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (المومن:65)

سامعین گرامی قدر! آج رب العزت کے ایک بڑے ہی عظیم اسم گرامی اَلْحَیُّ کی تفسیر اور تشریح آپ حضرات کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مشہور مفسر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْحَیُّ کا معنی کیا ہے:

أَيِ الْحَيُّ فِي نَفْسِهِ الَّذِي لَا يَمُوتُ أَبَدًا (تفسیر ابن کثیر:1/308)

اَلْحَیُّ وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

علامہ طبری نے اَلْحَیُّ کا معنی ومفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

الَّذِي لَهُ الْحَيَاةُ الدَّائِمَةُ وَالْبَقَاءُ الَّذِي لَا أَوَّلَ لَهُ بِحَدٍّ وَلَا آخِرَ لَهُ بِحَدٍّ إِذْ كَانَ كُلُّ مَا سِوَاهُ فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ حَيًّا فَلِحَيَاتِهِ أَوَّلٌ مَحْدُودٌ وَآخِرٌ مَحْدُودٌ

اَلْحَیُّ وہ ہے جس کی حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو اور اسے ایسی بقا حاصل ہو جس

کی ابتداء کی اور جس کی انتہاء کی کوئی حد نہ ہو اور اس کے سوا جو کوئی بھی ہے اس کی ابتداء کی بھی حد ہے اور اس کی انتہاء بھی مقرر ہے۔

بعض علماء نے اَلْحَیُّ کا معنی اس طرح کیا ہے:

اَلَّذِیْ لَمْ یَزَلْ مَوْجُوْداً وَبِالْحَیَاۃِ مَوْصُوْفاً لَمْ تَحْدُثْ لَہُ الْحَیَاۃُ بَعْدَ مَوْتٍ وَلَا یَعْتَرِضُہُ الْمَوْتُ بَعْدَ الْحَیَاۃِ

اَلْحَیُّ وہ ہے جو ہمیشہ سے موجود ہو اور ہمیشہ سے زندہ ہو زندگی اور حیات اسے عدم کے بعد نہ ملی ہو اور نہ زندگی کے بعد اسے موت آسکتی ہو۔

اللہ رب العزت ہی اَلْحَیُّ ہے جو ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔۔۔ وہی ایسا زندہ ہے جس کی ابتداء بھی کوئی نہیں اور جس کی انتہاء بھی کوئی نہیں۔ ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ کے علاوہ ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔۔۔ سب نے موت کا جام پینا ہے۔۔۔ سب نے موت کے دروازے سے گذرنا ہے۔

اَلْقَبْرُ بَابٌ وَکُلُّ النَّاسِ دَاخِلُہٗ

قبر ایسا دروازہ ہے جس میں سے ہر شخص نے لازماً گذرنا ہے۔

اَلْمَوْتُ کَأْسٌ وَکُلُّ النَّاسِ شَارِبُہٗ

موت ایسا جام ہے جسے ہر شخص نے ایک دن ضرور پینا ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

لَہٗ مَلَکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ ۔۔۔ اللہ کا ایک فرشتہ جو ہر روز آسمان سے یہ آواز لگاتا ہے۔

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ ۔۔۔ اے بچے جننے والی عورتو! بچے جنو مرنے کے لیے۔۔۔ جس نے آج پیدا ہونا ہے اس نے کل مرنا بھی ہے۔۔۔ اے بلند و بالا

بنگلے بنانے والو! مکان بناؤ گرنے کے لیے۔۔۔ جو مکان آج بنے گا وہ ایک روز لازماً گرے گا بھی سہی۔

قرآن نے واضح الفاظ میں کہا:۔۔۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)

ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء:78)

تم جہاں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی چاہے مضبوط برجوں میں ہوؤ۔

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا آج تک ایک منکر بھی نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اللہ کے وجود کا انکار کر دیا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی صداقتوں کا اور ختم نبوت کا انکار کر دیا۔۔۔ قیامت کے منکر ہو گئے۔۔۔ مگر موت کی حقیقت سے وہ بھی انکار نہیں کر سکے۔

موت سے نہ کوئی انسان مستثنیٰ ہے۔۔۔۔ اور نہ کوئی فرشتہ اور نہ جن۔۔۔۔ نہ جبریل امین اور نہ ملک الموت۔۔۔۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کتنی خوبصورت بات کی ہے:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَدُوْمُ لِوَاحِدٍ   لَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ فِيْهَا مُخَلَّدًا

اگر دنیا میں کسی نے ہمیشہ رہنا ہوتا تو یقیناً اللہ کے آخری پیغمبر ہمیشہ رہتے۔

فارسی شاعر نے اسی کا ترجمہ کیا ہے:

بدنیا گر کسے پائندہ بودے   ابوالقاسم محمد زندہ بودے

اللہ رب العزت نے اپنی اسی صفت اَلْحَیُّ کو اپنی معبودیت اور الوہیت کی دلیل بنایا ہے۔ آیت الکرسی میں ارشاد ہوا: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرہ:255)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔

سورت آل عمران کی ابتداء میں یہی فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (آل عمران:2)

سورت حم مومن میں اسے بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمایا:

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (المومن:65)

وہ اللہ زندہ ہے جس کے سوا معبود کوئی نہیں پس تم خالص اس کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو تمام حمدیں اور ثنائیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی معبودیت پر اپنی اسی صفت کو دلیل بنایا کہ میں ہی معبود ہوں اس لیے کہ میں ہی ایسا زندہ ہوں جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور جس نے موت کا جام پینا ہے وہ عبادت و پکار کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے کہ موت انسان کے حواس خمسہ کو ختم کر دیتی ہے۔۔۔ مرنے والا شخص دنیا والوں کی بات، کلام، پیغام اور پکار کو نہیں سن سکتا اور جو سن نہ سکے اسے پکارنے کا فائدہ؟

اسی حقیقت کو امام الانبیاء ﷺ نے اپنے انتقال کے وقت بیان فرمایا، جب موت کی تلخیاں بڑھنے لگیں اور سکرات موت طاری ہونے لگے اور آپ دعا مانگنے لگے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ (بخاری شریف)

اے اللہ! موت کی تلخیاں سہنے پر تو میری مدد فرما۔

پھر آپ نے فرمایا:۔۔۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ (بخاری شریف)

اللہ کے سوا الٰہ اور معبود کوئی نہیں موت کی تلخیاں تو یقیناً ہوتی ہیں۔

حضرات اَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ کا ربط اور جوڑ کیا ہے؟ یقیناً بڑا مضبوط اور گہرا جوڑ ہے۔۔۔ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ۔۔۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دلیل ہے۔۔۔ آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے سوا الٰہ کوئی نہیں۔۔۔ اگر اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کوئی الٰہ ہوتا تو یقیناً میں ہوتا۔۔۔ میں امام الانبیاء جو ہوں۔۔۔ میں محبوب رب العالمین جو ہوں۔۔۔ میں سرتاج کائنات جو ہوں۔۔۔ میں مصطفیٰ بھی۔۔۔ مرتضیٰ بھی۔۔۔

مجتبیٰ بھی۔۔۔ صاحب قرآن بھی۔۔۔ صاحب معراج بھی۔۔۔۔۔ میں سید الاولین والآخرین بھی۔۔۔۔۔ میں خاتم النبیین بھی۔۔۔۔۔ رحمۃ اللعالمین بھی۔۔۔ شفیع المذنبین بھی۔۔۔ میں سید ولد آدم بھی۔۔۔ سب سے اعلیٰ ہوں۔۔۔ سب سے برتر ہوں۔۔۔ سب سے بالاتر ہوں۔۔۔ بعد از خدا بزرگ توئی کا مصداق ہوں۔۔۔ اگر اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہوتا تو یقیناً میں ہوتا اور اگر میں الٰہ ہوتا تو موت کی تلخیاں مجھ پر کبھی نہ آتیں۔۔۔ موت کی تلخیوں کا مجھ پر آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ!

پھر اسی حقیقت کو خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے دن اپنے تاریخی خطبہ میں بیان فرمایا، جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے اعلان کر رہے تھے کہ جس شخص نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ انتقال کر گئے ہیں میں اس تلوار سے اس کی گردن قلم کر دوں گا۔۔۔ آپ پر موت نہیں آئی صرف غشی طاری ہوئی ہے۔۔۔ آپ ابھی اٹھیں گے اور منافقین کے سر قلم کریں گے۔ (سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ پر موت تو آئے گی مگر ہم سب کے مرنے کے بعد)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلال بھری گفتگو سنی۔۔۔ مگر اس طرف توجہ کیے بغیر سیدھے حجرۂ عائشہ میں تشریف لے گئے۔ نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔۔۔ انہوں نے رخ انور سے چادر کو ہٹایا اور نبوت کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا:

طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا۔۔۔ میرے محبوب آپ کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور آپ کی موت بھی پاکیزہ ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے حوصلے اور بڑی ہمت کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔۔۔۔ اصحاب رسول فرط غم سے نڈھال تھے، کئی ایک کے

حواس گم ہو گئے۔۔۔۔سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ننگی تلوار ہاتھ میں۔۔۔
سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عشق کا غلبہ تھا اور آج عشق اتنا آگے نکل گیا کہ عقل بہت پیچھے رہ گئی۔۔ مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق اور عقل ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔۔۔اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ انہوں نے امت کی ڈگمگاتی کشتی کا ملاح بننا تھا۔۔۔خلافت کا وزنی بوجھ ان کے کاندھے پر آنا تھا۔

اگر آج یہ بھی عشق سے مغلوب ہو کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے تو خلافتِ نبوت کی اتنی بھاری ذمہ داری کون اٹھاتا؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف لائے اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا:۔۔۔مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ

تم میں سے جو محمد کریم ﷺ کی عبادت کرتا ہے (انہیں معبود مانتا ہے) وہ سن لے کہ محمد کریم ﷺ پر تو موت آگئی ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنا خوبصورت انداز اپنایا۔۔۔۔۔
بتلایئے! اصحابِ رسول میں سے کون تھا جو نبی اکرم ﷺ کو معبود مانتا ہو اور ان کی عبادت کرتا ہو۔۔۔انہیں تو ان کے محبوب رسول نے یہی تلقین کی تھی کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ ہے۔

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ انداز کیوں اپنایا؟ یہ انداز اس لیے اپنایا کہ اے فاروق اعظم! تم جو کہہ رہے ہو کہ نبی اکرم ﷺ پر موت نہیں آئی اور اے اصحابِ پیغمبر! تم جو نبی اکرم ﷺ کے موت کے جام پینے کو تعجب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہو۔۔۔کیا تم نبی اکرم ﷺ کو معبود مانتے ہو۔۔۔؟ اگر معبود مانتے ہو تو پھر ٹھیک ہے ان پر موت کا آنا تسلیم نہ کرو اس لیے کہ معبود پر موت نہیں آتی اور اگر تم اپنے رسول مکرم ﷺ کو معبود نہیں بلکہ محبوب مانتے ہو اور اللہ کا رسول مانتے ہو تو پھر سن لو کہ موت کا جو جام انہوں نے پینا تھا آج انہوں نے وہ جام پی لیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ (بخاری شریف)

اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس کا معبود ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

حضرات! خلیفہء اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنے حسین اور آسان انداز میں یہ حقیقت واضح کردی کہ معبود وہی ہوتا ہے جو ایسا زندہ ہو جس پر کبھی موت نہ آئے اور جس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے وہ معبود اور الٰہ بننے کے لائق نہیں ہوسکتا۔

منفی پہلو اللہ رب العزت نے جہاں غیر اللہ کی معبودیت کی نفی فرمائی ہے وہاں اسی کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے:

سورت النحل میں فرمایا:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (20) أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (النحل: 21-20)

اور جن جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

(آیت کے آخری الفاظ پر غور فرمایئے! انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔۔۔۔۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ یہاں غیر اللہ سے مراد بت نہیں بلکہ بزرگ، صالحین اور اولیاء اللہ ہی مراد ہیں۔۔۔۔۔ اس آیت پر جو کچھ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے وہ قابل دید ہے)

اسی حقیقت کو سورت القصص کے آخر میں بیان فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص:88)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو اللہ کے سوا الٰہ کوئی نہیں اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ایک صحابی نے جب عرض کیا کہ ہم دوسرے شہروں میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے اپنے سرداروں کے آگے سر جھکاتے ہیں۔۔۔آپ سے بڑا سردار کون ہے؟ کیا ہم آپ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہوں؟

نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

اَرَأَیْتَ لَوْ مِتُّ اَکُنْتَ سَاجِدًا لِقَبْرِیْ؟

بتا! اگر میں دنیا سے کوچ کر جاؤں تو کیا تو میری قبر پر سجدہ کرے گا؟

صحابی نے عرض کیا: ہرگز نہیں۔

آپ نے فرمایا: فَلَا تَفْعَلُوْا (سنن ابی داؤد)

ایک دوسرے صحابی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش پر آپ نے فرمایا:

لَا تَسْجُدْ لِیْ وَاسْجُدْ لِلْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (دیلمی، کنز العمال)

پھر اب بھی سجدہ نہ کر بلکہ سجدہ اس ہستی کا کر جو ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

سامعین محترم! آخر میں آپ حضرات کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی ایک دو دعاؤں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو آپ اللہ کے حضور مانگا کرتے تھے۔ آپ ان دعاؤں کو یاد کرلیں اور پابندی سے مانگا کریں۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ (مسلم، باب الذکر)

اے اللہ! میں نے تیرے سامنے اپنی گردن جھکا دی، میں نے تجھ کو دل سے مانا، صرف تیری ہی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، صرف تیری ہی طرف متوجہ ہوا اور جس سے جھگڑا کیا تیری ہی مدد سے کیا۔

ایک اور دعا بھی سماعت فرمائیں جس میں پہلی دعا کی طرح اللہ رب العزت کی صفت اَلْحَیُّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ کا ذکر ہوا ہے اور یہ دعا آپ کو حضرت جبریل امین نے اللہ کے حکم سے سکھائی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا كَرَبَنِیْ اَمْرٌ اِلَّا تَمَثَّلَ لِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! قُلْ تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (ابوداؤد)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کبھی مجھے کوئی پریشان کن معاملہ پیش آتا تو جبرئیل امین میرے پاس آتے اور کہتے کہ اے محمد! (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں نے ایسی ذات پر بھروسہ کیا جو ہمیشہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے لیے اولاد نہیں ٹھہرائی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ بوجہ کمزوری اس کا کوئی مددگار ہو اور اے محمد! (ﷺ) اسی ذات کی بڑائی بیان کیجیے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ہمیشہ قائم اور سب کو قائم رکھنے والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (آل عمران:2)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے مبارک نام اَلْحَیُّ کی تفسیر وتشریح کے بعد اَلْقَیُّوْمُ کا معنی ومفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں نام اکثر اکٹھے ذکر ہوئے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْقَیُّوْمُ کا معنی یوں فرمایا ہے:

ھُوَ الْقَائِمُ وَالدَّائِمُ بِلَا زَوَالٍ

اَلْقَیُّوْمُ وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور کبھی بھی اس پر زوال اور فنا طاری نہیں ہوتی۔

بعض علماء نے اَلْقَیُّوْمُ کا معنی اس طرح فرمایا ہے:

ھُوَ الْمُدَبِّرُ وَالْمُتَوَالِیْ بِجَمِیْعِ مَا یَجْرِیْ فِی الْعَالَمِ

قیوم وہ ہے جو جہان میں جاری تمام امور کا منتظم، متولی اور نگران ہو۔

امام سری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْقَیُّوْمُ کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اَلْقَیُّوْمُ اَلْقَائِمُ بِنَفْسِهٖ اَلْقَیُّوْمُ لِاَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِهِمْ وَاَرْزَاقِهِمْ وَجَمِيْعِ اَحْوَالِهِمْ

اَلْقَیُّوْمُ وہ ذات ہے جو بذاتِ خود قائم ہو (یعنی اپنے قیام میں اسے کسی کی احتیاج نہ ہو اور باقی تمام کے تمام اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک وجود میں اسی کے محتاج ہوں) آسمان اور زمین میں رہنے والوں کو وجود بخشنے والا ان سب کی روزی اور تمام حاجات وضروریات کا خیال رکھنے والا۔

علماء کرام کی ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ اَلْقَیُّوْمُ۔۔۔۔ قائم سے مشتق ہے۔۔۔ جو اپنی ذات کے اعتبار سے قائم ہو اور تمام کائنات اور کائنات کی ہر ہر چیز کو قائم رکھے ہوئے ہو۔

سورت الروم میں ارشاد ہوا:

وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (الروم:25)

(اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے) ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ اَلْقَیُّوْمُ ہے جس نے وسیع وعریض آسمان کو بغیر ستونوں کے تھام رکھا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (لقمان:10)

اسی اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا تم انہیں دیکھ رہے ہو (کہ ستون نہیں ہیں) اور اس نے پہاڑوں کو زمین میں ڈال دیا (یعنی زمین کو چلتے پانی پر بچھایا وہ ڈولنے لگی تو اس پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں) تا کہ وہ زمین تمہیں لے کر ایک طرف جھک نہ پڑے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے عمدہ جوڑے اگائے۔

زمین کو پانی پر بچھایا۔۔۔ پانی پر کسی چیز کو جمانا اور ٹھہرانا کوئی معمولی بات ہے۔۔۔؟ پہاڑ جیسے بادلوں کو کس نے فضا میں تھام رکھا ہے۔۔۔؟ پہاڑوں پر برف باری کر کے پانی کو کس قدر کاریگری سے سنبھال رکھا ہے۔۔۔؟ جسے گرمیوں میں پگھلا کر حاجت مند لوگوں کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔۔۔ سورج اور چاند کے کروں کو سنبھالنے والا کون ہے۔۔۔؟ انہیں کس نے مسخر کیا ہے۔۔۔؟ اڑتے پرندے کس نے فضاؤں میں تھام رکھے ہیں؟

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ (النحل:79)

کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کے حکم کے پابند ہیں فضائے آسمانی میں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔

اللہ ہی اَلْقَيُّوْمُ ہے جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے لیے سمندر میں راستے بنا دیئے اور پانی کو پہاڑ بنا کر تھام لیا۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (الشعراء:63)

اَلْقَيُّوْمُ الوہیت کی دلیل

اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت اور اپنی معبودیت کے لیے جہاں اپنی صفت اور اپنے نام اَلْحَيُّ کو دلیل بنایا ہے۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام اَلْقَيُّوْمُ کو بھی اپنی معبودیت پر بطور دلیل پیش فرمایا۔ آیت الکرسی کی ابتداء میں اور سورت آل عمران کے آغاز میں اسی کو بیان فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (البقرہ:255)

اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کو تھامنے اور سنبھالنے والا۔

ایک مقام پر فرمایا:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:33)

آیا وہ اللہ جو ہر شخص کے اعمال پر قائم (مطلع) ہے (کیا تمہارے وہ معبود اس کے برابر ہو سکتے ہیں جو کسی چیز سے واقف نہیں)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت معبودیت پر اپنی صفت اَلْقَيُّوْمُ کو دلیل بنایا ہے کہ کائنات کا الٰہ اور معبود صرف اور صرف میں ہوں اس لیے کہ میں کسی کے سہارے کے بغیر خود قائم ہوں اور کائنات کی ایک ایک چیز کو قائم رکھے ہوئے ہوں۔

میرے علاوہ جتنے لوگ ہیں، جتنی مخلوق ہے وہ اپنی قوت سے اپنے آپ کو تھام نہیں سکتے۔۔۔ وہ اپنے وجود کو سنبھال نہیں سکتے۔۔۔ اور جو اپنے وجود کو سنبھال نہ سکے۔۔۔ جو تھک کر لاٹھیوں کے سہارے لے۔۔۔ وہ دوسروں کے لیے معبود اور سہارا کیسے بنے گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ کے دریافت کرنے پر کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ کہتے ہیں لاٹھی سے بکریاں چراتے چراتے تھک جاتا ہوں تو میں اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں کے اندر مشہور ہو گیا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے بڑے عجیب طریقے سے سیدنا سلیمان علیہ السلام پر موت طاری کر کے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کر دیا۔

بیت المقدس کی تعمیر جنات کے ذریعہ کروا رہے ہیں۔۔۔ جنات بڑی جانفشانی

اور محنت سے تعمیر میں مصروف ہیں۔۔۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام سارے کام کی نگرانی فرما رہے ہیں کہ ملک الموت نے آ کر اطلاع دی کہ تیار ہو جائیں، میں اللہ کا پیغام لے کر حاضر ہوں۔ آپ کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کہتے ہیں کہ جنات کو جونہی میری موت کا پتہ چلنا ہے یہ کام چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور بیت المقدس کی تعمیر ادھوری رہ جائے گی۔ ارشاد ہوا ہم آپ کی موت کی اطلاع جنات کو اس وقت تک نہیں ہونے دیں گے جب تک بیت المقدس کی تعمیر مکمل نہیں ہو جاتی۔۔۔ آپ اس طرح کریں کہ ایک شیشے کے کمرے میں کھڑے ہو جائیں۔۔۔ لاٹھی کے اوپر ٹیک لگا لیں۔۔۔ ہم اسی حالت میں آپ کی روح قبض کر لیں گے اور جنات کو خبر بھی نہیں ہو گی۔۔۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ کام کریں گے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے روح قبض کر لی۔۔۔ جنات نے پہلے سے بھی زیادہ کام شروع کر دیا کہ پہلے تو حضرت جی کبھی کبھی گھر چلے جایا کرتے تھے لیکن اب تو یہیں کھڑے ہیں گھر بھی نہیں جاتے۔ شاید آپ کو تعمیر کی جلدی ہے، وہ کام کرتے رہے اور جونہی مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے قریب ہوئی، دیمک کے کیڑے نے لاٹھی کو کھانا شروع کیا، جب لاٹھی کمزور اور کھوکھلی ہوئی اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کا وزن برداشت نہ کر سکی تو سیدنا سلیمان علیہ السلام گر پڑے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ (سبا:14)

جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا فیصلہ کیا تو کسی کو بھی ان کی موت کی خبر نہ ہو گی، ہاں دیمک کے کیڑے نے جب اپنا کام دکھایا (یعنی دیمک کے کیڑے نے لاٹھی کو کھانا شروع کیا وہ کمزور ہوئی۔۔۔ بوسیدہ اور کھوکھلی ہوئی اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کا

وزن برداشت نہ کی تو سیدنا سلیمان علیہ السلام گر پڑے)

اللہ نے مسئلہ سمجھایا جس پر موت آجائے (چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں) وہ موت کے بعد اپنے جسم کو بھی نہیں تھام سکتا اور جو اپنے جسم کو بھی نہ تھام سکے وہ معبود اور الٰہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ معبود اور الٰہ صرف میں ہوں اس لیے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔۔۔ کہ میں ایسا زندہ ہوں جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

(سیدنا سلیمان علیہ السلام کا جسم گر پڑا اس لیے کہ اس میں روح نہیں تھی اگر جسد اطہر میں روح ہوتی تو کبھی نہ گرتے، معلوم ہوا کہ موت کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کے جسموں میں نہیں لوٹائی جاتیں بلکہ جسم اطہر ان کے اس دنیا میں رہ جاتے ہیں اور روح مبارک عالم برزخ میں جنت کے اعلیٰ وارفع مقام میں پہنچ جاتی ہے)

اس واقعہ سے ایک اور مسئلہ بھی واضح فرمایا کہ جنات عالم الغیب نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال اور گمان یہ ہے کہ جنات عالم الغیب ہیں۔ ارشاد ہوا:

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا:14)

جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے اب جنات پر ظاہر ہوا کہ اگر وہ عالم الغیب ہوتے تو اتنی مدت اپنے آپ کو مشقت میں مبتلا نہ رکھتے، جونہی سیدنا سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہوتا کام چھوڑ کر چلے جاتے، لیکن اللہ رب العزت نے اپنی صفت علم غیب نہ کسی انسان کو عطا فرمائی اور نہ کسی جن کو اور نہ کسی فرشتے کو۔۔۔ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ کی ذات گرامی ہے۔۔

امام الانبیاء ﷺ جو کائنات کے سردار ہیں اور سید الاولین والآخرین ہیں۔۔۔ وہ جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے اور دوران بخار ایک روز نماز کے لیے مسجد تشریف لائے تو دو آدمیوں کے سہارے پر آئے۔۔۔ نقاہت، ضعف اور کمزوری کی وجہ سے خود

چل نہیں سکتے تھے اور دو آدمیوں کے سہارے کے باوجود آپ کے پاؤں مبارک زمین پر گھسٹتے ہوئے آرہے تھے۔

اللہ رب العزت کے اس اسم مبارک کو قرآن میں تین جگہوں پر اللہ کے دوسرے نام اَلْحَيُّ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ان دونوں ناموں کو اکٹھا لانے سے یہ دونوں نام اللہ کے تمام صفات کے جامع بن گئے ہیں۔ ان دونوں ناموں کو ملا کر لانا اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت کی تمام صفات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ودائم ہیں، ان میں کمی یا فنا کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔

بہت سی احادیث اللہ تعالیٰ کے ان دونوں ناموں کی عظمت کو بیان کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان دونوں ناموں کو ملا کر دعا کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ ان دونوں ناموں کو اسم اعظم بھی کہا گیا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ

كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: دَعَا اللهَ بِاِسْمِهِ الْاَعْظَمِ، الَّذِي اِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ، وَاِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطٰى (ابوداؤد)

میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس نے یہ دعا مانگی:

”اے اللہ! میں تجھ سے ان کلمات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں صرف تیرے لیے ہیں، معبود تیرے سوا کوئی نہیں، پس تو ہے تیرا کوئی شریک نہیں، تو بڑا مہربان بڑا دینے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا کسی نمونے کے بغیر بنانے والا ہے، اے بزرگی اور بخشش والے! اے سدا زندہ رہنے والے! اور سب کی ہستی کو قائم رکھنے والے!“

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ اس کے واسطے سے جب بھی دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور جب بھی سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرماتے ہیں۔

ایک اور روایت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ

مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ عَدَدِ وَرَقِ الشَّجَرِ

جس شخص نے رات کو اپنے بستر پر آ کر یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں۔ (وہ کلمات یہ ہیں:) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہیں، قائم رکھنے والے ہیں اور ان ہی کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ (مسند احمد)

ایک دوسری روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے انہی دونوں ناموں کے ساتھ دعا کا تذکرہ ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مَا يَمْنَعُكِ اَنْ تَسْمَعِيْ مَا اُوْصِيْكِ بِهٖ اَنْ تَقُوْلِيْ اِذَا اَصْبَحْتِ وَاِذَا اَمْسَيْتِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ (مستدرک للحاکم)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

میری نصیحت غور سے سنو اور یہ کلمات صبح و شام پڑھا کرو: اے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو قائم رکھنے والے! میں آپ کی رحمت کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں کہ میرے سارے کام درست فرما دیجیے اور مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرما دیئے۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ پریشانی، غم اور مشکل حالات میں اکثر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ کہہ کر عاجزی اور زاری سے دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ اے وہ ہستی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور خود بھی اپنی صفات کے ساتھ قائم و دائم ہے اور اسی کے حکم سے سارا نظامِ عالم قائم ہے میں تیری رحمت کا فریادی ہوں۔ (ترمذی: 2/192)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں غزوۂ بدر کی رات میں نے چاہا کہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھوں کہ آپ یہ لحات کس طرح گزار رہے ہیں۔۔۔ میں آپ کی قیام گاہ پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہیں اور بار بار آپ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کہہ رہے ہیں۔ (مستدرک حاکم: 1/331)

اَلْقَیُّوْمُ اللہ رب العزت کا ایسا نام ہے جسے الف لام ہٹا کے بھی کسی کے لیے استعمال نہیں کر سکتے جیسے الرحمن۔۔۔ اس لیے کسی شخصیت کو قیومِ زماں کہنا درست نہیں اور جس شخص کا نام عبد القیوم ہے اسے صرف قیوم کہنا صحیح نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سب کے بعد موجود رہنے والا، پیچھے رہنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (الحجر:23)

سامعین گرامی قدر! میں اللہ رب العزت کے نام اَلْحَقُّ کا معنی و مفہوم آپ حضرات کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ آج کے خطبہ میں اللہ کے ایک نام اَلْوَارِثُ کا معنی اور تشریح بیان کرنے کا ارادہ ہے۔

بعض علماء نے اَلْوَارِثُ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلْوَارِثُ هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ۔۔۔۔ اَلْوَارِثُ وہ ہے جو مخلوق کے فنا اور ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

اَلْمُسْتَرِدُّ اَمْلَاكَهُمْ وَمَوَارِيْثَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ۔۔۔ مخلوق کے املاک اور ان کی میراث ان کے مرجانے کے بعد وارثوں تک پہنچانے والے بھی اَلْوَارِثُ ہی ہیں۔

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْوَارِثُ کا معنی کیا ہے:

اَلْوَارِثُ كُلُّ بَاقٍ بَعْدَ ذَاهِبٍ فَهُوَ وَارِثٌ

جانے والے کے بعد جو باقی رہ جائے وہ وارث کہلاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْوَارِثُ کا مفہوم یوں بیان فرمایا ہے:

هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِهِ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ الدَّائِمُ وَإِلَيْهِ مَرْجِعُ كُلِّ شَيْءٍ وَمَصِيْرُهُ فَإِذَا مَاتَ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ وَزَالَ عَنْهُمْ ملكهُمْ كَانَ اللهُ تَعَالَى هُوَ الْبَاقِيْ الْحَقُّ الْمَالِكُ لِكُلِّ مَمْلُوْكَاتٍ وَحْدَهُ

مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد وہی باقی رہنے والا ہے ایسا زندہ جس پر موت نہیں آئے گی۔ ہر چیز کا آخری مرجع وہی ہے جب آخرت میں ہر چیز فنا ہو جائے گی، ہر ایک موت کا مزہ چکھ لے گا ان کی ملکیت ختم ہو جائے گی، ہر شئی کا اللہ اکیلا حقیقی مالک ہوگا۔

اس وقت اللہ رب العزت آواز لگائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ---بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے۔

اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَاَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ---آج بڑے بڑے جابر اور متکبر بادشاہ کہاں ہیں؟

آج اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے مدعی کہاں ہیں---؟ وقت کے فرعون کہاں ہیں---؟ اپنی سلطنت پر نازاں و فرحاں کدھر ہیں---؟ کہاں ہیں جو کہتے تھے ہماری سلطنت اور حکومت کو زوال نہیں؟

پھر اللہ خود ہی جواب دیں گے:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16)

اللہ اکیلے زبردست ہی کی بادشاہی ہے۔

عرف عام میں وارث اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مورث کی وفات کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد اور مال کا تنہا مالک ہے۔

اَلْوَارِثُ نے وارثت کا ایسا نظام بنایا ہے اور شریعت محمدیہ کو بخشا ہے اور میراث کے وہ اصول وضوابط بیان کیے ہیں جس کی مثال کسی مذہب میں نہیں ملتی---میت کے

چھوڑے ہوئے مال اور جائیداد کی وارثوں میں تقسیم لازم قرار دی گئی ہے۔۔۔ بندے کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت وارثوں کی جانب منتقل ہو جاتی ہے۔۔۔ اس لیے ہر وارث کا حق اسے ملنا چاہیے۔۔۔ دوسرے لوگوں کو اس میں بلا اجازت وارث تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ملک کے مشہور عالم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے وارثت کی تقسیم کے متعلق کتنی خوبصورت بات فرمائی ہے:

آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث کی تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی، چنانچہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہہ دیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اس لیے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم پر اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لیے ایک دوسرے کا خون پینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا، فلاں نے کم کھایا۔

اللہ رب العزت نے اپنے اَلْوَارِثُ ہونے کو قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (مریم:40)

خود زمین کے اور زمین پر رہنے والے تمام لوگوں کے ہم ہی وارث ہوں گے اور سب کے سب لوگ ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے

فرمایا:

یعنی کسی کا مُلک یا مِلک باقی نہیں رہے گا ہر چیز براہ راست مالک حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی وہی بلاواسطہ حاکم و متصرف ہوگا جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا، دنیا کے جن سامانوں نے ہمیں غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا، مِلک اور مُلک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔

دوسری جگہ پر ارشاد باری ہوا:

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (الحجر:23)

اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی بالآخر وارث ہوں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تحریر فرمایا:

ہر کوئی مر جاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔۔۔ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ دنیا فنا ہو جائے گی ایک اللہ اپنی کامل صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے لکھا ہے کہ

یہاں تاکید کے ساتھ تصریح ہے یہ ہوا بارش وغیرہ (جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا) کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔

سورت القصص میں اللہ رب العزت نے سابقہ اقوام کا ذکر فرمایا جنہیں اپنی خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی پر ناز اور غرور تھا۔۔۔ جب انہوں نے دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر حق کا انکار کیا، انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق بنایا اور شرک کے مرتکب ہو کر ہماری غیرت اور غصے کو للکارا تو ہم نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ (قصص:58)

اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش وعشرت پر اترانے لگی تھیں یہ ہیں ان کی رہائش گاہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور آخر کار ہم ہی ہر کسی کے وارث ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ زمین وآسمان اور زمین وآسمان کی ہر چیز کے حقیقی مالک اللہ ہی ہیں۔۔۔۔ زمین اسی کی ہے جسے چاہے اَلْوَارِثُ وارث بنادے۔۔۔۔ جنت اللہ کی طرف سے عزت وکرامت کا گھر ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنادے۔۔۔۔۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الزخرف:72)

(اس سے پہلی آیات میں جنت میں اہل جنت کو ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ ہوا ہے۔۔۔ آخر میں کہا) یہی وہ جنت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مریم:63)

(یہاں بھی جنت میں عطا ہونے والی نعمتوں کا تذکرہ کر کے فرمایا) یہ ہے" جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قبیلہ بنواسرائیل جنہیں فرعونی حقیر جانتے اور ان کے ساتھ غلاموں سے بدتر سلوک کرتے۔۔۔۔ حکومت کی بربادی کے خوف سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیتے اور ان کی بچیوں کو گھریلو ملازمہ بنا کر ان کی عزتوں سے کھیلتے۔۔۔ ہر طرح کا ظلم اور ستم بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا جاتا۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو

فرعونیوں کے ظلم وستم سے نجات دینے کا فیصلہ فرمایا اور بنی اسرائیل سے تعلق رکھنے والے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا۔۔۔فرعون اور اس کے ماننے والے بھلا کب حق بات کو سنتے اور مانتے، انہوں نے بنی اسرائیل پر ظلم وستم کا سلسلہ دراز کر دیا۔۔۔آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو دریا میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں دریا سے پار اتار دیا۔۔۔اور بنی اسرائیل کو بادشاہی سے سرفراز کر دیا۔۔۔اَلْوَارِثُ نے اسے بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے انہیں زمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنا دیا۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (الاعراف:137)

اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے (یعنی بنی اسرائیل) ہم نے انہیں اس زمین کے مشارق ومغارب کا وارث بنا دیا جس زمین میں ہم نے برکت (دینی ودنیوی) رکھی ہے (ارض فلسطین اور شام مراد ہے) آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی تھی اور جو عمارتیں وہ بلند کرتے تھے ہم نے ان کو برباد کر دیا۔

حضرات گرامی! اَلْوَارِثُ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں کتاب اللہ کا وارث بنایا ہے۔۔۔ایک حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں، ہم انبیاء کی جماعت درہم ودینار اور مال ودولت وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ ہم علم وراثت میں چھوڑتے ہیں۔

قرآن کے عطا کرنے کو وراثت سے تعبیر فرمایا۔۔۔شاید اس لیے کہ جس طرح وراثت کو میراث کا حصہ بغیر اس کی محنت اور کوشش کے مل جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم کی

یہ عظیم دولت بھی اللہ کے منتخب بندوں کو بغیر کسی مشقت وکوشش کے عطا کی گئی ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (32) جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (فاطر:32،33)

پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے پسندیدہ اور چنے ہوئے بندوں کو بنایا، کچھ ان میں سے وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (امت محمدیہ کی تین قسمیں اللہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ ظالم لنفسہ پہلی قسم ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں) اور کچھ ان میں متوسط درجہ کے ہیں (یہ دوسری قسم ہے جو ملے جلے عمل کرتے ہیں، فرائض کے پابند ہیں مگر کبھی محرمات کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے) اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں (یہ تیسری قسم ہے جو دین کے معاملے میں اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں) یہی اللہ کا بڑا فضل ہے (یعنی کتاب کا وارث بنانا اور شرف وفضل میں ممتاز کرنا) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (یعنی تینوں قسمیں جنت کی حقدار ہیں) جنہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور لباس ان کا وہاں ریشم کا ہوگا۔

الوارث کی راہ میں خرچ کرنا اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں جگہ جگہ دنیا کی بے ثباتی کو بیان کر کے اپنے راستے میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔۔۔لوگوں کو یہ حقیقت بار بار سمجھائی گئی جو مال دولت اور زیور وسامان ان کی ملکیت میں ہے موت کے بعد وہ میراث بن کر وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا اور تمہارا کوئی اختیار اس مال پر نہیں رہے گا۔ سورت الحدید میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو کتنا حسین اور موثر انداز اپنایا:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ (الحدید:7)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں سے اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا (اللہ بندوں کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ یہ مال جو آج تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کسی اور کے پاس تھا اور تمہارے بعد تمہارے وارثوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ایک حدیث میں آیا میرے پیارے آقا ﷺ نے فرمایا: انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال صرف وہی ہے جو تو نے کھا پی کے فنا کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔(مسلم)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد ہوا: وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الحدید:10)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ حقیقت میں زمین و آسمان کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔

یعنی اگر تم نے اللہ رب العزت کے راستے میں اپنا مال خرچ نہ کیا تو بھی یہ تمام کا تمام مال تمہارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائے گا اس لیے کہ آسمان و زمین اور ان میں بسنے اور رہنے والی ہر چیز اسی کی میراث ہے۔

وراثت روحانی اَلْوَارِثُ نے منصب روحانی کی جانشینی کو بھی وراثت سے تعبیر کیا ہے۔سورت النمل میں سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ (نمل:16)

اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

ظاہر بات ہے یہاں وارث سے مراد روحانی وراثت یعنی نبوت ہے جس کے وارث سیدنا سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ورنہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے اور بیٹے بھی تھے

جواس روحانی وراثت سے محروم رہے، یہاں مال ودولت کی وراثت مراد نہیں ہے ورنہ تقریباً 24 بیٹوں میں سے صرف ایک بیٹا سلیمان ہی وارث کیوں ٹھہرتا۔

اسی طرح سیدنا زکریا علیہ السلام نے جب بیٹے کے لیے دعا مانگی تو فرمایا:

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (مریم:6)

جو میرا بھی وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا بھی وارث بنے۔

اس آیت پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوبصورت لکھا ہے:

"یہاں وراثت مالی مراد نہیں جس کی تائید خود لفظِ آل یعقوب سے ہو رہی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ تمام آلِ یعقوب کے اموال واملاک کا وارث تنہا سیدنا زکریا علیہ السلام کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے بلکہ نفسِ وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلّم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے پھر دعا میں اس کا ذکر کرنا محض بے کار تھا، یہ خیال کرنا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو اپنے مال ودولت کی فکر تھی کہ کہیں یہ میرے گھر سے نکل کر چچازادوں اور دوسرے رشتے داروں میں نہ پہنچ جائے نہایت پست اور گھٹیا خیال ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاعِ حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔"

اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام بڑے دولتمند بھی نہ تھے بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے بھلا ان کو بڑھاپے میں کیا غم ہوسکتا تھا کہ چار پیسے رشتے داروں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ العیاذ باللہ

اللہ رب العزت کے اسم مبارک اَلْوَارِثُ سے تعلق پیدا کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ مال ودولت میں غریبوں اور سائلین کا حق ادا کرتے رہیں۔

کسی عزیز کے مرنے پر میراث کے تقسیم کرنے میں بے انصافی اور غفلت سے بچنے کی کوشش کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی چھوڑی ہوئی وراثت یعنی علم کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں اور علم دین کو پھیلانے کی محنت کریں۔لوگوں کو چاہیے کہ اَلْوَارِثُ سے اپنی دعاؤں میں نیک اور صالح وارث مانگتے رہیں۔۔۔اور اس کے لیے دعا کے الفاظ یہ ہونے چاہئیں:

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ (الانبیاء:89)

میرے پالنہار! مجھے تنہا نہ چھوڑ تو سب سے بہترین وارث ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ہمیشہ رہنے والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(الرحمن: 27-26)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے مبارک نام اَلْحَیُّ کا معنی ومفہوم بیان کر چکا ہوں۔ اَلْحَیُّ کے ساتھ ملتا جلتا ایک نام اللہ تعالیٰ کا اَلْبَاقِیُ ہے جس کا مفہوم میں آج کے خطبہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

بعض علماء نے اَلْبَاقِیُ کا معنی یوں فرمایا ہے:

اَلْبَاقِیُ الَّذِیْ لَا اِبْتِدَاءَ لِوُجُوْدِہٖ وَلَا نِہَایَۃَ لِوُجُوْدِہٖ

اَلْبَاقِیُ وہ ہے جس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہو اور نہ کوئی انتہاء ہو۔

کچھ حضرات نے کہا ہے:

ھُوَ الْاَوَّلُ بِلَا اِبْتِدَاءٍ وَالْاٰخِرُ بِلَا اِنْتِہَاءٍ

اَلْبَاقِیُ وہ ہے جو بغیر ابتداء کے اول ہے اور بغیر انتہاء کے آخر ہے۔

بعض علماء نے اَلْبَاقِی کی تعریف یوں کی ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ لَا تَعْتَرِضُ عَلَیْهِ عَوَارِضُ الزَّوَالِ وَهُوَ الَّذِیْ بَقَائُهٗ غَیْرُ مُتَنَاهٍ وَلَا مَحْدُوْدٍ

اَلْبَاقِی وہ ذات ہے جس پر زوال کے اسباب طاری نہیں ہوتے جس کے باقی رہنے کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو۔

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوا کہ جنت اور جہنم بھی تو ہمیشہ رہنے والی ہیں۔۔۔

اس کا جواب علماء نے دیا:

اَنَّ بَقَائَهٗ اَزَلِیٌّ اَبَدِیٌّ وَبَقَاءُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اَبَدِیٌّ غَیْرُ اَزَلِیٍّ

اللہ رب العزت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا مگر جنت اور جہنم ہمیشہ تو رہیں گے جنت اور جہنم مخلوق ہیں پہلے موجود نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمائی (جنت اور جہنم کو ہمیشہ اور باقی رہنے والی وصف بھی اَلْبَاقِی نے عطا فرمائی ہے)

اللہ رب العزت ہی اَلْبَاقِی ہے کیونکہ بقا کہتے ہیں کسی چیز کا حالتِ اولیں (پہلی حالت پر ہی رہنا) فنا اس کی ضد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔۔۔ اور فانی کا یہ معنی نہیں کہ آخر کار اور انجام کار ان پر فنا ہے بلکہ فانی کا مفہوم یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنے وجود کے وقت سے فنا کی طرف جا رہی ہے۔ فنا ہر وجود میں اور ہر چیز میں ہر وقت اپنا کام کر رہی ہے۔۔۔ انسان بچے کی صورت میں جنم لیتا ہے۔۔۔ دھیرے دھیرے بڑھتا ہے۔۔۔ قدموں پر چلنے لگتا ہے۔۔۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔۔۔ بھرپور جوانی اور جوبن کی عمر کو پہنچتا ہے۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ گھٹنے لگتا ہے۔۔۔ اعضا کمزور ہونا شروع ہوتے ہیں۔۔۔ نظر کمزور ہونے لگتی ہے۔۔۔ دانت گرنے لگتے ہیں۔۔۔ قوت سماعت صحیح طور پر کام نہیں کرتی۔۔۔ کمر جھک جاتی ہے۔۔۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے سے جواب دینے لگتے ہیں۔۔۔ بڑھاپا اپنے

پنجے گاڑ لیتا ہے۔۔۔ گویا کہ فنا بندے کے ساتھ ساتھ اپنا کام کیے جاری ہے۔

بقا یعنی حالتِ اولیں پر دوام وقیام صرف رب العالمین ہی کو حاصل ہے کیونکہ اَلْبَاقِيْ صرف وہی ہے۔اسی کو قرآن نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ
(الرحمن:27-26)

زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت وعزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس وقت بھی فانی ہے ان میں دوام وبقا نہیں ہے اور یہ مفہوم بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ قیامت کے دن یہ سب چیزیں فنا ہوجائیں گی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے وَجْهُ رَبِّكَ کی تفسیر "جہت اور سمت" سے کی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ کی جانب میں ہے۔۔۔ وَجْهُ رَبِّكَ میں اللہ کی ذات بھی شامل ہے۔اور مخلوقات کے اعمال واحوال میں جس چیز کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے۔۔۔ مطلب یہ ہوگا کہ انسان، جنات اور فرشتے جو اعمال اور جو کام اللہ کے لیے کرتے ہیں وہ کام اور عمل بھی فنا نہیں ہوں گے بلکہ باقی رہیں گے۔اس مفہوم کی تائید اللہ رب العزت کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96)

جو کچھ تمہارے پاس ہے فنا اور ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

سامعین گرامی! میں اَلْحَيُّ کی تشریح میں بیان کرچکا ہوں کہ اللہ رب العزت نے اپنی صفت حیات دائمی کو اپنی الوہیت پر دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔۔۔ میری عبادت

اس لیے کرو کہ میں ہی ایسا زندہ ہوں جس پر کبھی موت اور فنا نہیں آئے گی۔۔۔ یہ عام فہم دلیل ہے اور عقلی دلیل ہے۔ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی غور کرے تو اسے یہ حقیقت سمجھ آجائے گی کہ معبود اور الٰہ وہی ہوتا ہے جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والا ہو۔۔۔۔ کوئی غیر مسلم اور کوئی مشرک بھی اپنے دل سے ہٹ دھرمی کو ختم کر کے غور کرے تو اسے بھی اسلام قبول کرنے کی اور توحید پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

سورت القصص میں اسی جانب توجہ مبذول کروائی گئی ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔۔۔۔ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار (کیونکہ) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔۔۔۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (یہ اللہ رب العزت کا دعویٰ ہے اور یہی قرآن کا دعویٰ بھی ہے، محور بھی اور مرکزی مقام بھی۔۔۔ آپ یقین کریں سارے کا سارا قرآن اسی محور کے گرداگرد گھوم رہا ہے۔۔۔ پورا قرآن اسی دعویٰ کو ثابت کر رہا ہے۔۔۔ کبھی عقلی دلائل کے ذریعہ کہ زمین و آسمان کی تخلیق کو دیکھو۔۔۔ فضاؤں پر غور کرو۔۔۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کو دیکھو۔۔۔ پڑنے والے اولے اور برسنے والی بارش کو دیکھو۔۔۔ سر بفلک پہاڑ دیکھو۔۔۔ بہتے ہوئے دریا اور چلنے والی کشتیاں دیکھو۔۔۔ نباتات و حیوانات دیکھو۔۔۔ حشرات الارض دیکھو۔۔۔ اور اڑنے والے پرندے دیکھو۔۔۔ دن رات کا بدلنا۔۔۔ ہواؤں کا چلنا دیکھو۔۔۔ سورج کی تمازت۔۔۔ چاند کی ضیا پاشی۔۔۔ اور ستاروں کی چمک دیکھو۔۔۔ یہ سب عقلی دلائل ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے اپنی معبودیت اور الوہیت پر بطور دلیل پیش فرمایا ہے)

سورت النمل میں اپنی الوہیت پر دلائل پیش کر کے ساتھ ہی سوال کیا گیا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔۔۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

يَعْلَمُونَ (النمل:60)

تو بھلا بتاؤ تو! کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، کس نے آسمان سے بارش برسائی پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے، ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ اوروں کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

آگے ارشاد ہوا:

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (النمل:61)

کیا وہ جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔

پھر کہا:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ (النمل:62)

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (النمل:63)

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے

پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنہیں شریک کرتے ہیں ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (النمل:64)

بھلا کون ہے جو مخلوق کو ابتدا میں بناتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (آخر میں اللہ نے بڑی عجیب بات کہی: قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۔۔۔ میں نے تو اپنی الوہیت اور معبودیت پر ڈھیر ساری دلیلیں پیش کردی ہیں ۔۔۔ تمہارے پاس غیر اللہ کی معبودیت کے لیے کوئی ایک دلیل بھی ہو تو پیش کرو)

سورت النمل کی آیت نمبر 65 میں اللہ رب العزت نے اپنے عالم الغیب ہونے کو پیش فرمایا:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (النمل:65)

کہہ دیجیے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا مگر اللہ (جنہیں تم عالم الغیب سمجھ رہے ہو یا سمجھ رہے ہو کہ انہیں تمہاری پکار کا یا نذر و نیاز کا علم ہے) انہیں تو اتنا بھی پتہ نہیں کہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے۔

اللہ رب العزت نے سورت النمل کی ان آیات میں اس مسئلے کو بیان فرمایا کہ الٰہ وہ ہوتا ہے جو مختار کل بھی ہو اور عالم الغیب بھی ہو۔۔۔ معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ کن بھی ہو اور ہمہ دان بھی ۔۔۔ چونکہ یہ دونوں صفتیں میری ہیں لہٰذا سورت القصص میں بیان کردہ ہمارے دعوئ کو مان لو کہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۔۔۔ کیونکہ وہی الْحَقُّ ہے اور وہی

اَلْبَاقِیْ ہے۔۔۔ سورت القصص آیت نمبر 88 میں ہی غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور اللہ کی الوہیت کے اثبات پر زبردست دلیل دی۔

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:88)

ہر چیز فنا ہونے والی ہے (اور جس نے فنا ہو جانا ہے اور جس پر موت نے آنا ہے وہ الٰہ بننے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟) مگر اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

آخر میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ ورد کرے اسے دنیا کے تفکرات سے عافیت نصیب ہو گی۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَبْقٰی رَبُّنَا وَیَفْنٰی كُلُّ شَیْءٍ (مجمع الزوائد:10/145)

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (انعام:102)

یہی اللہ تمہارا پالنہار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر چیز کو پیدا کرنے والا پس تم اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز پر کارساز ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں میرا ارادہ ہے کہ اللہ تعالی کے ایک اسم گرامی اَلْوَکِیْلُ کا معنی اور کچھ تشریح آپ کے سامنے بیان کروں۔ اللہ تعالی اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

لغوی معنی میں وکیل اسے کہتے ہیں کہ کسی کام میں اپنے عجز کا اظہار کر کے دوسرے پر اعتماد کرنا اور اپنے ظاہری امور اس کے سپرد کر دینا، جیسے مختلف مقدمات میں ہم وکیل بنا لیتے ہیں۔

اور اصلاح شریعت میں اَلْوَکِیْلُ کا معنی ہر چیز میں اللہ رب العزت پر اعتماد

کر کے اپنے تمام تر معاملات اسی کے حوالے اور اسی کے سپرد کر دینا۔

اب اَلْوَكِيْلُ کا معنی ہوا بندوں کے تمام امور کی نگرانی اور رکھوالی کرنے والا۔۔۔ اسے مالک، متصرف، قادر اور مختار جان کر اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔

اسی کو امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے المنہاج میں بیان فرمایا:

اَلْوَكِيْلُ وَهُوَ الْمُوَكَّلُ وَالْمُفَوَّضُ اِلَيْهِ عِلْمًا بِاَنَّ الْخَلْقَ وَالْاَمْرَ لَهٗ لَا يَمْلِكُ اَحَدٌ مِنْ دُوْنِهٖ شَيْئًا

یعنی اَلْوَكِيْلُ وہ ہستی ہے کہ بندہ یہ یقین کرتے ہوئے تمام امور اس کے حوالے کر دے کہ تمام مخلوق اسی کی ملکیت ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے اس کے علاوہ پوری مخلوق میں کوئی بھی کسی معمولی چیز کا بھی مالک نہیں ہے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مرقاۃ میں لکھا ہے:

اَلْوَكِيْلُ اسے کہتے ہیں جو بندوں کے تمام امور و معاملات کی نگہبانی کرنے والا اور ان کا کارساز ہو۔

ان علماء کی تحقیق کی روشنی میں اَلْوَكِيْلُ کا معنی ہوا نگہبان، ذمہ دار، کارساز، تو اب یہ بتانے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ اَلْوَكِيْلُ صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

اور اللہ رب العزت کے اس اسم مبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ تورات میں بھی اللہ کے اسی اسم گرامی کا تذکرہ ہوا۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل:2)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا کی تھی جسے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اس میں بنی اسرائیل سے یہ کہا گیا تھا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔

اس آیت سے پچھلی آیت میں معراج کا تذکرہ ہوا جسے لفظ ''سبحان'' سے شروع فرمایا جو سورت بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ اللہ رب العزت کو شریکوں سے پاک سمجھو۔۔۔ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۔۔۔ اس دعویٰ کی عقلی دلیل ہے۔۔۔ دوسری آیت میں دعویٰ توحید پر تورات سے نقلی دلیل پیش فرمائی کہ ہمارا دعویٰ توحید کوئی نیا دعویٰ نہیں ہے اس سے پہلے جو کتاب سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں بھی یہی دعویٰ بیان ہوا تھا:

أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا

اس سے پہلے کہ میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے مبارک نام اَلْوَكِيْلُ پر قرآن سے دلائل پیش کروں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اَلْوَكِيْلُ اور تَوَكُّل دونوں کا مادہ ایک ہے یعنی ''واؤ، کاف، لام''۔

تَوَكُّل یہ ہے کہ کسی کام میں انتہائی کوشش اور پوری محنت کرے دنیا کے تمام ظاہری اسباب اور وسائل استعمال میں لائے پھر نتیجہ کے لیے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے، اپنی کوشش پر نازاں بھی نہ ہو اور اس پر فخر و غرور بھی نہ کرے۔

تَوَكُّل کا حقیقی مفہوم

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں تَوَكُّل پر بڑی خوبصورت بحث فرمائی ہے۔

چونکہ تَوَكُّل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں لوگ عموماً غلطیاں کرتے ہیں اس لیے یہ سمجھ لیجیے کہ اس کی تین قسمیں ہیں۔

نمبر: 1 انسان فطری طور سے تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر رکھے لیکن عملی طور پر اس کا دھیان اسباب ہی کی طرف لگا رہے اور ظاہری اسباب و وسائل ہی اس کی بیشتر توجہات کا مرکز بنے رہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کے سپرد کر

دیتے ہیں، اس پر آپ کو بھروسہ تو ہوتا ہے لیکن معاملہ اس کے سپرد کر کے آپ بالکل فارغ نہیں ہو جاتے بلکہ ہر وقت دھیان اور کوشش اس کی طرف لگی رہتی ہے۔

نمبر: 2 آپ ظاہری اسباب کو اس لیے اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اور یہ بات ہر آن ذہن میں رکھیں کہ یہ ظاہری اسباب کوئی حقیقت نہیں رکھتے، کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، چنانچہ آپ کی بیشتر توجہات اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنے میں صرف ہوں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے وہ بس اپنی ماں ہی کو پکارتا ہے، خود کچھ ہاتھ پاؤں مارے بھی تو اس پر مطمئن نہیں ہوتا اس کی توجہ اسی کی طرف رہتی ہے کہ کسی طرح ماں متوجہ ہو جائے تو ہر مشکل کو حل کر دے گی۔

نمبر: 3 اللہ تعالیٰ پر اس درجہ بھروسہ کیا جائے کہ ظاہری اسباب کی طرف مطلق نظر نہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو پکارے بھی نہیں اور یہ سمجھے کہ وہ تو خود میرے دکھ درد کو جانتا ہے، خود ہی مداوا کرے گا۔

تَوَکُّل کے ان تین درجات میں سے پہلا درجہ تو عامیانہ توکل ہے جو توکل کا بالکل ادنیٰ درجہ ہے اور تیسرا درجہ توکل کی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہے مگر یہ انبیاء و صلحاء کے خاص احوال سے متعلق ہے، دائمی طرز کے لیے شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔

شریعت میں مطلوب توکل کا دوسرا درجہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سنت اسی کو قرار دیا ہے اور جب یہی طریقہ مسنون ہے تو اصلاً یہی محبوب بھی ہے اور محفوظ بھی۔

یاد رکھیے! ترک اسباب کا نام تَوَکُّل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر تو دنیا میں کسی کا توکل اور اعتماد اللہ پر نہیں ہو سکتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے کبھی ایسے نہیں کیا کہ ظاہری اسباب کو ترک کر کے کہا ہو ہمیں اللہ پر

بھروسہ ہے، وہ بغیر جنگ کیے ہمیں غلبہ عطا فرمائے گا، بغیر آلاتِ حرب کے استعمال کے ہمیں کامیابیوں سے ہمکنار کردے گا، بلکہ آپ نے اصحابِ رسول میں جہاد کی روح پھونکی، تمام ظاہری اسباب اور وسائل کو اختیار فرمایا اور پھر کہا "حَسْبُنَا اللہ" ہمیں اللہ کافی ہے، یہی توکل کا صحیح مفہوم ہے جس کی تعلیم اور تلقین قرآن نے کی ہے اور صاحب قرآن ﷺ اور ان کے رفقاء نے اسی پر عمل کر کے دکھایا ہے۔

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: اَعْقِلُهَا وَاَتَوَكَّلُ اَوْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ۔۔۔۔ میں اونٹنی کو باندھ دوں اور پھر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ (ترمذی:78/2)

اونٹنی کو باندھ اور پھر توکل کر۔

قرآن میں اَلْوَكِيْلُ اور تَوَكُّل علی اللہ کا تذکرہ

شرک کے خلاف آواز بلند کرنے والے اور اللہ رب العزت کی توحید کی دعوت دینے والے پہلے پیغمبر کا اسم گرامی سیدنا نوح علیہ السلام ہے، انہوں نے ساڑھے نوسو سال بت خانے میں توحید کی صدا بلند فرمائی۔ پانچ بزرگوں (وَد، سواع، یغوث، یعوق، نسر) کی پجاری قوم کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کی دعوت دی، قوم کی مخالفت جب عروج کو پہنچی تو سیدنا نوح علیہ السلام نے فرمایا: فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ ۔۔۔۔تم سب مل کر اپنا کام مقرر کرو اور اپنے شریکوں کو بھی مدد کے لیے جمع کرلو، پھر میرے خلاف سب تدبیریں کرو مجھے مہلت نہ دو مگر یاد رکھو تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ہو کیونکہ فَعَلَی اللہِ تَوَكَّلْتُ (یونس:71)

میرا بھروسہ اور میرا توکل میرے اللہ پر ہے اور جس کا توکل ایسی عظیم اور سبحان ذات پر ہو تم اس کا کیا نقصان کر سکتے ہو؟

سیدنا یعقوب علیہ السلام برادرانِ یوسف پہلی مرتبہ غلہ لینے کے بعد مصر آئے تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے انہیں تاکید کی کہ دوبارہ غلہ لینے کے لیے آؤ تو اپنے بھائی بنیامین کو لازماً ساتھ لانا ورنہ غلہ لینے کے لیے میرے قریب بھی نہ آنا۔ بیٹوں نے سیدنا یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو ساتھ لے جانے کی مجبوری کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کیا میں تم پر اعتبار کروں تم اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں کیا کر چکے ہو؟ پھر فرمایا:

لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ (یوسف:66)

میں تمہارے ساتھ بنیامین کو ہرگز نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ کو گواہ بنا کر عہد دو کہ تم اسے میرے پاس واپس لاؤ گے مگر اس صورت میں کہ تم سب کے سب کسی مصیبت میں گھر جاؤ۔

جب بیٹوں نے پختہ وعدہ اور عہد دے دیا تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (یوسف:66)

اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے۔

بیٹے جانے لگے تو انہیں اپنے خیال کے مطابق ایک تدبیر بتائی کہ مصر میں ایک دروازے سے سب اکٹھے ہو کر داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے الگ الگ ہو کر داخل ہونا۔۔۔۔سیدنا یعقوب علیہ السلام نے یہ تدبیر کیوں بتائی؟ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر خوب تحریر فرمایا:

"سیدنا یعقوب علیہ السلام کو خیال گذرا کہ ایک باپ کے گیارہ وجیہ اور خوش رو بیٹوں کا خاص شان سے ہیئت اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اس برتاؤ کے بعد جو سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے تھے ایسی چیز ہے جس کی طرف عام نگاہیں ضرور اٹھیں گی، "اَلْعَيْنُ حَقٌّ" نظر لگ جانا ایک حقیقت ہے اور آج کل مسمریزم

کے عجائبات تو عموماً اسی قوت نگاہ کے کرشمے ہیں، یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ مکروہات سے بچانے کے لیے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی۔''

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو یہ تدبیر بتاتے ہوئے ساتھ ہی فرمایا:

وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (یوسف:67)

اور میں تمہیں اللہ کی کسی بات سے بچا نہیں سکتا حکم تو اسی اللہ ہی کا چلتا ہے اسی کی ذات پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

امام الانبیاء ﷺ کو توکل علی اللہ کا حکم

مشرکین نے ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ کو صلح کی پیشکش کی اس شرط پر کہ آپ ہمارے معبودوں کو شفیع غالب (یعنی اللہ ان کی بات کو رد نہیں کرتا) مان لیں، اللہ رب العزت نے سورت الاحزاب کی ابتداء میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (1) وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (الاحزاب:2-1)

اے میرے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیے اور کفار و منافقین کی بات نہ مانیئے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ہے آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف جاتی ہے یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

آگے فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (الاحزاب:3)

اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

ان آیات کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب لکھا ہے:

''یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہنا نہ مانیے، یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا (جماعت) بنا

لیں۔۔۔ سازشیں کریں۔۔۔ جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں۔۔۔ عیارانہ مشورے دیں۔۔۔ اپنی طرف جھکانا چاہئیں۔۔۔آپ کسی کی کچھ پرواہ نہ کیجیے اور اللہ کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجیے، اسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے، اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ مانیے، اللہ سب احوال جاننے والا ہے۔

وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا اسی میں تمہاری بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اسی پر بھروسہ رکھو گے تو وہ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنادے گا، اس کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا، دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے، لیکن: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ

"اللہ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔"

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کیا فرمایا، ذرا سنیے!

"کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے اس سے زیادہ دانا کون؟"

غزوۂ احد میں ایک درّہ پر پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کھڑا کیا گیا، ان کی اجتہادی خطا کی بنا پر مسلمانوں کو بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا، اللہ رب العزت نے ان کی لغزش کو معاف فرمادیا اور پھر نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے فَاعْفُ عَنْهُمْ۔۔۔ آپ بھی انہیں معاف کر دیں (جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی غلطی کی بنا پر نقصان ہوا تھا اللہ کے دین کا یا نقصان ہوا تھا امام الانبیاء ﷺ کا۔۔۔ انہوں نے تو انہیں معاف کر دیا ہے، تمہارا تو صحابہ نے نقصان بھی کوئی نہیں کیا پھر تم انہیں معاف کیوں نہیں کرتے ہو)

ساتھ ہی حکم دیا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔۔۔اور اہم امور میں ان سے مشورہ بھی لیا کرو۔۔۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ۔۔۔ پھر جب کسی معاملہ میں قصد وارادہ کرلیں تو بھروسہ اور توکل اللہ پر کیجیے کیونکہ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔۔۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران:159)

اللہ تعالیٰ نے سورت الفرقان میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَى بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا (الفرقان:58)

اور بھروسہ کراس زندہ پر جس پر موت نہیں آئے گی اور اس کی خوبیوں کو یاد کراور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار کافی ہے۔

سورت النمل میں ارشاد ہوا:

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ (النمل:79)

پس آپ بھروسہ رکھیں اللہ پر یقینا آپ صحیح کھلے راستے پر ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فرمایا:

"یعنی آپ کسی کے اختلاف وتکذیب سے متاثر نہ ہوں اللہ پر بھروسہ رکھ کر کے اپنا کام کیے جائیں، جب صحیح اور صاف راستے پر آپ چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں، آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور اللہ کیلئے پر بھروسہ رکھے پھر اسے کیا غم ہے؟"

سورت المزمل میں اللہ رب العزت نے پہلے اپنی صفات کا ذکر فرمایا۔۔۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔۔۔ وہی مالک ہے مشرق اور مغرب کا۔۔۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔۔۔ اس کائنات میں اس کے علاوہ الٰہ اور معبود کوئی نہیں۔۔۔ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزمل: 9)۔۔۔ پس اسی کو کارساز بنالیں۔۔۔ یعنی کارساز اور کام بنانے والا وہی ہونا چاہیے جو مالک اور رب ہو۔۔۔ کارساز بننے کے لائق وہی ہونا چاہیے جو ساری کائنات کا معبود ہو۔۔۔ جب مشرق ومغرب کا مالک اور مربی وہی ہے اور جب الٰہ صرف وہی ہے تو پھر

کارساز بھی صرف وہی ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا توکّل کس پر تھا؟

غزوۂ احد سے واپسی پر کفار مکہ کے لشکر کے سالار ابوسفیان کو خیال آیا کہ ہم نے واپسی کا راستہ جلد بازی میں اختیار کرلیا ہے، زخم خوردہ اور مصائب میں گرفتار مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر ہمیں نہیں جانا چاہیے تھا بلکہ ان کا مکمل صفایا کر دینا چاہیے تھا، انہوں نے مشورے میں طے کیا واپس جاکر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہیے، مشرکین نے ایک قافلہ کے ذریعہ دھمکی آمیز پیغام بھی بھیجا کہ ہم پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ آرہے ہیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کو اطلاع پہنچی تو فیصلہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ مشرکین ہم پر حملہ آور ہوں ہم آگے بڑھ کر ان سے دو، دو ہاتھ کرلیں۔۔۔ اصحاب رسول جو تھکے ہوئے بھی تھے، زخم خوردہ بھی، غمگین بھی۔۔۔ ستر صحابہ شہید ہوچکے تھے، کئی ایک زخمی بھی تھے۔۔۔ مگر کسی ایک صحابی نے بھی بے دلی کا اظہار نہیں کیا اور آپ کی پکار پر لبیک کہنے سے گریز نہیں کیا۔۔۔ قرآن کریم کہتا ہے جب اصحاب رسول کو ابوسفیان اور لشکر کفار کی اطلاع ملی۔۔۔ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا۔۔۔ یہ اطلاع سن کر ان کا ایمان بڑھ گیا اور وہ کہنے لگے۔۔۔ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران:173)۔۔۔ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔

یعنی پوری دنیا ہماری مخالفت میں کمربستہ ہوجائے، مشرق و مغرب کے کفار متحد ہو کر حملہ آور ہونا چاہیں ہمیں کوئی پرواہ نہیں، پوری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا اللہ ہی ہمیں کافی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ جنگ احد کے دن ابوسفیان نے اعلان اور چیلنج کیا تھا کہ آئندہ برس میدان بدر میں پھر لڑائی اور جنگ ہوگی، نبی اکرم ﷺ نے اس چیلنج کو قبول فرمایا تھا۔۔۔ اگلے سال اعلان اور چیلنج کے مطابق آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ جہاد کے لیے نکلو، اگر تم میں سے کوئی بھی نہیں جائے گا تب بھی اللہ کا رسول اکیلا اور تنہا

مقابلے کے لیے جائے گا۔۔۔اُدھر اعلان کے مطابق ابوسفیان بھی لشکر لے کر بدر کی جانب نکلا، کچھ دور ہی اس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی، حوصلہ جواب دیا گیا، بزدلی نے آگھیرا اور مسلمانوں کا رعب اس پر چھا گیا، قحط سالی کا بہانہ بنا کر واپس بھی جانا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ بزدلی اور میدانِ بدر میں نہ آنے کا الزام مجھ پر نہ لگے بلکہ تمام تر الزام مسلمانوں پر پڑے۔

عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ بغرض تجارت مدینہ آرہا تھا انہیں کچھ دے دلا کر آمادہ کیا کہ مدینہ پہنچ کر اپنی طرف سے ایسی خبریں مشہور کر دینا کہ مکہ والے ایک بہت بڑا لشکر لے کر آرہے ہیں جن کے پاس وسائل اور اسباب کی کمی نہیں، ہر طرح سے مسلح ہیں، ایسا لشکر جو مخالفین کی سرکوبی کے لیے کافی ہے۔

اس قافلہ کی ایسی خبریں سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس کی جگہ جوشِ ایمان مزید بڑھ گیا اور ان کی زبانوں پر یہ کلمات مچلنے لگے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔۔۔ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا اللہ ہی ہمیں کافی ہے وہی خوب کارساز ہے۔

مسلمانوں کا یہ لشکر حسب وعدہ بدر کے میدان میں پہنچا اور سارے راستے ان کی زبانوں پر یہی مبارک کلمات جاری رہے۔۔۔حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

امام الانبیاء ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو دعوتِ توحید دی، انہیں غیر اللہ کی عبادت اور پکار سے روکا، ان کے معبودوں کی بے بسی اور کمزوری کا ذکر فرمایا کہ وہ سب مل کر ایک مکھی بنانے سے قاصر ہیں، مکھی ان سے کچھ چیز چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے اپنا نقصان واپس نہیں لے سکتے۔

ان کے معبود کھجور کی گٹھلی کے اوپر لپٹے ہوئے پردے کے بھی مالک نہیں ہیں، وہ ان کی پکاریں سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔۔۔مشرکین دعوتِ توحید کو برداشت نہ کر سکے اور سیخ پا ہوتے، پھر انہوں نے آپ کو زچ اور تنگ کرنے کا ہر حربہ استعمال کیا۔۔۔جسمانی

مار۔۔۔ بدن لہولہان۔۔۔ گلے میں رسیاں۔۔۔ پاؤں میں کانٹے۔۔۔ پتھروں کی بارش۔۔۔ ذہنی اذیت الگ۔۔۔ فتوے۔۔۔ طعنے۔۔۔ پھبتیاں۔۔۔ الزام۔۔۔ کذاب ہے۔۔۔ مجنون ہے۔۔۔ ساحر ہے۔۔۔ شاعر ہے۔۔۔ یہ سب اساطیر الاولین ہیں۔۔۔ عداوت عروج پر اور دشمنی اپنی انتہا پر۔۔۔ چچا ابوطالب بھی نرمی کی تلقین کرنے والا۔۔۔ مشرکین مکہ کا مطالبہ۔۔۔ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ (یونس:15) کوئی ایسا قرآن لا جس میں منفی رنگ نہ ہو۔۔۔ تیرا قرآن تو ہمارے پلے کچھ نہیں چھوڑتا۔۔۔ ہمارے معبودوں کی بے بسی کو بیان کرتا ہے۔۔۔ پھر مشرکین کے عجیب عجیب مطالبے۔۔۔ تیرا مکان سونے کا ہونا چاہیے۔۔۔ تیرے باغات ہونے چاہئیں۔۔۔ تیرے ساتھ فرشتے اترنے چاہئیں۔۔۔ تیرے پاس خزانے ہونے چاہئیں۔

نبی اکرم ﷺ مشرکین کی اس روش اور رویے سے خاصے غمگین اور دلگیر ہوتے تھے، کبھی کبھی خیال آتا کہ ان کے فرمائشی معجزے دکھلا دیے جائیں تو شاید یہ بھی مسلمان ہو جائیں، اللہ رب العزت نے ایسے حالات میں یہ آیات نازل فرمائیں:

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَ ضَآىٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ (ہود:12)

پس شاید کہ آپ چھوڑنے والے میں کچھ حصہ اس وحی کا جو آپ کی طرف کی جاتی ہے (جس وحی میں مشرکین کے معبودانِ باطلہ کی بے بسی کا تذکرہ ہے) اور آپ کا سینہ ان کی اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ اس نبی پر خزانہ کیوں نہیں اترتا یا اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں آتا (میرے پیغمبر!) آپ تو آگاہ کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

یعنی آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ اترنے والی وحی کو لوگوں تک پہنچائیں، انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کریں، ہدایت عطا کرنا یہ آپ کے اختیار میں نہیں، یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کیونکہ ہر چیز پر وہی نگہبان ہے۔

سورت الانعام کی آیت نمبر 95 سے لے کر آیت نمبر 101 تک اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ اپنے خالق ہونے کا۔۔۔ محیی اور ممیت ہونے کا۔۔۔ اپنے تصرف کا۔۔۔اور قدرت کا تذکرہ فرمایا۔۔۔آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر کیا۔۔۔سورج اور چاند کے نظام کا تذکرہ فرمایا۔۔۔اپنے تصرف اور قدرت کے ساتھ ساتھ آخر میں اپنے علم کا تذکرہ فرمایا۔۔۔وھو بکل شئ علیم۔۔۔ان تمام صفات کو بیان کرنے کے بعد نتیجہ ذکر کیا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (الانعام:102)

(ان صفات سے متصف) یہی اللہ تمہارا پالنہار ہے (جب ہمہ کن اور ہمہ دان وہی ہے) تو پھر اس کے سوا معبود کوئی نہیں ہر چیز کا خالق وہی ہے اور ہر چیز پر کارساز اور نگہبان وہی ہے۔

سورت الزمر میں اسے دوسرے انداز سے بیان فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (62) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر:63-62)

اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے آسمانوں اور زمین کی (یعنی سب خزانوں کی) کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔

فرعون کے مظالم جب حد سے بڑھنے لگے اور بنی اسرائیل پریشان ہونے لگے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس:84)

اے میری قوم! اگر تم اللہ (کے احکام پر) ایمان لائے ہو اور اگر تم فرمانبردار ہو تو پھر اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

یہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے توکل کو اسلام اور ایمان کی شرط کے طور پر بیان

فرمایا ہے کہ ایک ایماندار بندے کا کام یہ نہیں کہ مصائب کی گھڑی میں ڈر جائے، خوف کھائے اور گھبرا جائے بلکہ فرمانبردار مومن کا کام ہے کہ اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ رکھے جسے اللہ رب العزت کی لامحدود قدرت اور بے انتہاء رحمت پر یقین ہوگا وہ یقیناً ہر معاملے میں اللہ ہی پر توکل اور اعتماد کرے گا۔

اسی حقیقت کو سورت الملک میں بیان فرمایا:

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (الملک:29)

آپ کہیں وہی رحمن ہے ہم نے اسی کو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا۔

یعنی جب ہمارا ایمان اس پر ہے جو رحمن ہے تو ایمان کی بدولت نجات یقینی ہے اور ہم صحیح معنوں میں اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ اور توکل رکھتے ہیں تو ہمارے مقاصد میں کامیابی بھی یقینی ہے۔

اسی بات کو سورت الطلاق میں بیان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:3)

جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

یعنی اللہ پر بھروسہ رکھو محض اسباب پر تکیہ مت کرو اللہ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں جو کام اس نے کرنا ہو وہ ہو کر رہتا ہے، اسباب بھی اس کی مشیت کے تابع ہیں، ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اس لیے اگر کسی چیز کے حاصل ہونے میں دیر ہو جائے تو متوکل شخص کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

اسی لیے سورت التوبہ کے آخر میں اللہ رب العزت نے نبی اکرم ﷺ کو یہی حکم دیا اور یہی دعا سکھلائی:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبہ:129)

(اتنا سمجھانے کے باوجود پھر بھی ایمان نہ لائیں) اور منہ پھیریں تو آپ کہیں مجھے میرا اللہ کافی ہے اس کے سوا معبود کوئی نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اگر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دلسوزی کی لوگ قدر نہ کریں تو کچھ پرواہ نہیں، اگر فرض کیجیے ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو اکیلا اللہ آپ کے لیے کافی ہے جس کے سوا کسی کی عبادت نہیں اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں ہو سکتا کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور عرشِ عظیم تختِ شہنشاہی کا مالک وہی ہے سب نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔"

ابوداؤد میں سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص صبح و شام سات، سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھا کرے اللہ اس کے تمام ہموم و غموم میں کافی ہو جائے گا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کفار نے آگ میں ڈالا تھا تو انہوں نے انہی کلمات کا ورد کیا تھا:۔۔۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔۔۔ اور امام الانبیاء ﷺ نے یہی کلمات اس وقت کہے تھے۔۔۔ جب لوگوں نے انہیں اطلاع دی تھی کہ کفار مکہ آپ سے لڑنے کے لیے، بہت سارے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔۔۔ ان سے ڈرو۔۔۔ اور میدان میں نہ نکلو۔۔۔ تو اس بات نے ان کے جوشِ ایمان کو زیادہ کر دیا۔۔۔ اور انہوں نے کہا:۔۔۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (بخاری، کتاب التفسیر قولہ اَمَنَةً نُّعَاسًا حدیث نمبر:4563)

سامعین گرامی قدر! میں نے اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْوَكِيْلُ پر اور توکل علی اللہ پر قرآن سے بہت سی آیات آپ کو سنائیں۔۔۔ میں چاہتا ہوں کہ آخر میں اسی اسم

گرامی کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے ایک دو ارشاد بھی آپ کے گوش گذار کردوں۔ ذرا توجہ سے سنیے!

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لِمَا اَدْبَرَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْهِ بِالْكَيْسِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقَالَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ فرمایا، جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا جب وہ واپس جانے کے لیے مڑا تو کہنے لگا حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ، نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ بیشک اللہ ملامت فرماتے ہیں حماقت اور بیوقوفی پر، تمہیں چاہیے کہ عقلمندی اور ہوشیاری سے کام کرو پھر جب تم کسی معاملے میں مغلوب ہو جاؤ تو یہ کہو حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔۔۔ مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً فَمَنِ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهٗ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک راہ ہے پھر جس نے اپنے دل کو تمام راہوں کے پیچھے لگا دیا تو اللہ پاک اس کی پرواہ نہ کرے گا کہ کون سے میدان میں اسے تباہ کرے، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اسے تمام میدانوں میں کافی ہو جائے گا۔

بیماریاں اور تنگدستی دور کرنے کے لیے نبوی نسخہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے

ہاتھ میں تھا، آپ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا، آپ نے پوچھا: تمہارا حال کیسے ہو گیا؟ اس شخص نے عرض کیا بیماری اور تنگدستی نے میرا یہ حال کر دیا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی، وہ کلمات یہ ہیں:

تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر آپ اس طرف تشریف لے گئے پھر اس کو اچھے حال میں پایا، آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا، اس نے عرض کیا: جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کلمات کو پڑھتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

باریک بین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:103)

سامعین گرامی قدر! آج جمعۃ المبارک کے خطبے میں میرا ارادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک مبارک نام اَلْخَبِیْرُ کا معنی ومفہوم بیان کروں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اَلْخَبِیْرُ اسے کہتے ہیں جو دنیا کی تمام اشیاء کی باریکیوں سے باخبر اور واقف ہو اور مخفی سے مخفی، حقیر سے حقیر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہ ہو، خشکی اور تری میں رہنے والی کوئی مخلوق، سمندروں کی تہہ میں چھپے لولو ومرجان اور ذرات، جنگلوں میں اگنے والے گھاس کے معمولی ٹکڑے بھی اس سے مخفی نہ ہوں۔

اَلْخَبِیْرُ وہ ہے جو سمندروں میں رہنے والے آبی جانوروں کی ایک ایک سانس اور ایک ایک حرکت سے باخبر ہو۔۔۔۔ ریت کے ٹیلوں میں ریت کا ایک ذرہ ذرہ ہوا اور آندھی سے ہلتا ہے وہ اس سے واقف ہو۔۔۔ پت جھڑ کے موسم میں درختوں سے گرنے والا ایک ایک پتہ اس کے علم میں ہو۔۔۔ حشرات الارض۔۔۔ کیڑے مکوڑے۔۔۔

مکھیاں۔۔۔ مچھر۔۔۔ چیونٹیاں۔۔۔ ان سب کی حرکات وسکنات سے باخبر ہو۔۔۔

اَلْخَبِیْرُ وہ ہے جو ہر جاندار کے رہنے کی جگہ سے بھی واقف ہو اور اس سے بھی باخبر ہو کہ مرنے کے بعد اس نے کہاں رہنا اور جانا ہے۔لوگوں کے دلوں کے راز اور بھید بھی اس سے مخفی نہ ہوں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اَلْخَبِیْرُ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْخَبِیْرُ الَّذِیْ لَا تَعْزُبُ عَنْهُ الْاَخْبَارُ الْبَاطِنَةُ

اَلْخَبِیْرُ وہ ذات ہے جس سے کوئی مخفی بات بھی چھپی ہوئی نہ ہو۔۔۔وَلَا یَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ وَلَا یَسْكُنُ وَلَا یَضْطَرِبُ نَفْسٌ وَلَا یَطْمَئِنُّ اِلَّا وَیَكُوْنُ عِنْدَهٗ خَبَرٌ۔۔۔کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا اور نہ ٹھہرتا ہے اور کوئی شخص پریشان ہوتا ہے یا مطمئن ہوتا ہے تو اَلْخَبِیْرُ کو ان سب چیزوں کی خبر ہوتی ہے۔

اَلْخَبِیْرُ کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر اب اس نصیحت کو سنیے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھی جس نصیحت کو اللہ رب العزت نے قرآن بنا کر نازل فرمایا۔۔۔لیکن اس نصیحت کے بیان کرنے سے پہلے ذرا اس نصیحت کو بھی سن لیجیے جو حضرت لقمان نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو فرمائی۔

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔۔۔ پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ کرنا۔۔کیونکہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔۔شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔(لقمان:13)

ہر کبیرہ سے کبیرہ گناہ ظلم ہے۔۔۔زنا، چوری، ڈاکہ زنی، قتل کرنا، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ وغیرہ سب ظلم ہیں مگر شرک صرف ظلم نہیں ظلم عظیم ہے۔

شرک نا قابل معافی جرم ہے۔۔۔بغیر توبہ کیے مر گیا تو بخشش کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔۔۔چاہے نبی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔چاہے نبی کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔۔۔چاہے نبی کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔۔۔اور چاہے نبی کا چچا ہی کیوں نہ ہو۔

شرک اعمالِ صالحہ کے لیے زہر قاتل ہے۔۔۔۔۔شرک کے ارتکاب سے سب اعمالِ صالحہ برباد ہو جاتے ہیں۔ مشرک شخص قیامت کے دن امام الانبیاء ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔۔۔۔۔۔ ہر گنہگار کا جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے مگر مشرک کے لیے دعاءِ مغفرت کرنے سے قرآن نے منع فرما دیا۔۔۔مشرک کا صرف ایک ہی علاج ہے اس دنیا میں مرنے سے پہلے توبہ کر لے اور توحید پر کاربند ہو جائے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔۔۔اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز (اللہ کی نافرمانی والا کام یا اچھائی اور برائی کی خصلت) رائی کے دانے کے برابر ہو (رائی کا دانہ اتنا معمولی اور حقیر اور چھوٹا ہوتا ہے جس کا وزن محسوس نہیں ہوتا نہ وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا سکتا ہے) پھر وہ دانہ کسی پتھر کے نیچے ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔۔۔اللہ اسے (عامل کے سامنے) ضرور لائے گا۔

اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ۔۔۔اللہ بڑا باریک بین خبردار ہے۔

اس لیے بندے کو چاہیے کہ کوئی عمل اور فعل کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھے اور اسے کبھی فراموش نہ کرے کہ ہزارہا پردوں میں چھپ کر بھی جو کام کیا جائے وہ اللہ کی نگاہوں میں ہے۔۔۔اللہ اس سے واقف ہے اَلْخَبِیْرُ کو اس کی خبر ہے چنانچہ کوئی نیکی کا کام یا بدی کا عمل جتنا بھی چھپ کر کیا جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

قرآن کریم میں اٹھائیسویں پارہ کی آخری سورت۔۔۔سورت التحریم کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (التحریم:1)

اے میرے نبی! آپ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی میں اس چیز کو کیوں حرام ٹھہرا

لیا جو اللہ نے تمہارے لیے حلال (جائز) کی ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ
(التحریم:2)

اللہ نے تمہاری (غیر مشروع) قسموں کا توڑ دینا تم پر فرض کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے وہی پورے علم والا حکمت والا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا تھا وہ کیا چیز تھی جس پر اللہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اس میں مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

زیادہ مشہور وہ روایت ہے جسے بخاری اور مسلم نے نقل فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد ازواج مطہرات کی خبر گیری کے لیے ان کے حجروں میں تشریف لے جاتے تھے۔۔۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کہیں سے شہد آ گیا۔۔۔ وہ آپ کو شہد پیش کرتیں اور آپ شہد نوش فرماتے تھے، اس طرح ان کے ہاں آپ کا قیام کچھ طویل ہو جاتا۔۔۔ بشری تقاضا کے مطابق سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے محسوس کیا۔۔۔ ہر بیوی کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ آپ کی مبارک صحبت کے سعید لمحات انہیں زیادہ نصیب ہوں۔۔۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے (مغافیر ایک خاص بوٹی کا نام ہے جس سے شہد کی مکھیاں شہد لیتی ہیں اگرچہ اس میں ناگوار بو نہیں ہوتی مگر کچھ لوگ مغافیر کی بو کو پسند نہیں کرتے)

نبی اکرم ﷺ چونکہ لطیف المزاج تھے اس وجہ سے آپ نے قسم اٹھائی کہ آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ (بخاری، تفسیر سورت التحریم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حرم میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جن کے بطن سے اللہ نے آپ کو ایک بیٹا ابراہیم عطا فرمایا تھا۔۔۔ ایک مرتبہ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئیں تو سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

گھر پر موجود نہیں تھیں۔۔۔۔۔ اتفاق سے انہی کی موجودگی میں سیدہ حفصہ آگئیں اور ماریہ قبطیہ کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خلوت میں اپنے گھر دیکھ لیا۔۔۔ بشری تقاضا کے مطابق انہیں یہ بات انتہائی ناگوار گزری، نبی اکرم ﷺ نے بھی سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پریشانی اور دکھ کو محسوس فرمایا تو آپ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلجوئی کے لیے قسم اٹھائی کہ ماریہ قبطیہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ (نسائی:83)

شہد والا واقعہ ہو یا سیدہ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والا واقعہ ہو دونوں میں آپ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاکید فرمائی تھی کہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (التحریم:1)

آپ نے اس چیز کو کیوں حرام ٹھہرالیا جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔

(سامعین گرامی قدر! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر بھی نہیں تھے اور آپ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں وہ حضرات ضد و عناد سے ہٹ کر غور فرمائیں جو نبی اکرم ﷺ کو مختار کل ثابت کرنے کے لیے معجزات کا سہارا لیتے ہیں)

آیت نمبر 3 میں ارشاد ہوا:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

اور جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی۔

مفسرین نے اس واقعہ کو شہد والے واقعہ یا ماریہ قبطیہ والے واقعہ سے متعلق مانا ہے۔۔۔ مگر عربی قواعد کا لحاظ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "وَاِذْ" سے بالعموم کسی دوسرے مستقل واقعہ کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنی اہلیہ سے راز کی کونسی بات کی تھی؟ اور راز کی یہ بات کس بیوی سے کہی تھی؟ بلکہ اسے پردہ میں رکھا۔۔۔۔اس لیے ہمیں بھی مناسب نہیں کہ ہم اس راز والی بات کی کھوج لگاتے پھریں۔۔۔۔نبی اکرم ﷺ کی ازواج ہماری مائیں ہیں اور بیٹوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی ماں اور باپ کے درمیان رازوں کا کھوج لگاتے پھریں۔

راز کی وہ بات آپ نے جس اہلیہ محترمہ سے کی تھی اور اسے رازدار بنایا تھا انہوں نے راز کی یہ بات کسی دوسری بیوی کو بتا دی اگرچہ قرآن نے میری اس ماں کا نام ذکر نہیں کیا جس نے راز کی یہ بات ظاہر کردی اور جس پر ظاہر کی اس کا نام بھی نہیں بتایا۔۔۔مگر اتنی حقیقت واضح ہے کہ معاملہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے درمیان ہی میں رہا۔۔۔کسی غیر کے آگے راز ظاہر نہیں کیا گیا۔۔۔محدثین ومفسرین نے اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام لیے ہیں۔۔۔اگر ان کی یہ بات تسلیم کرلی جائے تو پھر یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ان دونوں کے باہمی تعلقات ایسے خوشگوار تھے کہ آپس میں اہم رازوں کے معاملے میں بھی کوئی پردہ نہ تھا۔

اس افشاء راز سے اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مطلع اور باخبر کر دیا، آپ نے اپنی اس اہلیہ کو توجہ دلائی تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھا:

مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا۔۔۔اس کی خبر آپ کو کس نے دی؟

(یہاں ایک لحہ کے لیے ٹھہریئے! میں ایک مسئلہ آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں اور اس مقام پر سمجھاؤں گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ سمجھ آجائے گا۔ جب آپ نے اپنی زوجۂ محترمہ سے فرمایا کہ راز کی یہ بات کسی کے آگے نہیں کرنی۔۔۔۔پھر اس اہلیہ نے وہ بات دوسری بیوی کے آگے ظاہر کردی۔۔۔تو کیا اس زوجۂ محترمہ کا عقیدہ اور نظریہ۔۔۔یہ تھا کہ امام الانبیاء ﷺ عالم الغیب اور حاضر وناظر ہیں؟ آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہماری گفتگو کو سن رہے ہیں؟ اگر ان کا یہ نظریہ ہوتا تو راز کی بات کسی کے آگے کرتیں؟ پھر آپ نے

تو جدلائی تو حیران ہو کر پوچھتی ہیں مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا ۔۔۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ پھر نبی اکرم ﷺ جواب میں نہیں فرماتے کہ میں عالم الغیب ہوں ۔۔۔ میں ہر جگہ موجود ہوتا ہوں ۔۔۔ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے ۔۔۔ میں تمہاری گفتگو کو سن رہا تھا ۔۔۔ میں تمہارے پاس موجود تھا ۔۔۔ یہ نہیں فرمایا بلکہ جواب میں فرمایا نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۔۔۔ سب کچھ جاننے والے اور پھر پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے بتا دیا ہے۔

سورت فاطر میں اللہ رب العزت نے آیت نمبر 9 سے لے کر آیت نمبر 13 تک اپنی مختلف صفات کا اور گوں نا گوں اوصاف کا تذکرہ فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۔۔۔ ان صفات اور اوصاف کا مالک اللہ تمہارا پالنہار اور تمہاری ضروریات کو پورا کرنے والا ہے، اسی کی بادشاہی اور اسی کا پوری کائنات میں راج ہے

پھر اللہ رب العزت نے فوراً منفی رنگ اختیار کر لیا ۔۔۔ جب تک منفی رنگ میں توحید نہ بیان کی جائے تب تک مسئلہ واضح نہیں ہوتا، ساری زندگی مثبت رنگ میں اللہ کے اوصاف کا تذکرہ کرتے رہو کسی مشرک کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر مشرک اللہ کی ذات وصفات کو تو تسلیم کرتا ہے مگر جونہی منفی رنگ میں توحید بیان ہو گی ۔۔۔ کہا جائے گا کہ اللہ ہی عالم الغیب ہے اور اللہ کے سوا عالم الغیب کوئی نہیں ۔۔۔ اللہ کے سوا مختار کل، مشکل کشا، حاجت روا اور کوئی نہیں ۔۔۔ اسی وقت مشرک شخص کے تیور بدل جائیں گے ۔۔۔ آنکھیں سرخ ہو جائیں گی ۔۔۔ منہ سے جھاگ بہنے لگے گی ۔۔۔ پھر فتووں کی بوچھاڑ ہو گی ۔۔۔ طعن و تشنیع کا بازار گرم ہو جائے گا ۔۔۔ نبیوں ولیوں کے گستاخ ہونے کے طعنے دیئے جائیں گے۔

ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۔۔۔ میں تو ہر چیز کا

مالک اور مختار ہوں۔۔۔زمین و آسمان کی ہر ہر چیز کا مالک میں ہوں۔۔۔اور جن جن کو میرے سوا حاجات اور مشکلات میں تم پکارتے ہو مالک ومختار سمجھ کر انہیں صدائیں لگاتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو ایک باریک سا پردہ ہے وہ اس پردے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ کتنا بے قیمت، معمولی اور حقیر پردہ ہے جس کی ذرہ برابر قیمت نہیں، ہم نے تو گٹھلی پر اس لیے چڑھایا تاکہ گٹھلی کی کھٹاس کھجور کی مٹھاس کی طرف نہ چلی جائے۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں عجیب بات فرماتے ہیں کہ میت کو گٹھلی کی طرح سمجھ لو۔۔۔ کھجور کو قبر کی طرح سمجھ لو۔۔۔اور پردے کو کفن کی طرح سمجھ لو۔۔۔ میرے سوا جن جن کو تم مالک اور مختار سمجھ کر حاجات میں پکارتے ہو وہ تو اپنے کفن کے بھی مالک نہیں ہیں۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۔۔۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکاریں نہیں سنتے۔۔۔ دور سے پکارو تب نہیں سنتے۔۔۔ قبر کے اوپر کھڑے ہو کر پکارو تب بھی نہیں سنتے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۔۔۔ جن کو تم پکار رہے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔

اس جملے پر ذرا غور فرمایئے! دو مسئلے اس سے واضح ہو رہے ہیں۔۔۔ ایک یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو اس عقیدہ سے پکارنا کہ وہ بغیر وسائل کے میری پکار کو سن رہا ہے اسے اس جملے نے شرک سے تعبیر کیا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہاں جن کو پکارنے کا ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد صرف یہ پتھر کے بت اور مورتیاں نہیں بلکہ انبیاء واولیاء اور نیک بندے ہیں۔۔۔ ورنہ پتھر کی مورتیوں نے ان کی پکار سے کیسے انکار کرنا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا۔۔۔ اور اسی جملے کے لیے پوری آیت بیان ہوئی: وَلَا

يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۔۔۔اور تجھے اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا۔۔۔میں چونکہ اَلْخَبِيْرُ ہوں۔۔۔میرا علم کامل ہے، تمام امور کی حقیقت سے میں باخبر ہوں۔۔۔میں تجھے بتلا رہا ہوں کہ تیرے مزعومہ مشکل کشا مالک بھی نہیں اور تیری پکار کو سنتے بھی نہیں اور ان کو پکارنا شرک ہے اور قیامت کے دن وہ تیرے شرک کا انکار کردیں گے)

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اپنی صفت اَلْخَبِيْرُ کا تذکرہ کرنے سے پہلے اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا، اور پھر ارشاد ہوا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:103)

اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔

اگر رؤیت سے مراد یہاں رؤیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہوگا یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی بھی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ہاں متواتر احادیث اور مستند روایات سے ثابت ہے اور امت کے علماء کا اتفاق ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ کو دیکھیں گے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر فرمایا:

آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے ہاں وہ خود از راہ تلطف و کرم اپنے آپ کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دے گا مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مراتب رؤیت ہوگی جیسا کہ نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

آگے حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت اور دلربا بات تحریر فرمائی ہے۔

مفسرین سلف رحمہم اللہ میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معنی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، آخرت میں بھی رؤیت ہوگی احاطہ نہیں ہوگا ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار و مبصرات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔۔۔اس وقت ''لطیف'' کا

تعلق لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ سے ہوگا اور خبیر کا تعلق وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ سے ہوگا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال یہ ہے امام الانبیاء ﷺ نے سفر معراج میں اللہ کو نہیں دیکھا وہ اسی آیت سے اپنے موقف پر استدلال کرتی ہیں بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں بڑے وثوق سے فرمایا کہ جس شخص نے دعویٰ کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں اللہ کی زیارت کی ہے اس نے جھوٹ بولا۔

(بخاری، کتاب التفسیر سورت الانعام)

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی عمدہ بات فرمائی کہ اس دنیا میں اللہ کی ذات محض اس کی صفات سے معلوم ہوتی ہے دیکھی نہیں جاسکتی اسی لیے اس آیت سے پہلے پوری سورت الانعام میں اللہ رب العزت نے اپنی صفات کو بیان فرمایا۔

سورت الحج میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت الْخَبِيرُ کا تذکرہ یوں فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ (الحج:63)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر زمین سرسبز ہوجاتی ہے بیشک اللہ باریک بین اور باخبر ہے۔

سورت الشوریٰ میں اپنی صفت الْخَبِيرُ کو اس طرح ذکر فرمایا:

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ ۔۔۔ اگر اللہ اپنے سب بندوں پر روزی کشادہ کردیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کرتے۔

(یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو یکساں روزی اور وسائل عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ کوئی شخص دوسرے کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر وفساد اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتا جس کی وجہ سے زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی ۔۔۔ اس لیے ہر

ایک کو فراخ روزی عطا نہیں کی)

وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (الشوریٰ: 27)

لیکن وہ جو کچھ چاہتا ہے اندازے سے اتارتا ہے (کیونکہ) وہ اپنے بندوں سے پورا پورا خبردار اور خوب دیکھنے والا ہے۔

حضرات گرامی قدر! اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اَلْخَبِیْرُ سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ اللہ رب العزت ہی کو اپنے حالات کی خبر رکھنے والا سمجھیں۔۔۔ اور اللہ کریم کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کے بارے میں یہ عقیدہ اور نظریہ نہ رکھے کہ اسے دنیا کی ہر چیز کی خبر ہے یا میری حرکات وسکنات کی خبر ہے یا میری نذر و نیاز اور منت کی خبر ہے۔

اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں، دل میں پیدا ہونے والے گندے ارادوں تک سے بچنے کی سعی کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ جو اَلْخَبِیْرُ ہے وہ میرے دل کے وسوسوں تک سے باخبر ہے اور میری ہر ہر حرکت سے واقف ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

توبہ کی توفیق دینے والا۔۔۔توبہ قبول کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:37)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعہ میں۔۔۔اللہ رب العزت کے ایک انتہائی معروف نام اَلتَّوَّابُ کا معنی اور مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔اللہ رب العزت اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلتَّوَّابُ کے دو معنی ہیں۔۔۔ایک معنی ہے وہ ذات جو بندے کو توبہ کی توفیق مرحمت فرماتی ہے اور دوسرا معنی ہے بندے کی توبہ کو قبول کرتی ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنی کیے ہیں:

اَلتَّوَّابُ هُوَ الَّذِيْ يَتُوْبُ عَلٰى عَبْدِهٖ وَيَقْبَلُ تَوْبَتَهٗ

اَلتَّوَّابُ وہ ہستی ہے جو بندے کو توبہ کی توفیق دیتی ہے اور توبہ قبول بھی فرماتی ہے۔

توبہ کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا یعنی پھرنا۔۔۔جب توبہ کی نسبت بندوں کی

طرف ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے گناہ سے پھرنا۔۔۔ معصیت سے پھرنا۔۔۔ یعنی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا۔۔۔ اور جب توبہ کی نسبت اللہ کی جانب ہو تو معنی ہوتا ہے عذاب دینے سے مغفرت کی طرف رجوع کرنا۔۔۔ غضب اور غصے سے رحمت و مہربانی کی طرف پھرنا۔۔۔ یعنی بندے کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمانا۔

میں اس کی کچھ وضاحت کر دیتا ہوں۔۔۔ جب کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ رب العزت اس کو توبہ کے اسباب مہیا کرتا ہے۔۔۔ پھر اسے توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔۔۔ بندے کو گناہ کی سزا سے ڈر کر۔۔۔ گناہوں پر عذاب کا خوف دلا کر۔۔۔ اور قیامت میں اپنے حضور پیشی کا یقین دلا کر۔۔۔ قیامت کا ڈر دل میں پیدا کر کے بندے کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے۔

اس کے دل و دماغ میں اور قلب و شعور میں اپنے گناہوں اور جرموں کا احساس پیدا کرتا ہے۔۔۔ گناہوں پر ندامت و شرمندگی کی توفیق دیتا ہے۔۔۔ پھر بندہ توبہ و ندامت کے ساتھ اپنے مہربان مولا کی طرف رجوع کرتا ہے۔۔۔ پھر اَلتَّوَّابُ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت کے ساتھ اس بندے پر متوجہ ہوتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔

ثابت یہ ہوا کہ اللہ رب العزت کی توبہ یعنی اپنی رحمت کے ساتھ گنہگار بندے پر متوجہ ہونا۔۔۔ اور اسے توبہ کی توفیق عطا فرمانا۔۔۔ یہ بندے کی توبہ پر مقدم ہوتی ہے۔۔۔ اگر اللہ رب العزت گنہگار بندے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اسے توبہ کی توفیق نہ بخشے تو بندہ کیسے توبہ کر سکتا ہے؟

اسی حقیقت کو قرآن نے کئی مقامات پر ذکر فرمایا۔۔۔ ان میں سے ایک اور مقام کی سیر میں آپ کو کرانا چاہتا ہوں۔

غزوۂ تبوک کو قرآن نے ساعۃ العسرہ سے تعبیر فرمایا اور اسی مناسبت سے اسے جیش العسرہ یعنی (تنگی کا لشکر) کہا جاتا ہے اس میں کئی طرح کی مشکلات اور سختیاں جمع ہو

گئی تھیں۔۔۔ سخت گرمی کا موسم۔۔۔ طویل مسافت۔۔۔ کھجوریں پکی ہوئیں۔۔۔ (پوری معیشت کا دارومدار کھجور پر تھا) پیشہ ور فوج سے مقابلہ اور اس وقت کی سپر طاقت سے جنگ۔۔۔ پھر ظاہری بے سروسامانی۔۔۔ سواریوں کی کمی۔۔۔ پانی کا فقدان۔۔۔ ایک کھجور روزانہ دو سپاہیوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔۔۔ آخر میں نوبت بایں جارسید کہ بہت سے مجاہدین ایک کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے۔

(سامعین گرامی قدر! اصحاب رسول کا یہی وہ جذبۂ ایثار وفدا کاری تھا اور دین کے لیے قربانی کا ولولہ تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو دنیا کی تمام اقوام پر غالب کردیا)

غزوۂ تبوک کا اعلان ہوا تو اکثر صحابہ بغیر کسی لیت ولعل اور غفلت کے فوراً تیار ہو گئے۔۔۔ کچھ معمولی تردد کے بعد چل نکلے۔۔۔ کچھ باوجود مخلص مومن ہونے کے آج نکلتے ہیں اور کل نکلتے ہیں کی سوچ میں بدون عذر شرعی تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔۔۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا۔۔۔ اور قسم کھائی کہ جب تک نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے مبارک ہاتھوں سے نہیں کھولیں گے اسی طرح بندھے رہیں گے۔۔۔ آپ نے فرمایا جب تک میرا اللہ مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہیں دے گا میں ان کو نہیں کھول سکتا۔۔۔ یہ تقریباً پانچ یا سات صحابہ تھے جن میں سیدنا ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔

تین صحابہ ایسے تھے (سیدنا کعب بن مالک، سیدنا ہلال بن امیہ، سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ نہیں باندھا۔۔۔ مگر آپ کی تشریف آوری پر حقیقت پر مبنی اور سچی بات آپ کے سامنے بیان کی کہ ہمارے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں۔۔۔ ہم مجرم ہیں آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں ہمارے حق میں دے دیں آپ نے فرمایا جاؤ اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

(اس واقعہ کی تفصیل سورت التوبہ آیت نمبر 118 کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ

شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمائی، صاحب ذوق حضرات وہاں پڑھ لیں)

ان پانچ آدمیوں کی توبہ قبول ہوگئی جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا (التوبہ:102)

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے۔ کچھ اچھے اور کچھ برے (مثلاً دل سے توبہ کرنا، اپنے فعل پر نادم ہونا، نماز، روزہ، حج، زکوۃ دوسرے غزوات میں شرکت اور برے عمل سے مراد تبوک سے غیر حاضری)

اللہ سے امید ہے کہ ان پر توجہ فرمائے بیشک اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

یہاں يَتُوبَ عَلَيْهِمْ میں توبہ سے مراد۔۔۔ توجہ فرماتا ہے کہ اللہ انہیں معاف فرمادے۔

آیت نمبر 118 میں تین صحابہ کی توبہ کی قبولیت کا تذکرہ ہے۔۔۔ مگر بڑے عجب انداز میں اس کو ذکر فرمایا۔ آیت نمبر 117 میں نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین و انصار کی توبہ ذکر فرمایا۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبہ:117)

اللہ نبی کے حال پر مہربان ہوا اور مہاجرین و انصار پر بھی (درجات کی بلندی مراد ہے اور مہاجرین و انصار پر متوجہ ہونے سے مراد انہیں ایمان و عرفان سے سرفراز کرنا پھر ایسے مشکلات حالات میں اللہ نے ان کی دستگیری فرمائی انہیں ہر قسم کے خطرات وساوس پہ عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور ان کی ہمتوں کو مزید مضبوط کر دیا) جنہوں نے تنگی کے وقت

پیغمبر کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی بیشک اللہ ان سب پر بہت ہی شفیق و مہربان ہے۔

اگلی آیت میں ان تین صحابہ کا تذکرہ ہوا جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا تھا اور پچاس دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ:118)

اور ان تین شخصوں پر بھی اللہ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی کشادگی کے ان پر تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے غصے سے کہیں بھی پناہ نہیں بجز اسی کے (کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے) پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات کریمہ سے واضح ہوا کہ توبہ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو مہربانی کرنے، متوجہ ہونے اور توبہ کی توفیق کرنے کا معنی ہوتا ہے اور توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو معنی ہوتا ہے اللہ کی طرف رجوع کرنا، گناہوں سے پھر کر اطاعت کی طرف آنا اور اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگنا۔

بعض علماء نے کہا ہے:

سَمَّى اللَّهُ نَفْسَهُ تَوَّابًا لِأَنَّهُ خَالِقُ التَّوْبَةِ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَمُيَسِّرُ أَسْبَابِهَا لَهُمْ

اللہ نے اپنا نام تواب رکھا ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت اپنی مخلوق میں توبہ کا جذبہ پیدا فرماتے ہیں اور بندوں کو توبہ کے اسباب بھی مہیا کرتے ہیں۔

توبہ کے اس معنی کو قرآن کریم میں کئی جگہوں پر ذکر کیا گیا۔۔۔ سورت التوبہ کی آیت نمبر 118 میں آپ نے سامنے پڑھ چکا ہوں: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۔۔۔ پھر ان تین صحابہ کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ رجوع کریں۔

وَسَمّٰى اللّٰهُ نَفْسَهٗ تَوَّابًا لِقَبُوْلِهٖ تَوْبَةَ مَنْ يَّرْجِعُ اِلَيْهِ

اور اللہ نے اپنا نام تواب اس لیے بھی رکھا کہ جو اس کے آگے گڑگڑائے رجوع کرے اور توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول بھی کرتا ہے۔

سورت المائدہ میں ارشاد ہوا:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ:39)

جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام شیطان اور ابلیس کے وسوسے کا شکار ہوئے اور ممنوعہ درخت کا پھل کھا بیٹھے، جسم کا لباس اتر گیا۔۔۔ اور زمین پر بھیج دیئے گئے وہ توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے۔۔۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے اس کو راضی کرنے کے لیے چند کلمات سیکھے اور اللہ کے تعلیم کردہ کلمات ہی ان کی معافی کا سبب بن گئے۔

سورت البقرہ میں ارشاد ہوا: فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:37)

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

سامعین گرامی قدر! یہ کلمات کیا تھے؟ جو اَلتَّوَّابُ نے اپنی رحمت سے سیدنا آدم

علیہ السلام کو القا اور الہام کیے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

کچھ حضرات۔۔۔ اچھے بھلے تعلیم یافتہ۔۔۔ بہت سارے علماء بھی اور خاص کر کے واعظین اور خطباء یہاں ایک موضوع روایت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے عرشِ الٰہی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔۔۔ اور محمد عربی ﷺ کے وسیلے اور واسطے سے دعا مانگی۔۔۔ تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔۔۔ یہ روایت بے سند اور موضوع ہے۔۔۔ محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے۔۔۔ قَالَ عَلِي الْقَارِيْ هٰذَا حَدِيْثٌ مَوْضُوْعٌ۔

تعجب اور افسوس ہے بلکہ حیف ہے کہ یہ روایت قرآن کے معارض ہے۔۔۔ آپ نے آنکھیں بند کر کے اسے تسلیم کر لیا اور قرآن کی واضح آیت کی طرف آپ کی نظر نہیں گئی۔۔۔ کیا علماء کرام نہیں جانتے کہ قرآن کی تفسیر کا پہلا اصول کیا ہے؟

تَفْسِيْرُ الْقُرْاٰنِ بِالْقُرْاٰنِ

قرآن کی تفسیر خود قرآن سے۔۔۔ قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔۔۔ ایک جگہ پر بات کو اجمالاً ذکر کرتا ہے دوسری جگہ پر تفسیر اور وضاحت کر دیتا ہے۔۔۔ قرآن نے سیدنا آدم علیہ السلام کو تلقین کردہ کلمات کو دوسری جگہ پر بیان کر دیا ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف:23)

دونوں (سیدنا آدم و حوا سلام اللہ علیہما) نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری بخشش نہیں کرے گا اور ہم پر مہربانی نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا

تَفْعَلُونَ (25) وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ (الشوریٰ:26-25)

اور وہی اللہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے درگذر فرماتا ہے (یعنی باوجود سب کچھ جاننے کے کتنے گناہوں سے درگذر کرتا ہے) اور جو کچھ تم کرتے ہو سب جانتا ہے۔ ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے (یعنی مانگے سے بھی زیادہ عطا کرتا ہے) اور کفار کے لیے عذاب شدید ہے۔

ایک اور مقام پر اپنی صفت توّاب کو یوں ذکر فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ (المومن:3)

وہ گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور سخت عذاب والا ہے۔

یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔۔۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جس نے گناہ نہ کیا۔

یا معنی یہ ہے کہ مومنوں کے لیے غافر ہے اور کفار ومشرکین اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی صفت اور اپنے اسم گرامی اَلتَّوَّابُ کو ذکر فرمایا ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص جتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو۔۔۔ وہ صدقِ دل سے میرے آگے گڑگڑائے اور نادم و پشیمان ہو کر توبہ کرے تو میں اس کی توبہ قبول کر کے اس کے گناہوں کو معاف فرمادوں گا۔۔۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے۔۔۔ اس بندے سے بڑھ کر خوشی جو جنگل میں سفر کر رہا ہو اور اس کا زادِ راہ اور پانی کا مشکیزہ بھی اس کے ساتھ ہو اور جس اونٹنی پر وہ سوار تھا وہ گم ہوگئی۔۔۔ اس کا

سامان بھی اسی پر تھا۔۔۔ یہ ادھر اُدھر سے تلاش کرتا رہا۔۔۔ بھوک سے نڈھال ہو گیا۔۔۔ پیاس کی شدت نے بے حال کر دیا۔۔۔ اسے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا۔۔۔ یہ مرنے کے ارادے سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔۔۔ آنکھ لگ گئی بیدار ہوا تو اونٹنی مع ساز وسامان سرہانے کھڑی تھی۔۔۔ یہ خوشی سے بے حال ہو گیا۔۔۔ اور بجائے یہ کہنے کے کہ مولا! تو میرا رب اور میں تیرا بندہ۔۔۔ کہنے لگا مولا! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔۔۔ فرمایا جتنی خوشی اونٹنی اور سامان کے ملنے کی اس شخص کو ہوئی اللہ اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جب کوئی گنہگار شخص نادم ہو کر اس کے آگے توبہ کرتا ہے۔

قرآن کریم نے ایک جگہ پر فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (البقرہ:222)

یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جو لوگ استغفار اور توبہ نہیں کرتے۔۔۔ کفر و شرک اور عصیان کاریوں سے باز نہیں آتے اللہ انہیں پسند نہیں کرتا بلکہ ان کے بارے میں بطور شکوہ کہتا ہے:

أَفَلَا يَتُوْبُوْنَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ:74)

یہ اللہ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورت الحجرات میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ (الحجرات:11)

اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

توبہ کسے کہتے ہیں؟ سامعین گرامی قدر! میں بیان کر چکا ہوں کہ توبہ کا لغوی معنی ہے لوٹنا اور رجوع کرنا۔۔۔ اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ سے باز آ جانے کو توبہ کہتے ہیں۔

توبہ اس کا نام نہیں ہے کہ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کا ورد کرے۔۔۔۔ یا اللہ میری توبہ کا تکرار کرتا ہے۔۔۔۔ بلکہ توبہ نام ہے ماضی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار۔۔۔ کہ مولا! جو کچھ کر چکا ہوں اس پر نادم اور پشیمان ہوں۔۔۔۔ حدیث میں آتا ہے: اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ (ابن ماجہ، باب ذکر التوبہ)

یعنی توبہ نام ہی ندامت و پشیمانی کا نام ہے۔

اور آئندہ کے لیے اپنے رب سے عہد کرنا کہ آئندہ یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا۔۔۔ یہ دو چیزیں ملحوظ خاطر رکھ کر رب کے آگے گڑگڑائے۔۔۔ معافی مانگے اور توبہ کرے تو اللہ اَلتَّوَّابُ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

اگر شیطان وسوسہ ڈالے کہ تم توبہ کر رہے ہو ذرا اپنے دل سے پوچھ کے دیکھو۔۔۔ اگر تجھے موقع ملا تو۔۔۔ تو اس گناہ سے رک سکے گا؟ اگر نہیں تو پھر توبہ کرنے کا کیا فائدہ؟ تو اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ ایک شخص کو بھوک لگی، کھانا کھانے لگا تو سامنے بیٹھے شخص نے کہا کھانا کیوں کھا رہے ہو؟ اس لیے کہ بھوک ستا رہی ہے، وہ شخص کہنے لگا کیا بھوک پھر نہیں لگے گی؟ بھوک نے پھر بھی ستانا ہے تو کھانا کھانے کا فائدہ؟ اس شخص نے جواب دیا پھر بھوک لگے گی تو پھر کھاؤں گا۔۔۔ پھر بھوک ستائے گی تو پھر کھاؤں گا۔۔۔ تم نے شیطان کو بھی یہی جواب دینا ہے کہ پھر گناہ کروں گا تو پھر توبہ کروں گا۔۔۔ پھر گناہ کروں گا تو پھر توبہ کروں گا۔۔۔ اس کی برکت سے اللہ اَلتَّوَّابُ مجھے سچی توبہ کی توفیق بھی عطا فرمائے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی	بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

توبہ کرنے کے بعد توبہ پھر ٹوٹ جاتی ہے۔۔۔ گناہ پھر سرزد ہو جاتا ہے۔۔۔

انسان مایوس ہو جاتا ہے کہ میری توبہ تو بے کار ہو گئی، ہرگز نہیں۔۔۔ تیری توبہ بے کار نہیں گئی پھر توبہ کر لو اللہ سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ لو، فرماتے ہیں:

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے　　جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

بندے کو چاہیے کہ کوشش کرتا رہے کہ توبہ نہ ٹوٹے۔۔۔ جو شخص دل کی گہرائی سے توبہ کرتا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔۔۔ مگر پوری کوشش کے باوجود پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے پھر نادم ہو کر اللہ کے آگے گڑگڑاتا رہے۔۔۔ عاجزی کرتا رہے۔۔۔ عزم کرتا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔۔۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا چاہے ایک دن میں ستر بار اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہو۔۔۔ اس لیے توبہ کرنے والے کو رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

بڑے سے بڑا گنہگار اور خطا کار بھی صدقِ دل سے توبہ کر لے اور معافی مانگے تو اللہ رب العزت جو اَلتَّوَّابُ ہے اس کی توبہ قبول کر کے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا پھر وہ اپنے متعلق سوال کرنے کے لیے نکلا اور ایک راہب (عیسائی پادری) کے پاس آیا اور اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا: ''کیا میری توبہ قبول ہونا ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، (تو نے اتنے قتل کیے ہیں تیرے لیے مغفرت کہاں؟)'' اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔

وہ لوگوں سے پوچھتا رہا، کسی نے اسے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ (جب وہاں جانے لگا تو راہ میں) اسے موت آ گئی، اس نے اپنے سینہ کا رخ اس بستی کی طرف کر لیا (جس کی طرف جا رہا تھا) اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس بستی کی) زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جائے اور

اس بستی کی زمین کو (جہاں سے نکل چکا تھا) حکم دیا کہ دور ہو جائے اور فرشتوں سے فرمایا:

دونوں بستیوں کے درمیان فاصلہ کی پیمائش کرو (جب پیمائش کی گئی) تو اس بستی سے (جہاں جا رہا تھا) بالشت بھر قریب نکلا۔ چنانچہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (مسلم)

عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اسے ہم لے جائیں۔۔۔گے کیونکہ اس بستی تک نہیں پہنچا۔۔۔جبکہ رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ تو اس طرف چل دیا تھا موت تو اس کے اختیار میں نہیں تھی، لہٰذا اسے ہم لے جائیں گے، اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرشتہ بھیجا، اس نے کہا:

دونوں بستیوں کے فاصلوں کی پیمائش کر لو اور ادھر صالحین کی بستی کو حکم دیا تو تھوڑی سی قریب ہو جا کہ تجھ پر اہل تقرب رہتے ہیں اور گناہوں والی بستی کو فرمایا تو دور ہو جا کہ تجھ پر اہل تباعد رہتے ہیں (جو مجھ سے دور ہیں)

یہ فضل بصورت عدل ہے یعنی فرشتوں سے تو پیمائش کرا رہے ہیں اور کام خود بنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظام تھا ورنہ بستی تو دور تھی۔

اگر بار بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی مایوس نہ ہوں آپ بار بار توبہ کیجیے۔ توبہ کی قبولیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس گناہ سے الگ ہو جائے۔۔۔دل میں ندامت ہو۔۔۔ اور پختہ عزم ہو کہ آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا۔۔۔یعنی پھر گناہ کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو تو ایسی توبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔

لہٰذا ہرگز مایوس نہ ہوں۔۔۔خطا ہو جائے رونا و گڑگڑانا شروع کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جو معاف کرے گا۔ ان کے در کے علاوہ اور کون سا در ہے جہاں ہم جائیں لہٰذا عمر بھر کوشش میں لگے رہنا ہے۔

یعنی اس اَلتَّوَّابُ نے بندہ کو نوازنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کو اپنی رحمت کے حاصل کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلا دیا۔

بعض علماء سے پوچھا گیا: جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے وہ کیا کرے؟ تو فرمایا وہی کام کرے جو اس کے پہلے والدین آدم وحوا علیہما السلام نے کیا کہ اپنے کیے پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے لیے عرض کیا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف:23)

ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر آپ معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ کریں تو ہم سخت خسارے والوں میں داخل ہو جائیں گے۔

اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي (القصص:16)

اے میرے پالنے والے! میں اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے تو آپ ہی میری مغفرت فرمایئے۔

سیدنا یونس علیہ السلام سے جب لغزش ہوگئی تو عرض کیا:

لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء:87)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، آپ ہر برائی سے پاک ہیں، میں ظلم کرنے والوں میں داخل ہو گیا ہوں (مطلب یہ ہے کہ مجھ پر رحم فرمایئے)

توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل

سورت الفرقان میں عباد الرحمن کی صفات کا تذکرہ فرمایا کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔۔۔ راتوں کو عبادت الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔۔۔ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔۔۔ اللہ کے سوا حاجات میں کسی کو نہیں پکارتے۔۔۔ ناحق کسی کو قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔۔۔ آگے فرمایا جو شخص یہ کام کرے گا اسے قیامت کے دن عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔ پھر فرمایا:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ

حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان:70)

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے کے دو مفہوم علماء نے بیان کیے ہیں۔ایک یہ کہ اللہ اس کی حالت کو تبدیل کر دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے برائیاں اور گناہ کرتا تھا اب اعمالِ صالحہ اور نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کا مریض تھا اب پختہ موحد ہے اور خالص اللہ کی پکار کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا اب مسلمانوں کی حمایت میں کفار سے جنگ کرتا ہے۔۔۔یعنی اللہ اسے گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ توبہ اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے اس کی برائیوں کی تعداد کے مناسب نیکیاں اس کے اعمال نامہ میں لکھ دے گا۔

یہ آیت کفار کے بارے میں تھی۔۔۔جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی آگے ذکر ہے ان لوگوں کا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور ان سے گناہوں کا صدور ہوا۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهٗ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (الفرقان:71)

اور جس شخص نے توبہ کی اور نیک عمل کیے وہ اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔

گناہ کا ارتکاب تو ہر انسان سے ہوتا ہے۔۔۔معصوم عن الخطا والعصیان تو صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ گناہوں سے معصوم کوئی بھی نہیں (اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم معصوم نہیں مگر محفوظ ضرور رہیں)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے اور تمہاری جگہ ایسے لوگ لائے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ اور استغفار کرتے ہوں۔

اسی طرح ایک حدیث اس طرح ہے:

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (ترمذی:2499)

آدم کی تمام اولاد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہمیشہ اور ہر وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے اور توبہ واستغفار کو وظیفہ بنا لے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بیشک اللہ رب العزت رات کو (اپنی شان کے مطابق) ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ گزرے ہوئے دن میں جس نے گناہ کیے ہیں ان کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں (اپنی شان کے مطابق) ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ گذشتہ رات میں جنہوں نے گناہ کیے ہیں ان کی توبہ قبول فرمائے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

(مسلم:6856 کتاب التوحید)

سامعین گرامی قدر! میں ایک حدیث قدسی آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ فرمائیں کہ اللہ یوں کہتا ہے۔۔۔ اللہ نے فرمایا:

اے آدم کے بیٹے! جتنی تو مجھ سے دعا کرے گا اور امید رکھے گا میں اس کے مطابق تجھے بخش دوں گا، مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کی چھت تک بلند ہوں پھر تو مجھ سے استغفار کرے گا تو تجھے بخش دوں گا مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو میرے پاس زمین کی بھرائی کے برابر خطائیں لے کر آئے پھر تو مجھ سے ملاقات اس حال میں کرے کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں اتنی بھرائی سے تجھے مغفرت سے نواز دوں گا۔ (ترمذی)

قرآن مجید میں اَلتَّوَّابُ نے سچی توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (التحریم:8)

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی اور خالص توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے اور تمہیں ایسے باغات میں پہنچائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

توبۃ النصوح۔۔۔خالص، سچی اور صاف دل سے توبہ یہ ہے کہ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے۔۔۔اس گناہ کو ترک کردے پھر اس گناہ پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرے۔۔۔آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا اللہ سے پختہ عہد اور وعدہ کرے۔۔۔اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا اس کا ازالہ کرے جس سے کسی قسم کی زیادتی اور ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگے۔۔۔حقوق العباد توبہ سے یا استغفار سے یا نیک اعمال کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔

توبہ واستغفار ہر پریشانی کا علاج

توبہ واستغفار سے اللہ رب العزت بندے پر راضی اور خوش ہوتا ہے اور پھر اس کی مشکلات اور پریشانیوں کو دور فرما دیتا ہے اور بندے کی حاجات کو پورا کر دیتا ہے۔

تفسیر قرطبی نے سورت نوح کی آیت نمبر 10 کی تفسیر اور تشریح میں ایک دلچسپ اور عجیب بات کو نقل فرمایا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شخص نے گذارش کی کہ قحط سالی مسلط ہے، بارشیں رک گئی ہیں، جانوروں تک کو بھی چارہ ڈالنے کے لیے کچھ نہیں، انہوں نے فرمایا: استغفار کرو، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

دوسرے شخص نے غربت وافلاس کی شکایت کی تو اس سے فرمایا: استغفار کرو۔

چوتھے شخص نے آکر اپنے باغ کے خشک ہوجانے کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے بھی فرمایا: استغفار کرو۔

ان سے پوچھا گیا، آپ کے پاس چار آدمی الگ الگ شکایت لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کا حکم دیا، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اپنی طرف

سے تو کوئی بات نہیں بتلائی، خود اللہ تعالیٰ نے سورت نوح میں ارشاد فرمایا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (11 وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح:12-11-10)

اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہارے اموال اور بیٹوں میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغ اور نہریں بنائے گا۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے موسلا دھار بارش۔۔۔ مال۔۔۔ اولاد میں اضافہ۔۔۔ اور باغات ونہروں کی فراوانی۔۔۔ کی نعمتوں کو استغفار کے نتیجے کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کی کثرت ان نعمتوں کی وصول یابی کا سبب بنتی ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے مختلف شکایتوں والے چاروں اشخاص کو استغفار کا حکم دیا۔

سورت النساء میں ارشاد ہوا:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء:17)

توبہ کی مقبولیت صرف ان لوگوں کے لیے (یا توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لیے ہے) جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں (یادرکھیے اللہ کے نزدیک گناہ اور معصیت کا ارتکاب جہالت ہے خواہ وہ گناہ عمداً کیا جائے، سیدنا یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی مولا! اگر تو نے مجھ سے زلیخا اور اس کی سہیلیوں کے مکروفریب کو دور نہ کیا تو میں ان کی جانب مائل ہو جاؤں گا وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔۔۔ اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔۔۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا کیا تم جانتے ہو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا

سلوک کیا تھا؟ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۔۔۔ جب تم جاہل تھے۔۔۔ یا اس آیت میں بِجَهَالَةٍ سے مراد اس کام کی معصیت اور گناہ ہونے کی جہالت مراد نہیں ہے بلکہ گناہ کے اس کام پر جو عذاب اور سزا مرتب ہوتی ہے اس کی جہالت مراد ہے) پھر وہ جلدی توبہ کرتے ہیں۔

(مِنْ قَرِیْبٍ سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے فوراً بعد نادم اور پشیمان اور توبہ کرلے تاخیر نہ کرے اور اکثر مفسرین نے مِنْ قَرِیْبٍ سے مراد لیا ہے غرغرۂ موت سے پہلے پہلے۔۔۔ جو لوگ موت کا مشاہدہ کرلیں اور حالت نزع کو پہنچ جائیں ان کی توبہ قبول نہیں جیسے فرعون نے اٰمَنْتُ کا اقرار کیا مگر اس کا ایمان قبول نہ ہوا)

پس ایسے لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

(اللہ اَلتَّوَّابُ کو معلوم ہے کہ کس نے نادانی سے گناہ کیا، کون اس گناہ کی سزا سے بے خبر تھا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی اور حکمت والا بھی ہے کہ جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس توبہ کو قبول کرتا ہے)

اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (النساء:18)

توبہ (کی قبولیت) ان کے لیے نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آجائے اور وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور توبہ کی قبولیت ان کے لیے بھی نہیں جو حالت کفر میں ہی مرجائیں یہی لوگ ہیں جس کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آخر میں نبی اکرم ﷺ کے دو فرمان بھی سماعت فرمالیجیے تاکہ معاملہ نور علیٰ نور ہو

جائے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ: اِنْ کُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللہِ ﷺ فِی الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِأَۃَ مَرَّۃٍ: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (ابوداؤد)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم شمار کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم (یارب! میری مغفرت فرمائے اور میری توبہ قبول فرمایئے بلاشبہ آپ ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والے اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللہُ عَلَیْہِ (بخاری)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک بندہ جب گناہ کا اقرار کرے پھر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:21)

آج اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلْغَالِبُ کی مختصر تشریح کرنے کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

سامعین گرامی قدر! غالب کا لفظ غلبہ سے ہے اور لغت عربیہ میں غلبہ گردن کے پکڑ لینے کو کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ لمبی گردن والے مرد کو رَجُلٌ اَغْلَبُ اور لمبی گردن والی عورت کو اِمْرَاَۃٌ غَلْبَاءُ (یعنی دراز گردن مرد اور دراز گردن عورت) بولتے ہیں۔

پھر یہ حقیقت واضح اور ہر صاحب عقل پر روشن ہے کہ جو دوسرے کی گردن پکڑنے پر قادر ہوگا وہ لازماً دوسرے پر قابو یافتہ اور غالب ہوگا اور جس کی گردن پکڑی جائے وہ لازماً مجبور، مقہور اور مغلوب ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہود کے تین قبیلے مدینہ میں آباد تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔۔۔۔ بدر میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو واپسی پر نبی اکرم ﷺ نے یہود سے کہا تم میری دعوت کو قبول کر لو ورنہ تمہارا

حشر بھی قریش جیسا ہوگا۔ یہود کہنے لگے تم اس فریب اور گمان میں نہ رہنا کہ تم نے مکہ کے قریش کے چند تجربہ کاروں پر غلبہ اور فتح پالی۔۔۔ ہم سے مقابلہ کرو گے تو ہمارے پاس جنگجو اور آزمودہ سپاہی ہیں، اسلحہ کی بہتات ہے۔۔۔ مسلمانو! تمہیں اپنی قوت اور حیثیت کا اندازہ اور پتہ لگ جائے گا۔ اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران:12)

کفار سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تم سب مغلوب ہو جاؤ گے اور (پھر آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور جہنم برا بچھونا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ بدر کی فتح دیکھ کر اور مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر یہود کچھ تصدیق اور ایمان کی طرف مائل ہونے لگے، پھر فیصلہ ہوا کہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔۔۔ کچھ مدت انتظار کرو۔۔۔ آگے کیا ہوتا ہے۔۔۔ دوسرے سال اُحد میں مسلمانوں کی عارضی پسپائی دیکھ کر ان کے دل کفر پر سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے حتیٰ کہ انہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے جنگ کا فیصلہ کیا۔۔۔ یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم کعب بن اشرف ساٹھ آدمیوں کا وفد لے کر مکہ مکرمہ پہنچا اور ابوسفیان اور دوسرے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ ہم پوری طرح تمہارے ساتھ ہیں لہٰذا متحدہ محاذ بنا کر اور سب کو مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیے، اس پر یہ آیت اتری: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران:12)

کافروں سے کہہ دیجیے عنقریب تم سب مغلوب کر دیئے جاؤ گے اور جہنم میں جمع کیے جاؤ گے۔

مقصد یہ ہے کہ سب کفار سے چاہے وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مشرکین عرب۔۔۔ سب کو کہا جا رہا ہے کہ عنقریب تم مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھاؤ گے اور مغلوب ہو کر

ہتھیارڈالنے پرمجبور ہوجاؤ گے۔

پھر تھوڑے عرصے کے بعد یہ وعدہ پورا ہوا۔۔۔ چنانچہ جزیرۃ العرب میں مشرکین کا نام تک نہ رہا۔۔۔ مکہ فتح ہوگیا۔۔۔ کفار مکہ مغلوب ہوگئے۔۔۔ بنونضیر جلاوطن ہوگئے۔۔۔ بنو قریظہ کے مرد تہہ تیغ ہوگئے۔۔۔ بچے اور عورتیں غلام اور لونڈیاں بنالیے گئے۔۔۔ نجران کے نصاریٰ نے سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔۔۔ بنو قینقاع بھی جلاوطن کر دیئے گئے۔۔۔ اور تقریباً ہزار سال تک دنیا کی بڑی مغرور، متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی ہیں۔

عہد رسالت میں دو بڑی قوتیں تھیں ایک فارس (ایران) اور دوسری طاقت تھی روم کی۔۔۔ فارس آتش پرست مجوسی تھے اور رومی عیسائی اہل کتاب، مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں اور مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔۔۔ ان دونوں قوموں اور ملکوں کی آپس میں ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد دونوں کے درمیان جنگ ہوئی اور ایران رومیوں پر غالب آگیا جس پر مشرکین خوش ہوئے اور مسلمانوں کو اس پر افسوس اور غم ہوا اس پر قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں جن میں پیشینگوئی کی گئی کہ چند سالوں کے بعد رومی پھر غالب آئیں گے اور فارس مغلوب ہوجائیں گے۔

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ (2) فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ
(الروم:3-2)

رومی مغلوب ہوگئے ہیں نزدیک کی زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے چند سالوں میں۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ سے روانہ ہوئے تو انہیں خطرہ اور اندیشہ ہوا کہ ان کا حریف اور مخالف قبیلہ بنو کنانہ پیچھے سے انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ بعض مفسرین نے لکھا

کہ شیطان بنو کنانہ کے ایک سردار سراقہ بن مالک کی صورت اختیار کر کے آیا اور مشرکین کو اپنی مدد، تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا:

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ (الانفال:48)

آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں ہوگا۔

مگر شاید اسے علم نہیں تھا کہ اللہ رب العزت نے جو اَلْغَالِبُ ہے۔۔۔اس نے اپنے نبیوں سے وعدہ کر رکھا ہے:

وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات:173)

یقیناً ہمارا لشکر اور فوج جو ہے بیشک وہی غالب ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تحریر فرمایا:

یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ متکبرین کے مقابلہ میں اللہ رب العزت اپنے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے اور آخر کار اللہ رب العزت کا لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط اور غلبہ کے بھی، ہاں شرط یہ ہے کہ ''جند'' فی الواقع جند اللہ ہو۔

ایک جگہ پر ارشاد باری ہوا: جو شخص اللہ سے اس کے رسول اور مسلمانوں سے دوستی رکھے گا وہ یقین رکھے کہ اللہ کا لشکر ہی غالب رہے گا۔

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (المائدہ:56)

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (المجادلہ:21)

اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔

واقعۂ یعقوب و یوسف میں اللہ رب العزت کی صفت اَلْغَالِبُ نمایاں نظر آتی ہے۔۔۔واقعۂ یوسف کا ایک ایک موڑ اور ایک ایک حصہ ثابت کرتا ہے کہ واقعی اللہ اپنے

کام پر اور اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر غالب ہے۔

کنعان کا کنواں کہاں اور عزیز مصر کا محل کہاں۔۔۔ کہاں برادرانِ یوسف بکریاں چرانے والے۔۔۔ اور کمائی کرنے والے اور کہاں وزارت خزانہ کا سربراہ۔

مولانا عبدالغنی جاجروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''بھائی بنانا چاہتے تھے بے وطن۔۔۔ قافلے والے ذریعۂ دشمن۔۔۔ اور اللہ بنانا چاہتا تھا شاہِ زمن۔''

ہم نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو عزت و تکریم کے مقام پر پہنچا دیا۔۔۔ انہیں عظمتیں اور بلندیاں عطا فرمائیں۔۔۔ غلام کی حالت میں فروخت ہوئے۔۔۔ ہم نے وزیر خزانہ کے گھر کا امین اور نگران بنا دیا۔

غلام بنانے کے جتن ہوئے مگر ہم نے عزیز مصر کا منہ بولا بیٹا بنا دیا۔۔۔ کنویں کی تاریکی سے نکالا اور حکومت کے محلات میں پہنچا دیا۔۔۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے کیونکہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔۔۔ اللہ غالب اور طاقتور ہے اپنے کام اور اپنے حکم میں۔۔۔ اللہ کی بات ہمیشہ غالب ہو کر رہتی ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:21)

مگر اکثر لوگ اتنی واضح اور کھلی حقیقت کو نہیں جانتے۔

قصۂ یوسف میں تو بار بار اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ اللہ کی تقدیر اور اللہ کا فیصلہ۔۔۔ اور اللہ کا حکم ہی ہمیشہ غالب رہتا ہے۔۔۔ کوئی کچھ سوچے۔۔۔ کوئی فیصلہ کرے۔۔۔ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔۔ ہمیشہ ہوتا وہی ہے جو رب چاہتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! ذرا دیکھو تو۔۔۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو منع فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے خواب بیان نہ کریں۔۔۔ ان کی مرضی اور خیال

تھا کہ بھائیوں کو یوسف علیہ السلام کے خواب کا علم نہ ہو مگر تقدیر الٰہی غالب آ گئی اور بھائیوں کو خواب کے بارے پتہ چل گیا۔

ذرا دیکھو تو۔۔۔ بھائیوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو ذلیل خوار کرنے کی تمام تر تدبیریں اور کوششیں کیں۔۔۔ مگر تقدیر غالب آ گئی اور یوسف علیہ السلام عزت واحترام کے ساتھ عزیز مصر کے گھر پہنچ گئے۔

ذرا دیکھو تو۔۔۔ برادران یوسف چاہتے تھے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹا کر اپنے والد کی تمام تر توجہ اور پیار حاصل کر لیں مگر ناکام ہوئے اور والد الٹا بیزار ہو گئے۔

بھلا دیکھو تو۔۔۔ برادران یوسف نے سوچا تھا کہ روتے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے جائیں گے تو جرم پر پردہ پڑ جائے گا مگر یوسف علیہ السلام کے کرتے نے سارا راز فاش کر دیا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:21)

وما علینا الا البلاغ المبین

برکت والا۔۔۔برکات دینے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (المومن:64)

سامعین گرامی قدر! آج میں اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْمُبَارِكُ کی تفسیر میں کچھ گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْمُبَارِكُ کی اصل "ب، را، ک" ہے۔۔۔اسی سے لفظ برکت بنا ہے۔۔۔

اور برکت کا معنی ہے زیادتی، بڑھوتری، یعنی کسی چیز کا زیادہ ہو جانا اور بڑھ جانا۔

ہر بھلائی میں۔۔۔ہر نفع رسانی میں۔۔۔اور ہر خیر میں۔۔۔بڑھوتری اور کثرت۔۔۔کاروبار میں۔۔۔تجارت میں۔۔۔دولت میں۔۔۔صحت میں۔۔۔عزت واقتدار میں۔۔۔اناج اور زمین کی پیداوار میں۔۔۔اولاد میں۔۔۔غرضیکہ ہر ہر چیز میں برکت عطا کرنا۔۔۔ہر چیز کو بڑھانا۔۔۔زیادہ کرنا۔

تفسیر بحر محیط میں برکت کا معنی کیا گیا:

زَادَ خَيْرُهٗ وَعَطَاۗؤُهٗ كَثُرَ

اس کی خیر، بھلائی اور اس کی جود و عطا بہت زیادہ ہے۔

برکات دہندہ والی صفت مخلوق میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتی۔۔۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کے لیے ہے۔

ذہن میں رکھیے! کسی کے ہاں اولاد کا ہونا یا زیادہ ہونا۔۔۔ کسی مصیبت زدہ کا شفا پا جانا۔۔۔ بارشیں برسا کر فصلوں اور پھلوں کا بڑھانا۔۔۔ کسی کو ملازمت میں ترقی کا ملنا۔۔۔ دولت میں اضافہ ہونا۔۔۔ اور اپنے انعامات اور اپنی نعمتوں کو بڑھانا۔۔۔ اللہ ہی کی صفت ہے اور اس صفت میں بھی وہ اپنی دوسری صفات کی طرح وحدہٗ لاشریک ہے۔

اللہ رب العزت کی صفت تَبَارَكَ قرآن مجید میں نو مقام پر آئی ہے۔۔۔ ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے اس آیت کا ترجمہ کرنا چاہوں گا جسے میں نے خطبہ میں تلاوت کیا ہے۔ یہ سورت المومن کی آیت نمبر 64 ہے جس میں ارشاد ہوا:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

پس بہت برکتوں والا اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

یہاں اللہ رب العزت نے اپنے برکات دہندہ ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ساتھ دلائل کی بارش بھی برسا دی۔۔۔ ایک دلیل تو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ دی کہ تمام جہانوں کی ہر ہر مخلوق کا پالنہار۔۔۔ روزی رساں۔۔۔ اور ان کی تمام تر ضروریات کو پورا کرنے والا میں ہوں۔۔۔ جب رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ میں ہوں تو پھر برکات دہندہ بھی میں ہی ہوں۔

آیت نمبر 74 کی ابتداء میں فرمایا:

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمانوں کو چھت بنایا اور اللہ ہی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت خوبصورت صورتیں بنائیں اور تمہیں عمدہ

اور سنہری چیزیں کھانے کو دیں۔

یہ دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ

پس برکت والی ذات اللہ کی ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

اس کے بعد بھی دلائل کا سلسلہ جاری رکھا۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

وہی ہے زندہ۔۔۔ ایسا زندہ جسے کبھی موت اور فنا نہیں آئے گی۔۔۔ برکات دہندہ بھی وہی ہوسکتا ہے جس پر کبھی موت نہ آئے۔

اس کے علاوہ کوئی معبود اور مسجود نہیں ہے۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی غائبانہ پکاریں سننے والا نہیں، لہذا: فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

پس اللہ کو پکارو اور خالص کرنے والے اس کے لیے پکار

سورت الزخرف میں اپنی صفت برکات دہندہ کو یوں ذکر فرمایا:

وَتَبَارَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (الزخرف:85)

بڑی برکت والی ذات اس اللہ کی ہے جس کا راج اور بادشاہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور تم سب اسی اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت برکات دہندہ ہونے پر تین عقلی دلائل دیتے ہیں۔۔۔ پہلی دلیل میں اپنی بادشاہی اور ملکیت اور تصرف کو پیش فرمایا کہ پوری کائنات کا بلاشرکت غیر مالک اور متصرف میں ہی ہوں۔

دوسری دلیل اپنے برکات دہندہ ہونے پر دی: عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔۔۔

قیامت کے وقوع کا علم اسی کے پاس ہے۔۔۔ اللہ کے سوا کسی نبی، ولی، فرشتے، جن کو کسی کو بھی قیامت کے وقوع کا علم نہیں ہے۔۔۔ جب عالم الغیب میں ہوں قیامت کا علم صرف میرے پاس ہے تو پھر برکات دہندہ بھی صرف میں ہوں۔

اپنے برکات دہندہ ہونے پر تیسری دلیل وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔۔۔ قیامت کے دن سب لوگ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔۔۔ جب یہ سب طاقتیں اور ہر قسم کی قوتیں اور ہر چیز کا کلی علم اللہ کے پاس ہے تو پھر برکات دہندہ بھی وہی ہے۔

ایک اور دلیل سورت الرحمن میں اللہ رب العزت نے اپنی دنیوی اور اخروی نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرمایا اور تکرار کے ساتھ اکتیس بار فرمایا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

اے انسانوں اور جنوں تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورت الرحمن میں بہت سی جسمانی اور روحانی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ انسان کی تخلیق۔۔۔ قرآنی علوم۔۔۔ گفتگو کرنے کی قدرت۔۔۔ سورج۔۔۔ چاند۔۔۔ ستارے۔۔۔ درخت۔۔۔ آسمان کی چھت۔۔۔ زمین کا فرش۔۔۔ زمین میں میوے اور پھل۔۔۔ پانی میں کشتیوں کا چلنا۔۔۔ پھر جنت کی نعمتیں اور انعامات۔۔۔ جنت میں چشمے۔۔۔ ان میں نیچی نگاہوں والی حوریں۔۔۔ ان تمام انعامات۔۔۔ احسانات اور نعمتوں کے تذکرے کے بعد فرمایا:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمن:78)

بڑا بابرکت نام ہے تیرے رب کا جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

ایک اور مقام سورت الاعراف میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت برکات دہندہ کا تذکرہ بڑے احسن انداز میں فرمایا اور آخر میں اس ساری بحث کا نتیجہ اور ثمرہ بیان فرمایا: اِنَّ

رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (الاعراف:54)

بیشک تمہارا پالنہار اللہ ہے جس نے زمین وآسمانوں کو چھ دنوں میں (یعنی چھ دنوں کے اندازے میں تدریجاً) پیدا فرمایا پھر اس نے قرار پکڑا عرش پر (مولانا حسین علی رحمۃ الوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔۔ کنایہ ہے غلبے سے، حکومت سے، تسلط سے، اقتدار سے، سلطنت سے، عظمت سے، بادشاہی سے، اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سے مراد یہ ہے کہ مالک ومختار اور متصرف فی الامور وہی ہے، تخت شاہی پر قابض ہے اس نے اپنا کچھ اختیار کسی کے حوالے نہیں کیا) ڈھانپ دیتا ہے رات پر دن کو کہ وہ اس کے پیچھے چلا آتا ہے دوڑتا ہوا اسی اللہ نے سورج اور چاند کو بنایا اور ستارے اس کے حکم کے مطیع ہیں سنو! پیدا کرنا اور حکم کرنا اسی اللہ کا کام ہے۔ (جب یہ تمام کمالات اور ساری خوبیاں میری ہیں) بڑی برکتوں والی ذات اللہ کی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

مالک بھی میں ہوں۔۔۔ تخت شاہی پر قابض بھی میں ہوں۔۔۔ خالق بھی میں ہوں۔۔۔ حاکم بھی میں ہوں۔۔۔ اور برکات دہندہ بھی میں ہوں تو پھر نتیجہ یہ نکلا:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف:55)

(مصائب ومشکلات میں) اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورت الاعراف کی ان آیات سے ملتی جلتی آیات۔۔۔ اسی مضمون کو واضح کرنے کے لیے سورت الفرقان میں بھی موجود ہیں۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (الفرقان:61)

بابرکت ذات اس اللہ کی ہے جس نے آسمان میں برج (ستارے) بنائے اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی۔

سورت الفرقان کی آیت نمبر 10 میں بھی اللہ رب العزت اپنی صفت برکات دہندہ کا ذکر فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (الفرقان:10)

اللہ کی ذات تو ایسی بابرکت ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو بہت سے ایسے باغ عطا فرما دے (جو ان کے کہے ہوئے) باغوں سے بہتر ہوں جن کے نیچے بہہ رہی ہوں نہریں اور آپ کو بہت سے پختہ محل بھی عنایت کر دے۔

ایک اور دلیل سورت الملک کی ابتداء میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت برکات دہندہ کا تذکرہ بڑے ہی حسین بلکہ احسن انداز میں فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۙ (الملک:1)

برکت والی ذات اللہ کی ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے (یعنی تمام تر اختیار اسی کے پاس ہیں) اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک:2)

جس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے۔

برکات دہندہ میں ہوں اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ موت اور زندگی کو پیدا کرنے والا میں ہوں۔۔۔۔ میں جس کو چاہوں زندگی عطا کروں مجھ سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔۔۔۔ اور جسے چاہوں موت کی نیند سلا دوں میرے آگے لب کھولنے والا کوئی نہیں۔

اسی حقیقت کو سورت الفرقان میں بیان فرمایا۔۔۔وہاں پہلے اپنے برکات دہندہ ہونے کا تذکرہ فرمایا اس کی دلیل میں کہا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان:1)

بڑی مبارک اور برکت والی ذات ہے اللہ کی جس نے اپنے کامل بندے پر ایسی کتاب اتاری جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے تاکہ وہ بندہ تمام جہانوں کے لیے نذیر بن جائے۔

اپنے برکات دہندہ ہونے پر بڑی خوبصورت دلیل دی۔۔۔کہ اللہ ہی مبارک اور برکات دہندہ ہے جس نے مکہ کے درِّ یتیم۔۔۔عبداللہ کے فرزند اور آمنہ کے دلبند پر قرآن جیسی کتاب اتار کر اسے پوری کائنات کا امام بنا دیا اس کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا۔

پھر دوسری دلیل دی:

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان:2)

برکات دہندہ وہی اللہ ہے جس کے لیے زمین و آسمانوں کی بادشاہی ہے وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا اور اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا۔

آگے اللہ رب العزت نے منفی رنگ اختیار فرمایا۔۔۔کہ جن کو تم پکارتے ہو اور جنھیں تم نے معبود بنا لیا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں وہ تو اپنی جانوں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (الفرقان:3)

(جن کو تم پکارتے ہو) وہ موت وحیات اور دوبارہ جی اٹھنے کے مالک نہیں ہیں۔

اب سورت الفرقان کی اس آیت کو سامنے رکھ کر۔۔۔ سورت الملک کی آیت پر غور کریں۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک:2)

(برکات دہندہ اللہ ہی ہے) جس نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

اللہ آزمانا چاہتا ہے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے؟ جو اسے ایمان واطاعت کے لیے استعمال کرے گا اس کے لیے بہترین جزاء ہے اور جو زندگی کو غیر شرعی کاموں میں استعمال کرے گا اسے سزا ملے گی۔

اپنے برکات دہندہ ہونے پر دلیل کو مزید بڑھایا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (الملک:3)

جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تجھے نظر نہیں آئے گا کہ اللہ رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی (یعنی کوئی نقص، تناقض، کوئی کجی، کوئی خلل، بالکل وہ سیدھے اور برابر ہیں) دوبارہ نظریں ڈال کر دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آرہا ہے پھر بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھ تیری نگاہ ناکام ہو کر لوٹ آئے گی تھک کر لوٹ آئے گی (مگر ہماری تخلیق میں کوئی نقص اور خلل نظر نہیں آئے گا۔

ہر نمازی نماز کی پہلی رکعت میں ثنا پڑھتے ہوئے کہتا ہے وَتَبَارَكَ اسْمُكَ۔۔۔ اور برکت والا ہے نام تیرا۔

سامعین گرامی قدر! قرآن کریم کی کئی آیات سے میں نے ثابت کیا کہ برکات

دہندہ۔۔۔ ہر چیز میں بڑھوتری اور کثرت عطا کرنے والا اَلْمُبَارِكُ ہی ہے۔

میرا دل کرتا ہے کہ اپنے خطبہ کو نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی پر ختم کروں تا کہ قرآن مجید کے دلائل کے ساتھ ایک دلیل ارشادِ نبوی سے ہو جائے اور معاملہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے اور سونے پر سہاگہ ہو جائے۔

مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ تھے: فَقَلَّ الْمَاءُ۔۔۔ دورانِ سفر پانی کی قلت اور کمی ہو گئی۔

امام الانبیاء ﷺ نے تھوڑا سا پانی طلب فرمایا۔۔۔ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔۔۔ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ۔۔۔ آپ نے اپنا دست مبارک برتن میں داخل فرمایا۔۔۔ اور پھر آواز دی: حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ (بخاری، بحوالہ مشکوٰۃ، باب المعجزات)

لوگو! آؤ پاک اور ستھرا پانی حاصل کرو اور برکت تو تمام اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

وَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَاءَ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

میں نے دیکھا پانی نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کے درمیانی حصے سے ابل رہا تھا۔

یہ امام الانبیاء ﷺ کا معجزہ تھا اور یاد رکھیے! معجزے میں ہاتھ پیغمبر کا ہوتا ہے اور مرضی اور اختیار تمام تر اللہ رب العزت کا ہوتا ہے۔۔۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

اَلْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ۔۔۔ برکت تمام تر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

آخر میں امام الانبیاء ﷺ کی دو دعائیں بھی سماعت فرمالیجیے۔

عَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ خَادِمُكَ اُدْعُ اللّٰهَ لَهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا اَعْطَيْتَهُ (بخاری)

سیدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس بن مالک آپ کا خادم ہے اس کے لیے دعا کیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کا مال واولاد زیادہ کر اور جو کچھ اسے دیا ہے اس میں برکت پیدا فرما۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا وَصَاعِنَا وَاجْعَلْ مَعَ الْبَرَکَۃِ بَرَکَتَیْنِ (مسلم)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی یا اللہ! برکت دے ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں اور ایک برکت پر دو برکتیں اور عنایت فرما۔

وما علینا الا البلاغ المبین

احاطہ کرنے والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (آل عمران:120)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلْمُحِیْطُ کی تفسیر وتشریح آج کے خطبہ جمعہ کا موضوع ہے۔

اَلْمُحِیْطُ اس ہستی کو کہتے ہیں جس نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہو، ہر ہر شئی کا اور حقیر سے حقیر تر شئی کا تفصیلی اور کلی علم جس کے پاس ہو۔۔۔ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز۔۔۔ ہر بڑی اور چھوٹی چیز کو اپنی قدرت کے اعتبار سے جس نے احاطہ کیا ہوا ہے اور گھیرا ہوا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسے کئی مقامات پر بیان فرمایا:

اَلَآ اِنَّھُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّھِمْ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (حم السجدہ:54)

خبردار! یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے بارے میں شک میں ہیں، یاد رکھو اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سورت الجن کی آخری آیات میں اپنے عالم الغیب ہونے کا تذکرہ فرمایا۔۔۔

پھر ذکر کیا کہ اللہ رب العزت اپنے نبیوں کو غیب کی بعض خبروں پر اطلاع دیتا ہے۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی بھیجتے ہوئے فرشتوں کے پہرے بٹھاتا ہے کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل اندازی نہ کرنے پائے۔۔۔ یہ سارے انتظامات اس لیے کیے جاتے ہیں تا کہ اللہ دیکھے کہ فرشتوں نے انبیاء کرام علیہم السلام تک یا انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلا کم وکاست پہنچا دیے ہیں۔۔۔ فرشتوں کے یہ پہرے اور چوکیاں شانِ حکومت کے اظہار اور سلسلۂ اسباب کی محافظت کے لیے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔۔۔ ورنہ

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ (الجن:28)

اور ان کے پاس جو ہے اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔

مشرکین مکہ نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ فلاں فلاں معجزہ دکھاؤ۔۔۔ تمہارا گھر سونے کا بن جائے۔۔۔ تیرے باغات ہونے چاہئیں۔۔۔ مکہ میں پانی کا چشمہ جاری کر دے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا کہ پہلے لوگوں نے بھی اس طرح کے مطالبے کیے تھے مگر جب انہیں منہ مانگا معجزہ دکھایا گیا تو انہوں نے ایمان قبول کرنے سے انکار کیا اور ہم نے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جیسے قومِ ثمود کے ساتھ ہوا۔

نبی اکرم ﷺ کے دل میں خیال آیا کہ مشرکین کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو وہ تمسخر اڑائیں گے اور طعن کریں گے کہ یہ سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے مطابق معجزہ دکھاتے اس لیے آپ کو اطمینان اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ (بنی اسرائیل:60)

اور جب ہم نے آپ سے کہہ دیا کہ تیرے رب نے سب لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

اس آیت میں آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کی قدرت اور علم نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ قدرت کے نیچے سے نکل سکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ ان کے طعن وتشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ اپنا کام کیے جایئے اور ان کے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجیے ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔۔۔اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے لہٰذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں۔

اللہ رب العزت نے سورت الفتح میں صلح حدیبیہ کے خوش قسمت شرکاء کے لیے اپنی رضا کا اعلان فرمایا اور ان کے دل کے صدق واخلاص کا ذکر کیا۔۔۔اس صلح کے نتیجے میں خیبر کی فتح اور ڈھیر سارے مالِ غنیمت کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ پھر فرمایا:

وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا (الفتح:21)

اور ایک فتح اور جو تمہارے بس نہ آئی اللہ نے اسے اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کچھ علماء نے اس سے مراد فتح مکہ لیا ہے۔۔۔کچھ نے بعد میں ہونے والی تمام فتوحات اور مالِ غنیمت مراد لی ہے جس کے حصوں کی تمام میں قدرت نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کے اختیار اور قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات اور غنائم کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لیا ہوا ہے۔۔۔وہ جب چاہے گا تمہیں اس پر غلبہ عطا فرمادے گا۔۔۔بعض علماء نے اس آیت میں احاطہ کو علم کے معنی میں لیا ہے یعنی اللہ کو معلوم ہے وہ علاقے تم فتح کروگے اور غنائم حاصل کروگے۔

اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْمُحِیْطُ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام

زخفیہ امور حتیٰ کہ سینے کے بھید، راز اور چھپی ہوئی۔۔۔مخفی سے مخفی چیزوں اور باتوں سے باخبر ہے اور اپنے علم سے ہر ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔۔۔بندے کا کوئی عمل اس کے احاطہ علمی سے غائب نہیں۔

سورت آل عمران میں ارشاد ہوا:

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (آل عمران:120)

تم اگر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کفار کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہیں دے گا اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

مشرکین کے اور منافقین کے مکر وفریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ اختیار کرو۔۔۔تم دین پر استقامت دکھاؤ اور اللہ کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ تو کفار ومنافقین کے فریب اور بری تدبیریں تمہارا کچھ نقصان نہیں کرسکتے۔۔۔اللہ محیط ہے جس نے کفار ومنافقین کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اللہ رب العزت نے ہر چیز کی حفاظت جمیع جہات سے کر رکھی ہے اس کا علم ہر ہر شئی کو شامل ہے۔۔۔کائنات کی کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔۔۔ارشاد ہوتا ہے:

لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق:12)

تاکہ تم جان لو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً اللہ نے علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

یقیناً مخلوقات کے متعلق علم کی یہ وسعت اور فراوانی صرف اور صرف رب العالمین کا خاصہ اور صفت ہے اللہ کے علاوہ کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا کہلاتا ہے۔

سورت الجن کی آیت نمبر 37 میں بیان فرمایا کہ قرآن کریم محمد عربی ﷺ کا

افتراء کردہ نہیں بلکہ قرآن پہلی کتابوں کا مصدِق ہے۔

آیت نمبر 38 میں منکرین قرآن کو چیلنج دیا کہ تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ۔۔۔آیت نمبر 39 میں فرمایا انہوں نے بغیر تدبر کے اور بغیر غور کے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ (یونس:39)

بلکہ تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے۔

غرضیکہ اَلْمُحِیْطُ کا معنی وہ ہستی جس نے اپنی قدرت اور اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سب کو روزی اور قوت عطا کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا (النساء:85)

سامعین گرامی قدر! آج میرا ارادہ ہے کہ میں آپ حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ایک نام اَلْمُقِیْتُ کی مختصری تشریح وتفسیر بیان کروں، اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا، سورت النساء کی آیت نمبر 85 میں جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہے۔

کچھ علماء نے اَلْمُقِیْتُ کا معنی کیا ہے۔

خَالِقُ الْاَقْوَاتِ الْبَدَنِیَّةِ وَالرُّوْحَانِیَّةِ۔۔۔ جسمانی، بدنی اور روحانی روزی کے خالق کو اَلْمُقِیْتُ کہتے ہیں۔۔۔ وَمُوْصِلُھَا اِلَی الْاَشْبَاحِ وَالْاَرْوَاحِ۔۔۔ پھر اس روزی کو جانداروں تک پہنچانے والے کو اَلْمُقِیْتُ کہتے ہیں۔

بعض علماء نے اَلْمُقِیْتُ کا معنی کیا ہے: اَلْمُقْتَدِرُ عَلَی الشَّیْءِ۔۔۔ کسی چیز پر قادر ہونا۔۔۔ اہل عرب کا محاورہ ہے جب کوئی شخص کسی چیز پر قدرت پالیتا ہے تو کہتے ہیں۔۔۔ اَقَاتَ عَلَی الشَّیْءِ۔۔۔ یعنی اس نے کسی چیز پر قدرت پالی۔

کچھ علماء نے کہا ہے کہ اَلْمُقِیْتُ۔۔۔۔۔رزاق کے معنی میں ہے مگر یہ رزاق سے خاص ہے اس لیے کہ رزق جسمانی اور روحانی دونوں غذاؤں کو شامل ہے اور قوت صرف اس چیز کو کہتے ہیں جو بدن کی طاقت کے لیے ہو۔

اَلْمُقِیْتُ وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو قوت بھی فراہم کرتی ہے اور طاقت بھی۔۔۔۔اور روزی بھی۔۔۔

مشہور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ اَلْمُقِیْتُ میں جتنے اقوال علماء نے نقل کیے ہیں ان میں سب سے اولیٰ اور بہتر قول ان علماء کا ہے جنہوں نے اَلْمُقِیْتُ کو اَلْقَدِیْرُ کے معنی میں لیا ہے کیونکہ لغت قریش میں اَلْمُقِیْتُ اَلْقَدِیْرُ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ان تمام علماء کے اقوال کی روشنی میں اب اَلْمُقِیْتُ کا معنی ہوا قدرت والا۔۔۔ روزی رساں۔۔۔۔ اپنے علم کی بنا پر تمام مخلوقات کی ضروریات پوری کرنے پر قادر۔۔۔ نگہبان۔۔۔۔قوت اور طاقت بخشنے والا۔

اَلْمُقِیْتُ۔۔۔ ہر ایک کی روزی اس کے حسب حال پیدا کرکے اس تک پہنچانے والا۔۔۔۔جس کو سورت ہود میں ذکر فرمایا:

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (ہود:6)

زمین میں چلنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ پر ہے (یعنی روزی اور رزق عطا کرنے والا اللہ ہی ہے انسان ہوں یا جنات، چرند ہوں یا پرند، حشرات الارض ہوں، بحری، بری مخلوق ہو ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق اور حسب حال خوراک وہی مہیا کرتا ہے) وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔

سورت حم السجدہ میں اسے دوسرے انداز سے بیان فرمایا:

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (حم السجدہ:10)

اور زمین میں اوپر زمین ہی سے پہاڑ پیدا کر دیے (تا کہ زمین چلنے والوں کو لے کر ڈولتی نہ رہے) اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کی خوراکیں اور غذائیں مقرر کیں چار دن میں برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے۔

بَارَكَ فِيهَا۔۔۔ سے مراد پانی کی کثرت۔۔۔ قسم قسم کے پھل اور اناج۔۔۔ معدنیات۔۔۔ دیگر اس قسم کی چیزیں ہیں۔۔۔ یہ زمین کی برکت ہے۔

أَقْوَاتَهَا۔۔۔ سے مراد کیا ہے؟ یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں۔۔۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شہر اور ہر صوبے اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبیعتوں، مزاج اور ضروریات کے مطابق اور موافق خوراکیں مہیا کر دیں۔

ہم سب دیکھ رہے ہیں ہر علاقہ اور ہر خطہ کی مصنوعات وملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔۔۔ کسی علاقے میں گندم۔۔۔ کہیں چاول۔۔۔ کہیں کپاس۔۔۔ کہیں گنا۔۔۔ کسی علاقے میں سیب کی فراوانی اور کہیں خوبانی کی بہتات۔۔۔ کسی جگہ انگور کی بیلیں اور کہیں تربوز کے کھیت۔۔۔ کہیں آم ہی آم۔۔۔ کہیں مالٹے کی مختلف اقسام۔۔۔ زیتون مخصوص علاقوں میں ہوتا ہے۔۔۔ انجیر کے درخت اکثر جگہوں پر۔۔۔ کہیں زعفران اور کہیں الائچی۔۔۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختلف خطوں میں مختلف قسموں کی پیداوار کا یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب ملکوں اور ملک کے مختلف شہروں میں باہمی تجارت، کاروبار اور تعاون کے راستے کھلیں۔۔۔ ایک دوسرے سے تجارتی معاملات میں تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والے انسانوں اور ہر قسم کے جانداروں کی تمام

ضروریات۔۔غذا۔۔مکان۔۔پوشاک۔۔معدنیات۔۔ذخائر۔۔پانی۔۔گیس وغیرہ کا ایک ایسا بہترین۔۔اعلیٰ اور محفوظ گودام بنادیا ہے جس میں دنیا بھر میں بسنے والے انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات محفوظ کررہی ہیں۔۔۔وہ غذائیں اور معدنیات قیامت تک بڑھتی رہیں گی اور قیامت کی صبح تک حسب ضرورت باہر بھی نکلتی رہیں گی۔۔انسان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس طرح مخلوق مختلف اقسام کی ہے۔۔۔طرح طرح کے جاندار ہیں۔۔۔اسی طرح ان کی روزی کی بھی اَلْمُقِیْتُ نے لاتعداد اور بے شمار قسمیں بنائی ہیں۔۔۔سطح زمین ایک دسترخوان کی طرح ہے جہاں صلائے عام اور صدائے عام ہے۔

اَلْمُقِیْتُ نے قوت یعنی روزی پہنچانے میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں رکھا۔۔۔کافر ہو یا مومن۔۔۔فاسق وفاجر ہو یا زاہد و متقی۔۔۔سب کو روزی فراہم کر رہا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ والوں کے لیے روزی کی دعا کرتے ہوئے ایمانداری کی قید لگائی۔

وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے۔

اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (البقرہ:126)

میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔

اللہ اَلْمُقِیْتُ ہے اس لیے کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔۔۔اس کی حمد وثنا کرے یا نہ کرے۔۔۔کوئی اس کی ذات کا قائل بھی نہ ہو یا اس کی بارگاہ کا گستاخ ہو۔۔۔اس کے

ساتھ شریک بناتا ہو۔۔۔اللہ رب العزت کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر۔۔۔
نعرہ لگاتا ہو: مجھے جو کچھ دے رکھا ہے سب میرے حضرت کی نظر کرم ہے۔۔۔وہ اللہ کی
زمین پر رہتے ہوئے داتا اور گنج بخش کسی اور کو مانتا ہو۔۔۔کھوٹی قسمتیں کھری کرانے کے
لیے بری امام جاتا ہو۔۔۔دودھ جیسی نعمت پا کر اسے بطور نذر و نیاز غیر اللہ کے نام پر تقسیم
کرتا ہو۔۔۔اللہ کے تخلیق کردہ چہرے اور سر کو غیر اللہ کے آگے جھکاتا ہو۔۔۔اللہ کے سوا
اوروں کو مشکل کشا۔۔۔حاجت روا۔۔۔دستگیر۔۔۔لجپال۔۔۔غوث اعظم۔۔۔غریب
نواز۔۔۔اور کرنیاں بھرنیاں والا مانتا ہو۔۔۔وہ اس کی روزی بھی بند نہیں کرتا۔

اَلْمُقِيْتُ نے ہر جاندار کو روزی اور غذا حاصل کرنے کے طریقے بھی ودیعت کر
دیئے یا سکھا دیئے ہیں اس کے لیے مناسب آلات بھی بنا دیئے اور طور طریقے بھی سکھا دیئے۔

مرغی کا چوزہ پیدا ہوتے ہی زمین پر ٹھونگیں مارنے لگتا ہے۔۔۔اسے کس نے
پڑھایا ہے یا بتایا ہے۔۔۔؟ بعض جانوروں کو ان کی مائیں اشارہ کرتی ہیں اور بار بار تھن
ان کے منہ کے قریب لاتی ہیں پھر وہ اللہ کے ودیعت کیے ہوئے طریقہ سے ماں کے
پستان چوسنے لگتا ہے۔۔۔بلی کے بچوں نے کہاں سے سیکھا ہے۔۔۔؟ کہ تمہاری غذا
کہاں ہے۔۔۔؟ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔۔۔؟

اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ سب کو روزی اور قوت عطا کرنے والا ہے۔
اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ ہر ایک کی نگہبانی کرنے والا ہے۔
اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ ہر ایک کی روزی پیدا کر کے اس تک پہنچانے والا ہے۔
اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ ہر چیز پر قادر وہی ہے۔
اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ وہی بدن کے تمام قوائے کو قوت بخشتا ہے۔
اللہ ہی اَلْمُقِيْتُ ہے کہ وہی ہے جو قلب و دماغ اور روح کو غذا مہیا کرتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سراپا نور ☆ نور عطا کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (النور:35)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلنُّوْرُ کی تفسیر وتشریح بیان کرنے کی کوشش کروں گا اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ میں جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے اسی آیت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک اَلنُّوْرُ مروی ہوا۔

یہاں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) کا معنی اور مفہوم کیا ہے۔۔۔؟ مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ ھَادِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمان اور زمین والوں کی راہنمائی فرماتا ہے۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ مُنَوِّرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

اللہ رب العزت آسمانوں اور زمین کو منور اور روشن کرنے والا ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اَللّٰہُ مُزَیِّنُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمانوں اور زمین کو مزین اور آراستہ فرمانے والا ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کا معنی کرتے ہیں:

اَللّٰہُ مُدَبِّرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام کاموں کی تدبیریں کرنے والا ہے۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین و آسمان کی اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے، چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء واولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے، ہدایت و معرفت کا جو چکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کی وجہ سے منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ۔۔۔ اللہ کے نور کی مثال ایک طاق کی طرح ہے جس

میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو۔۔۔ اور قندیل یعنی شیشہ ایسا ہو جیسے روشن ستارا۔۔۔ اور چراغ عام تیل سے روشن نہیں ہوا بلکہ زیتون کے تیل سے جلایا گیا ہو۔۔۔ اور ایسے درخت کا زیتون جو نہ شرقی جانب نہ غربی جانب بلکہ باغ کے وسط میں ہو۔۔۔ جسے دھوپ اور ہوا ہر وقت لگے۔۔۔ تیل بھی ایسا کہ جلائے بغیر روشنی دینے لگے۔۔۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق اور چراغ میں جمع ہو گئیں اور وہ مجموعۂ نور بن گیا۔۔۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مومن کا شیشۂ دل انتہائی صاف اور بے حد شفاف ہوتا ہے اور اللہ کی بخشی ہوئی توفیق سے اس میں قبولِ حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ دیا سلائی دکھائے بغیر ہی روشن ہونے کو تیار رہے۔۔۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی اور قرآن کی تیز روشنی نے اس کو مَس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔۔۔ اسی کو آیت میں نورٌ علیٰ نور فرمایا۔۔۔ باقی یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اپنی روشنی اور نور عنایت فرمائے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہیے اور کس کو یہ روشنی نہیں ملنی چاہیے۔

آیت کی اسی تفسیر کو علماء نے بیان فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیْ یَهْتَدِیْ بِنُوْرِهٖ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اَیْ بِاٰیَاتِهٖ وَاَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلَیْهِ وَالْبَرَاهِیْنِ الْوَاضِحَةِ النَّیِّرَةِ یَهْتَدِیْ اَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلٰی تَوْحِیْدِهٖ وَالْاِقْرَارِ بِرُبُوْبِیَّتِهٖ وَتَنْزِیْهِهٖ مِنَ الْاَنْدَادِ وَالْاَمْثَالِ

اللہ رب العزت کے نور سے اہل سماء اور اہل ارض ہدایت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کے ذریعہ (جو آیات اس کی الوہیت و معبودیت پر برہان ہیں) اور واضح اور کھلے دلائل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رسائی پاتے ہیں اور زمین و آسمان کی انہی چیزوں کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور اسے ہر قسم کے شریکوں سے پاک سمجھتے ہیں۔

بعض علماء نے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ ھٰذَا النُّوْرِ الَّذِیْ فِی الْکَوَاکِبِ کُلِّھَا

اللہ ہی اس نور کا خالق ہے جو تمام ستاروں کو حاصل ہے۔

سامعین گرامی قدر! قرآن کریم میں نور کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرہ:257)

اللہ ایمان والوں کا دوست (کارساز) ہے جو انہیں (کفر وشرک کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان اور توحید کے) نور کی طرف نکالتا ہے۔

اس آیت میں کفر وشرک کو (ظلمات) اندھیرے اور توحید اور ایمان کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (یونس:5)

اللہ وہی ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا۔ (یہاں چاند کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ (الانعام:1)

تمام صفات الوہیت اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں اور نور کو بنایا۔

یہاں ظلمات سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی مراد ہے یا ظلمات سے شرک وکفر کی تاریکی اور نور سے ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے مقابلے میں ظلمات کو جمع

ذکر کیا گیا اس لیے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت ہیں۔۔۔انواع بھی کثیر ہیں۔۔۔اور اقسام بھی زیادہ ہیں۔۔۔اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام اقسام کو شامل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہ چونکہ ایمان اور ہدایت کا راستہ ایک ہی ہے زیادہ نہیں، اسی راستے کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔

جس جگہ سورت النور کی آیت نمبر 35 میں اپنے نور کی ایک تمثیل بیان فرمائی وہاں آخر میں فرمایا:

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (النور:35)

اللہ اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

یہاں نور سے مراد ایمان اور دین اسلام ہے۔۔۔اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کے دل میں انابت، رجوع الی اللہ اور طلب دیکھتا ہے انہیں اس نور کی طرف راہنمائی عطا فرما دیتا ہے۔۔۔یعنی ایمان کی طرف راہنمائی اور ہدایت کی نعمت اور دولت ضدی، عنادی اور ہٹ دھرم کو نہیں ملتی۔۔۔ہدایت اسے ملتی ہے جس میں انابت ہو۔۔۔دل کا برتن سیدھا ہو۔۔۔یاد رکھیے! طالب کو ہدایت ملتی ہے اور اگر طالب نہ ہو تو پھر کوئی ابو طالب بھی ہو اسے ہدایت کی دولت عطا نہیں ہوتی۔

ایک اور مقام پر نور کس معنی میں استعمال ہوا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ:15)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ گئی ہے۔

یہاں نور سے مراد قرآن ہے اور عطف تفسیری ہے۔۔۔جس کی تائید قرآن نے خود بیان فرمائی۔۔۔چنانچہ سورت الاعراف کی آیت نمبر 157 میں ارشاد ہوا:

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ

اور انہوں نے اس نور کی پیروی کی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اتارا گیا۔

سورت النساء میں ارشاد ہوا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (النساء:174)

ہم نے تمہاری طرف واضح اور صاف نور اتار دیا ہے۔

سورت التغابن میں فرمایا: فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (التغابن:8)

تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔

یعنی قرآن کے دلائل و براہین انتہائی روشن ہیں۔۔۔ قرآن کی تعلیم روح کو روشن اور دل و دماغ کو مزین کر دیتی ہے۔۔۔ قرآن کفر و شرک۔۔۔ فسق و فجور۔۔۔ ظلم والحاد کے اندھیروں میں روشنی پھیلاتا ہے۔۔۔ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے دلوں کو روشنی کی جانب لاتا ہے۔۔۔ اسی سے شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹتے ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔۔۔ یہی قرآن کفر والحاد کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔

سورت المائدہ کی آیت نمبر 15 میں نور سے مراد قرآن ہے اور عطف تفسیری ہے۔۔۔ متعدد مفسرین نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔۔۔۔ صاحب مدارک۔۔۔۔۔ تفسیر مظہری۔۔۔ بحر محیط اور ابوالسعود نے اسی معنی کو پسند فرمایا۔۔۔ اور سیاق وسباق بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔۔۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے ہماری ہدایت کے لیے دو ہی چیزیں آئی ہیں۔۔۔ ایک نبی اکرم ﷺ اور دوسری نعمت ہے قرآن مجید۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کا ذکر خیر آیت کی ابتداء میں يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا۔۔۔ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے۔

اب یہاں قَدْ جَاءَكُمْ نُورٌ۔۔۔ سے مراد قرآن مجید ہے اور۔۔۔ وَكِتَابٌ مُبِينٌ میں عطف تفسیری ہے۔

اور اگر فریق مخالف کی بات مان لی جائے اور سیاق وسباق کا لحاظ کیے بغیر اس آیت میں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی لی جائے تب بھی فریق مخالف کا مدعا حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس سے آپ کی بشریت کا انکار ثابت اور واضح ہوتا ہے کیونکہ لفظ نور سے آپ کی راہنمائی کے درجہ کو اور ہدایت والی وصف کو نمایاں کرنا مقصود ہے یعنی جس طرح نور (روشنی) سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے اور ہر شئی واضح نظر آنے لگتی ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات وارشادات سے کفروشرک اور جہالت وضلالت کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں۔۔۔اور صراط مستقیم واضح نظر آنے لگتی ہے۔۔۔تو آپ کو ذات کے اعتبار سے نور نہیں فرمایا بلکہ صفت کے اعتبار سے نور کہا گیا ہے کہ آپ کے ذریعہ شرک وکفر اور جہالت کے اندھیرے دور ہوئے اور توحید وہدایت کی راہ نظر آنے لگی۔

سورت المائدہ کی جس آیت کو آپ نبی اکرم ﷺ کے نور ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرر ہے ہیں اس سے اگلی آیت نے نور کی وضاحت بھی کر دی ہے ذرا اسے بھی پڑھ لیجیے۔۔۔

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (المائدہ:16)

اس نور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ رضائے رب کے درپے لوگوں کو سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہبری کرتا ہے۔

ایک مقام پر نور کا تذکرہ یوں فرمایا: أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام:122)

بھلا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا (یعنی کافر تھا) پھر اللہ نے اسے زندہ کر دیا (یعنی

ایمان کی دولت عطا فرمائی) اور ہم نے اسے ایک ایسا نور دے دیا (یعنی قرآن) جسے لے کر وہ لوگوں میں پھرتا ہے یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھیروں سے نکل ہی نہیں پا رہا اسی طرح کفار کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے۔

سورت الحدید میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کو نور قرار دیا گیا:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (الحدید:12)

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا ایمان دار مردوں اور عورتوں کو کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (آواز آئے گی) آج تمہیں ان باغات کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہی بہترین کامیابی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

میدانِ محشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے تو سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے اعمال اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگی شاید ایمان کی روشنی میں جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی دائیں جانب کیونکہ نیک عمل دائیں جانب جمع ہوتے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! جتنی آیات کریمہ میں نے آپ کو سنائیں ان میں کہیں ایمان کو نور کہا گیا۔۔۔ کہیں اعمالِ صالحہ کو نور کہا گیا۔۔۔ کہیں رشد و ہدایت کو نور کہا گیا۔۔۔ کہیں قرآن کریم کو نور کہا گیا۔

اللہ رب العزت کا ایک صفاتی نام اَلنُّوْرُ ہے اس لیے اللہ کی تلقین کردہ اعمال بھی نور ہیں۔۔۔ اس کی جانب سے آنے والی کتاب بھی نور ہے۔۔۔ مبعوث ہونے والے انبیاء بھی نور (ہدایت) ہیں۔۔۔ اترنے والی وحی نور ہے۔۔۔ وہی اَلنُّوْرُ ہے جو مومن کے

دل میں ایمان وتوحید کا نور ڈال کر اسے کفر وشرک کے اندھیروں سے نکالتا ہے۔

میں خطبہ کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کی چند دعاؤں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کے اسم مبارک اَلنُّوْرُ کے لیے بطور تائید ہوں گی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک رات نماز تہجد سے نبی اکرم ﷺ فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا۔۔۔ ذرا طویل ہے اس کا آخری حصہ سناتا ہوں اور موضوع سے بھی وہی مطابقت رکھتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَنُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَنُوْرًا مِّنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِّنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا عَنْ یَّمِیْنِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَنُوْرًا مِّنْ فَوْقِیْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ وَنُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَنُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِہٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَکَرَّمَ سُبْحَانَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (بخاری، کتاب الدعوات)

اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری قبر کو نورانی کردے، اور منور کردے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اوپر اور میرے نیچے، اور اے اللہ! نور پیدا فرما شنوائی اور بینائی میں، میرے بال اور روئیں میں، میرے گوشت میں، میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں، اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرے ساتھ کردے۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت وجلال کی چادر اوڑھ لی ہے اور بزرگی اور اکرام اس کا لباس ہے، پاک ہے وہ رب جس کے سوا کوئی تسبیح کے لائق نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل وانعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت وکرم ہے، پاک ہے رب ذوالجلال۔

طائف میں جب مشرکین نے آپ کو بہت ستایا۔۔۔ اور ذہنی ایذا دی۔۔۔ آپ

کے بدن سے بہنے والا خون آپ کی جوتیوں میں جم گیا۔۔۔آپ تین مرتبہ بے ہوش ہو کر گرے۔۔۔اس وقت آپ کی زبان پر یہ دعا جاری تھی۔

أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

میں آپ کے چہرے کے نور کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں جس نے اندھیروں کو چمکا دیا اور اس سے دنیا و آخرت کے کام اصلاح پذیر ہوئے۔

بعض روایات میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ رات کی تاریکی اور اندھیرے میں اپنے رب کو أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کہہ کر پکارتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تہجد میں ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ (ابوعوانہ کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر 2227)

اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں آپ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ان سب کا نور ہیں۔

آخر میں ایک حدیث پر اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ۔۔۔کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔۔۔آپ نے جواب میں فرمایا: نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ۔۔۔وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا۔ (مسلم، ترمذی سورت نجم)

یہی خیال ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے کہ معراج کی رات آپ نے اللہ کو نہیں دیکھا بلکہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس عقیدے کے رکھنے والے لوگ کہ آپ نے رب کو دیکھا تھا جھوٹا قرار دیتی ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلرَّفِیْعُ ☆ رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ

بلند مرتبے والا ☆ درجے بلند کرنے والا

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ (المومن:15)

سامعین گرامی قدر! آج کے میرے خطبہ کا موضوع اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلرَّفِیْعُ کا معنی ومفہوم بیان کرنا ہے، اللہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلرَّفِیْعُ رفعت سے ہے یہ وزن فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں آتا ہے۔۔۔ رفیع کا معنی بلندی والا۔۔۔ بلندی کا مالک۔۔۔ اور بلندی عطا کرنے والا ہے۔

اَلرَّفِیْعُ رفعت سے ہے۔۔۔۔ اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنے اقوال، افعال، ذات اور صفات میں سب سے بلند، برتر اور بالا قدر ہو۔

اَلرَّفِیْعُ۔۔۔ اس ہستی کو کہتے ہیں جو بلند بلکہ بالا ہو کہ جس کی بلندی کو کوئی بھی نہ پا سکے۔

سورت المومن میں دعویٰ توحید کو ذکر کرنے سے پہلے بطور تمہید تیرہ آیات میں ترغیب دی کہ اس دعویٰ کو نازل کرنے والا شہنشاہ، غالب، گناہ بخشنے والا، سخت عذاب والا

ہے لہٰذا اس کے دعویٰ کو غور سے سنو اور عمل کرو۔

پھر فرمایا: اس دعویٰ توحید کا انکار کرنے والے جھگڑالو اور ضدی لوگ ہیں۔۔۔

پھر فرمایا یہ اتنا عظیم دعویٰ ہے کہ جو لوگ اسے تسلیم کرلیں گے تو حاملین عرش ملائکہ ان کے لیے دعائیں مانگیں گے۔۔۔ اگر اس دعویٰ کو نہیں مانو گے تو قیامت کے دن پچھتاؤ گے اور اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرو گے۔

آیت نمبر 14 میں اس دعویٰ توحید کو ذکر فرمایا:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن:14)

پس تم اللہ کو پکارو خالص کرنے والے اس کے لیے پکار گو کافر ناپسند سمجھیں۔

دعویٰ ذکر کرنے کے بعد توجہ دلائی کہ اس دعویٰ کو معمولی دعویٰ یا غیر اہم بات نہ سمجھنا جس نے اس دعویٰ کو بھیجا ہے۔۔۔ وہ رفیع الدرجات ہے۔۔۔ رفیع المرتبہ۔۔۔ رفیع الشان۔۔۔ اونچے درجوں والا ہے۔۔ یا رفیع الدرجات کا معنی ہوگا۔۔۔ بلند و بالا درجوں اور مرتبوں پر فائز کرنے والا۔

اسی کا ارشاد گرامی ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ:11)

اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کردے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا۔

اس سے پہلی آیت میں مومنین کو مجلس اور محفل میں بیٹھنے کے آداب سکھائے گئے کہ کسی مجلس میں اس طرح بیٹھو کہ دوسروں کے لیے تنگی نہ ہو اور انہیں بھی بیٹھنے کی جگہ مل سکے۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو تم اٹھ جاؤ۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ہر شخص کی تمنا ہوتی تھی کہ وہ آپ کے قریب سے قریب تر بیٹھے جس کی بنا پر مجلس میں کبھی تنگی پیش آتی تھی یہاں تک کہ بعض اوقات ایسے صحابہ کو تکلیف ہوتی تھی جو خلوت میں دینی یا

جہادی امور پر آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے۔۔۔ یہاں مجلس میں بیٹھنے والوں کو آداب مجلس سکھائے جارہے ہیں کہ تمہیں مجلس نبوی سے اٹھ جانے کا حکم ہو تو اسے برا محسوس مت کرو اور خوشدلی کے ساتھ دوسروں کے لیے جگہ خالی کردو۔

اس کے ساتھ ہی ایمان اور علم کے ذریعہ بلندیٔ درجات کی نوید سنائی۔۔۔ اس کا ما قبل سے تعلق یہ ہے کہ سچا اور پختہ ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب، عاجزی، اطاعت امیر اور تہذیب سکھاتا ہے، ایماندار اور اہل علم جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان میں تواضع اور عاجزی آتی ہے، ایمان اور علم انہیں جھکنا سکھاتا ہے۔

نہد شاخ پُر میوہ سر برزمیں۔۔۔ پھل دار ٹہنی زمین کی جانب جھک جاتی ہے۔

ایماندار اور اہل علم جس قدر تواضع اختیار کرتے ہیں۔۔۔ رفیع الدرجات ان کے درجے ایمان اور علم کی بنا پر بلند کرتا جاتا ہے۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ

جو اللہ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے درجے بلند کردیتا ہے۔

متکبر، مغرور اور بے دین اور جاہل لوگوں کا کام ہے کہ اتنی سی بات پر منہ بنالے، چڑ جائے اور لڑائی کے لیے پر تولے کہ مجھے یہاں سے اٹھنے کا کیوں کہا گیا؟

اللہ رب العزت ہی اَلرَّفِيْعُ ہے اسی نے بغیر ستونوں کے آسمان کی اتنی وسیع و عریض چھت ہمارے سروں پر بلند کردی اور اپنی اس صفت اور کمال کو اپنی معبودیت کے لیے بطور دلیل پیش فرمایا۔

سورت الرعد میں ارشاد ہوا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد:2)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کردیا۔

اللہ رب العزت ہی اَلرَّفِيْعُ ہے جس نے اپنے بندوں کو درجات میں ایک

دوسرے پر رفعت اور بلندی عطا فرمائی، چنانچہ سورت الانعام میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الانعام:165)

اور وہی اللہ ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے ایک کے دوسرے پر درجات بلند کر دیئے۔

خَلٰٓئِفَ کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا کہ میرے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہو یا تم اللہ رب العزت کے عطا کردہ اختیارات کو بروئے کار لا کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی اور تیسرا معنی یہ ہے کہ تم کو ایک دوسرے کا نائب بنایا۔۔۔ باپ کے بعد بیٹا۔۔۔ یا ایک قوم جاتی ہے۔۔۔ تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوتی ہے۔

رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ ۔۔۔ یعنی تمہارے درمیان مدارج اور درجات میں فرق رکھا۔۔۔ شکل وصورت میں کوئی قبول صورت ہے کوئی بدصورت ہے۔۔۔ اور کوئی خوبصورت ہے۔۔۔ رنگت میں کوئی کالا ہے۔۔۔ کوئی سانولا ہے۔۔۔ کوئی گورا ہے۔۔۔ کوئی گورا چٹا ہے۔۔۔ لہجہ میں فرق رکھا۔۔۔ آواز میں فرق رکھا۔۔۔ کسی کی آواز باریک ہے۔۔۔ کسی کی بلند۔۔۔ کسی کی سریلی۔۔۔ اور کسی کی بھدی۔۔۔ عورت کی آواز الگ۔۔۔ اور مرد کی آواز میں فرق رکھ دیا۔

دولت اور رزق کے عطا کرنے میں فرق رکھا۔۔۔ کوئی دولتمند ہے۔۔۔ اور کوئی حاجتمند۔۔۔ کوئی امیر ہے۔۔۔ اور کوئی غریب۔۔۔ کوئی مل اونر۔۔۔ اور کوئی مزدور۔۔۔ کوئی مالک۔۔۔ اور کوئی مزارع۔۔۔ کوئی صاحب دکان۔۔۔ اور کوئی سیلز مین۔۔۔ کوئی بھیک مانگ رہا ہے۔۔۔ کوئی دے رہا ہے۔

عزت و مرتبے میں فرق رکھا۔۔۔ کوئی معزز ہے۔۔۔ اور کوئی معزز ترین

ہے۔۔۔ محاسن واوصاف میں فرق رکھا۔۔۔ کوئی خوش اخلاق ہے۔۔۔ کوئی بداخلاق ہے۔۔۔ کوئی شیریں مزاج۔۔۔ اور کوئی تندخو۔۔۔ کوئی حوصلے اور تحمل والا اور کوئی غصے سے بھرا ہوا۔۔۔ کسی کی طبیعت میں تکبر اور غرور ہے۔۔۔ اور کسی کی طبیعت میں عاجزی اور انکساری ہے۔۔۔ علم کے اعتبار سے لوگوں کے درمیان فرق ہے۔۔۔ ایک عالم ہے دوسرا جاہل ہے۔۔۔ ایک بہت بڑا عالم ہے۔۔۔ دوسرا نیم خواندہ ہے۔

غرضیکہ درجات میں فرق رکھ کر آزمائش مقصود ہے، مثلاً غنی اور سرمایہ دار اور دولتمند حالت غنا میں رہ کر کہاں تک نعمتوں کا شکر کرتا ہے اور غریب، محتاج اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے۔

غرضیکہ اَلرَّفِیْعُ ہی ہے جس نے اولادِ آدم کے مدارج اور درجات میں فرق رکھا ہے اور بعض کو بعض پر بلندی عطا فرمائی ہے۔

اللہ رب العزت اَلرَّفِیْعُ ہے جس نے اپنے آخری پیغمبر۔۔۔ امام الانبیاء۔۔۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو بلندی اور برتری عطا فرمائی اور قرآن میں اعلان فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح:4)

اے میرے پیغمبر! ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

اور بلند بھی اتنا کہ ساری کائنات میں انبیاء کرام علیہم السلام، فرشتے اور جن وانس مل کر آپ کے ذکر کو اتنا بلند نہیں کر سکتے جتنا بلند میں اکیلے اللہ نے کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں نہایت عمدہ تحریر فرمایا:

یعنی فرشتوں اور پیغمبروں میں آپ کا نام بلند کر دیا دنیا میں تمام سمجھدار انسان نہایت عزت ورفعت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں، اذان واقامت، خطبہ، کلمہ طیبہ اور التحیات وغیرہ میں اللہ کے نام کے بعد آپ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ کے ساتھ آپ کی فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔

الرَّفِيعُ نے میرے نبی اکرم ﷺ کا ایسا ذکر بلند فرمایا۔۔۔اور دنیا میں میرے نبی کے نام کی ایسی دھوم مچی کہ میرے نبی کے تشریف لانے کے بعد تو آپ کے تذکرے ہونے ہی ہونے تھے۔۔۔آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر۔۔۔اور آپ کے کمالات واخلاق کو دیکھ کر۔۔۔آپ کی امانت، صداقت، شرافت اور دیانت کو دیکھ کر۔۔۔آپ کے حیا کو دیکھ کر۔۔۔آپ کی انکساری اور تواضع کو دیکھ کر۔۔۔ہر بندے نے ایسے باجمال اور باکمال شخص کے تذکرے کرنے ہی کرنے تھے۔۔۔مگر میرا نبی ایسا عظیم ہے کہ ابھی دنیا میں نہیں آئے کہ میرے نبی کے تذکرے ہوئے تھے۔۔۔ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعاؤں میں۔۔۔اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں میں۔۔۔سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہوئے دعا مانگی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ:129)

اے ہمارے پروردگار! بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے جو انہیں تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے یقینا تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف:6)

اور میں خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبِشَارَةُ عِيسَى۔۔۔ میں ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی

بشارت کا مصداق ہوں۔ دعائے خلیل اور نوید مسیحا

میرے نبی کے ذکر کو اَلرَّفِیْعُ نے اتنا بلند و بالا فرمایا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز کرتے ہوئے عہد و پیمان لیا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (81) فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (آل عمران: 82-81)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آئے تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول جو تمہارے پاس موجود کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو تو تم لازماً اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا اللہ نے کہا کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ نبیوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اللہ نے فرمایا تم بھی گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پس جو کوئی اس اقرار کے بعد پھرے وہی لوگ فاسق ہیں۔

اللہ اَلرَّفِیْعُ نے محمد عربی ﷺ کے ذکر خیر کو دنیا کے کونے کونے میں بلند فرما دیا۔۔۔ جہاں اللہ رب تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے وہیں میرے نبی کا نام بھی ساتھ لیا جاتا ہے۔

کلمہ مکمل نہیں ہوتا جب تک میرے نبی ﷺ کا نام نہ ہو۔۔۔ اذان مکمل نہیں ہوتی جب تک میرے نبی کا نام نہ ہو۔۔۔ تکبیر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک میرے نبی کا نام نہ ہو۔۔۔ التحیات مکمل نہیں ہوتی جب تک میرے نبی ﷺ پر درود و سلام نہ ہو۔۔۔ قبر کا سوال و جواب مکمل نہیں ہوتا جب تک میرے نبی ﷺ کا تذکرہ نہ ہو۔

میرے نبی کے ذکر خیر کو یوں بلند فرمایا کہ اپنے تو اپنے رہے پرائے بھی ان کے گیت گاتے نظر آتے ہیں۔۔۔ صرف دوست نہیں دشمن بھی ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔۔۔ صرف انسان نہیں جنات بھی اور فرشتے بھی اس کے گن گاتے ہیں۔۔۔ صرف دنیا میں نہیں

کل قیامت کے دن بھی محمد عربی ﷺ کی عظمت اپنے جوبن پر نظر آئے گی۔۔۔حوضِ کوثر کے ساقی کی حیثیت سے۔۔۔لواء الحمد کے حامل کی حیثیت سے۔۔۔مقامِ محمود کے دولہا کی حیثیت سے۔۔۔سب سے پہلے جنت کے دروازے کے کھٹکھٹانے کی حیثیت سے۔۔۔جنت میں مقامِ وسیلہ کے مکین ہونے کی حیثیت سے۔۔۔

غرضیکہ اللہ جو اَلرَّفِيْعُ ہے۔۔۔اسی نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا اعلان کر کے دنیا والوں کو بتایا کہ ہم نے محمد عربی ﷺ کے ذکر کو بلند و بالا کر دیا ہے۔

اللہ رب العزت اَلرَّفِيْعُ ہے اور اسی اسم گرامی کا اثر ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں کے درجات بلند کرتا ہے۔۔۔نیک اعمال کو اپنی طرف اٹھالیتا ہے۔۔۔اور بندوں کو اجر سے مالا مال کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اَلرَّفِيْعُ ہے اور اسی کا اثر ہے کہ وہ اپنے کچھ بندوں کو دوسرے پر علم و عمل۔۔۔دولت و ثروت۔۔۔عزت و جاہ۔۔۔عمر و صحت میں فوقیت عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلرَّفِيْعُ کو مدنظر رکھ کر بندوں کو چاہیے کہ مخلوقِ رب کے ساتھ پیار و شفقت۔۔۔اور عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آئیں تاکہ اَلرَّفِيْعُ ان کے مرتبہ کو بلند کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلرَّفِيْعُ کا تقاضا ہے کہ مسلمان احکامِ الٰہیہ کو ماننے میں لیت و لعل اور بہانہ سازیوں سے کام نہ لے بلکہ دل کی خوشی اور رضا سے ان کی تعمیل کرے۔ ورنہ بنی اسرائیل نے کٹ حجتی اور بہانہ سازی سے کام لیا تو اَلرَّفِيْعُ نے طور کو بلند کر کے ان کے سروں پر لا کر اقرار اور تعمیل کروائی تھی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (البقرہ:63)

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تمہارے اوپر طور کو لا کھڑا کیا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ہر شئی کا شمار کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یٰسین 12:)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں ۔۔۔۔ میں اللہ رب العزت کے ایک اسم گرامی اَلْمُحْصِیْ کا مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْمُحْصِیْ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْمُحْصِیْ هُوَ الَّذِیْ بِالظَّاهِرِ بَصِیْرٌ وَبِالسَّرَائِرِ خَبِیْرٌ

اَلْمُحْصِیْ وہ ذات ہے جو تمام ظاہری چیزوں کو (جو چیزیں ہمارے سامنے ہیں) دیکھنے والی ہے اور تمام پوشیدہ (جو ہم سے پوشیدہ ہیں) چیزوں سے واقف اور خبردار ہے۔

بعض علماء نے فرمایا:

اَلْمُحْصِیْ هُوَ الَّذِیْ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ بِعِلْمِهٖ فَلَا یَفُوْتُهٗ مِنْهَا دَقِیْقٌ وَلَا یُعْجِزُهٗ جَلِیْلٌ

اَلْمُحْصِیُ وہ ہستی ہے جس نے اپنے علم کے مطابق ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے چھوٹی سے چھوٹی سی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہوسکتی اور بڑی سے بڑی چیز اسے علم میں لانے سے عاجز نہیں کرسکتی۔

اَلْمُحْصِیُ کی ایک تعریف یوں کی گئی ہے:

اَلْمُحْصِیُ اَلْعَالِمُ الَّذِیْ یُحْصِیُ الْمَعْلُوْمَاتِ

اَلْمُحْصِیُ علم رکھنے والی وہ ہستی ہے جو تمام معلومات کو شمار کیے ہوئے ہے۔

اَحْصَاء کے معنی ہوئے گننا اور شمار کرنا۔۔۔سورت الطلاق میں ارشاد ہوا:

وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:1)

اور جب عدت کی مدت شمار کرو۔

یعنی عدت کی ابتداء اور انتہاء کا خیال رکھو اور نظر رکھو اور گن کر رکھو تاکہ رجوع کرنے میں یا عورت دوسری جگہ نکاح کرنے میں آزاد ہو۔

سورت الجن میں اپنے علم کی وسعت کو۔۔۔اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعض غیوب پر مطلع ہونے کا تذکرہ فرمایا:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلَىٰ غَیْبِهِ أَحَدًا (26) إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ یَسْلُكُ مِن بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (الجن:27-26)

وہ اللہ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرتا ہے (لیکن) اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

یعنی اپنے بھید کی خبر کسی کو نہیں دیتا ہاں رسولوں کو جس قدر ان کی شان و منصب کے لائق ہو بذریعہ وحی خبر دیتا ہے اس وحی کے ساتھ فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل اندازی کرنے نہ پائے۔

لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ

تا کہ اللہ جان لے کہ انہوں نے رب کے پیغام پہنچا دیئے۔

یعنی یہ زبردست انتظام اس غرض سے ہوئے ہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں تک اور پیغمبروں نے امت تک اس کے پیغام ٹھیک بلاکم وکاست پہنچا دیئے ہیں۔

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن:27)

اللہ نے ان کے آس پاس کی چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔

فرشتوں اور نبیوں کے پاس کی ہر چیز کا اللہ رب العزت نے احاطہ کر رکھا ہے۔۔۔جو کچھ ہو چکا اور یا جو کچھ ہو گا۔۔۔دنیا کی ہر ہر چیز کے ایک ایک جزء کی گنتی اس کے علم میں ہے۔

اسے معلوم ہے کہ کائنات میں صحرا کتنے ہیں۔۔۔؟ اور ان صحراؤں میں ذرے کتنے ہیں۔۔۔؟ دنیا میں پہاڑ کتنے ہیں۔۔۔؟ اور ان میں کنکر کتنے ہیں۔۔۔؟ دریا۔۔۔ سمندر۔۔۔ ندیاں۔۔۔ نالے۔۔۔ نہریں۔۔۔ آبشاریں۔۔۔ کنویں۔۔۔؟ اور چشمے کتنے ہیں۔۔۔؟ اور ان میں پانی کے قطرے کتنے ہیں۔۔۔؟ درخت کتنے ہیں۔۔۔؟ ان پر لگنے والے پھول اور پھل کتنے ہیں۔۔۔؟ درختوں کی ٹہنیاں کتنی ہیں۔۔۔؟ اور ان پر لگنے والے پتے کتنے ہیں۔۔۔؟ برسنے والی بارش میں کتنے قطرے زمین پر گرے ہیں۔۔۔؟ ان کی گنتی اَلْمُحْصِیُ کے پاس ہے۔

اس کائنات میں انسان کتنے بستے ہیں۔۔۔؟ جنات کی تعداد کتنی ہے۔۔۔؟ ملائکہ کی گنتی کتنی ہے۔۔۔؟ اس دنیا میں درندے، چرندے اور پرندے کتنے ہیں۔۔۔؟ حشرات الارض کی تعداد کتنی ہے۔۔۔؟ کیڑے مکوڑے، مچھر، مکھیاں کس تعداد میں

ہیں۔۔۔؟ آسمان پر تارے کتنے ہیں۔۔۔؟ انسانوں کے جسم پر اگنے والے بال کتنے ہیں۔۔۔؟ ہر ہر چیز کی گنتی کا شمار اللہ ہی کے پاس ہے۔۔۔اسے ہی علم غیب کہتے ہیں۔۔۔ اس میں سے اللہ رب العزت اپنے نبی کو یا نیک بندے کو ایک بات پر یا سو باتوں پر مطلع کر دے ہم اس کے منکر نہیں ہیں مگر اسے علم غیب نہیں کہتے بلکہ اسے اطلاع علی الغیب کہتے ہیں۔

مبتدعین کا اس آیت سے امام الانبیاء ﷺ کے لیے کلی علم غیب ثابت کرنا مضحکہ خیز ہے۔۔۔ یہاں علم کا لفظ ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ اظہار کا لفظ استعمال ہوا ہے۔۔۔ سورت آل عمران میں بھی اسی مضمون کی آیت موجود ہے وہاں بھی علم کا نہیں بلکہ اطلاع کے الفاظ آئے ہیں۔

سورت النباء میں اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا (28) وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (النباء: 29-28)

وہ جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ (یعنی لوح محفوظ میں ہر ہر چیز اور ہر ہر عمل محفوظ ہے)

اسی کو سورت یٰسین میں بیان فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (یٰسین: 12)

یقیناً ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھ رہے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں محفوظ کر لیا ہے۔

یہاں مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال وافعال مراد ہیں جو کوئی شخص اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثَارَهُمْ سے وہ اعمال مراد ہیں جن کے عملی نمونے (اچھے بھی اور برے بھی) وہ دنیا

میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ انہی کاموں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

جس طرح نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی ہے:

جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ بھی ہے اور اس کا بوجھ بھی جو اس برے طریقہ پر عمل کرے گا۔

(مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

اسی طرح امام الانبیاء ﷺ کا ایک مشہور و معروف ارشاد گرامی ہے:

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (جن کا اجر و ثواب اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے) ایک علم۔۔۔ جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔۔۔ دوسرا نیک اولاد۔۔۔ جو مرنے والے کے لیے دعا کر رہی ہے۔۔۔ تیسرا صدقۂ جاریہ۔۔۔ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فائدہ حاصل کرتے رہے ہیں۔ (مسلم، کتاب الھبۃ)

علماء کرام نے اٰثَارَھُمْ کا ایک مفہوم اور بھی ذکر کیا ہے۔۔۔ کہ اٰثَارَھُمْ سے مراد قدم کے نشانات ہیں یعنی انسان نیک کام اور عمل کے لیے یا برے فعل کے لیے جو سفر کرتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی محفوظ ہوتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں۔

اس کی ایک مثال میں حدیث سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی۔۔۔ بنو سلمہ قبیلے کے کچھ لوگوں نے وہاں منتقل ہونے اور گھر بنانے کا ارادہ کیا۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے انہیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا:

دِیَارَکُمْ تُکْتَبْ اٰثَارُکُمْ۔۔۔ یہ جملے آپ نے دو مرتبہ فرمائے۔۔۔ یعنی

تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں لیکن وہیں رہو جتنے قدم چل کر مسجد کی طرف آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔ (مسلم، کتاب المساجد)

سورت المجادلہ میں اسے یوں بیان فرمایا:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المجادلہ:6)

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا جسے اللہ نے یاد رکھا اور جسے وہ بھول گئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

(ذہنوں میں اٹھنے والے ایک اشکال کا جواب ہے کہ لوگوں کی اتنی کثرت اور پھر گناہوں کی اس قدر کثرت اس کا گننا اور شمار رکھنا بظاہر ناممکن ہے اللہ رب العزت نے فرمایا ہمارے لیے کچھ ناممکن نہیں تمہیں اپنے کیے ہوئے عمل اور کام یاد نہیں رہتے اللہ تعالیٰ نے ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام محفوظ رکھا ہوا ہے)

اگلی آیت میں تعمیم بعد التخصیص ہے کہ صرف انسان کے اعمال وافعال پر کیا منحصر ہے زمین وآسمان کی چھوٹی اور بڑی چیز ---کوئی مجلس اور محفل ---کوئی رازدارانہ بات اور سرگوشی ---کوئی خفیہ سے خفیہ تدبیر اور مشورہ ---ایسا نہیں جو ہمارے علم میں نہ ہو۔

جہاں تین شخص چھپ کر مشورہ کرتے ہیں وہاں چوتھا اللہ ہوتا ہے--- پانچ آدمیوں پر مشتمل کمیٹی یہ نہ سمجھے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں ہے--- ذہن نشین کرلو اور اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ تین شخص ہوں یا پانچ یا اس سے کم زیادہ--- وہ کہیں پر ہوں اور کسی حالت میں ہوں اللہ رب العزت ہر جگہ اپنے محیط علم سے ان کے ساتھ ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللّٰهَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (المجادلہ:7)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز سے اللہ باخبر ہے تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ کا مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی صفت اَلْمُحْصِيْ کے مفہوم کا کچھ تذکرہ سورت الکہف میں فرمایا ہے کہ سب لوگ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور نامۂ اعمال ہر ایک کے سامنے رکھ دیا جائے گا مجرم اور مشرک لوگ اس نامۂ اعمال کو دیکھ کر خوفزدہ ہوں گے اور کہیں گے:

يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکہف:49)

ہائے ہماری خرابی یہ (اعمال نامہ) کیسی کتاب ہے جس نے ہر چھوٹی بڑی بات کو شمار کر رکھا ہے جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے مبارک نام اور اعلیٰ صفت اَلْمُحْصِيْ کا تصور ذہن میں ہر وقت رہے کہ میرا ایک ایک عمل۔۔۔ ایک ایک فعل۔۔۔ ایک ایک حرکت و جنبش۔۔۔ اس کی نظروں میں ہے۔۔۔ ایک ایک عمل وہ گن رہا ہے۔۔۔ اور اعمال نامہ میں محفوظ ہو رہا ہے۔۔۔ تو پھر ہر شخص اپنے عمل کا محاسبہ کرے گا۔۔۔ جب غلطی اور گناہ کرے گا تو توبہ و استغفار کرے گا۔

کبھی گناہ کا کام سرزد ہونے لگے تو فوراً خیال آئے گا کہ یوم الحساب میں اعمال نامہ پیش ہوگا تو میرے پاس اس گناہ کا کیا عذر ہوگا؟

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے سنہری دور میں جب وہ رات کے پچھلے پہر۔۔۔ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک گھر سے بوڑھی عورت کی آواز آئی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ آج بکریوں نے دودھ تھوڑا دیا ہے، خریدنے والے لوگ تو آئیں گے لہٰذا تھوڑا سا پانی ڈال دے۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا ماں! امیر المومنین نے ملاوٹ کرنے سے روکا ہوا ہے۔۔۔ ماں کہتی ہے پگلی کیا امیر المومنین گھر کے اندر دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے کتنا خوبصورت اور تقوٰی پر مبنی جواب دیا۔۔۔ کہا:

اِنْ کَانَ عُمَرُ لَا یَنْظُرُ فَرَبُّ عُمَرَ یَنْظُرُ

اگر عمر نہیں دیکھ رہا عمر کا رب تو دیکھ رہا ہے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے شاگردوں کے ساتھ مدینہ کے نواح میں نکلے، ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ازراہِ امتحان اس چرواہے سے کہا کہ مجھے دودھ کی طلب ہے تم کسی بکری کا دودھ نکال کر قیمتاً مجھے دے دو۔۔۔ چرواہا کہنے لگا مالک نے اس کی اجازت نہیں دی۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اچھا ایسے کرو ایک بکری مجھے فروخت کر دو۔۔۔ تمہیں کچھ رقم مل جائے گی اور میں دودھ پی لوں گا۔۔۔ مالک نے پوچھا تو کہہ دینا بھیڑیئے نے حملہ کیا تھا اور بکری کو اٹھا کر لے گیا ہے۔۔۔ چرواہے نے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا:

فَاَیْنَ اللہِ۔۔۔ پھر اللہ کہاں جائے گا؟ وہ تو میری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے اور میرے ایک ایک عمل کو شمار کر رہا ہے میرے ہر فعل کی اسے خبر ہے۔۔۔ یہی مفہوم ہے اَلْمُحْصِیُ کا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْمَنَّانُ ۔ اَلْمُحْسِنُ

احسان کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ یَتْلُوْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (آل عمران:164)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں کوشش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک مبارک اسم گرامی اَلْمَنَّانُ اور اسی کے ہم معنی اَلْمُحْسِنُ کی مختصر سی تشریح اور تفسیر بیان کروں، اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْمَنَّانُ کا معنی مانگنے سے پہلے احسان کرنے والا۔۔۔ عظیم ہبہ کرنے والا۔۔۔ کثرت سے عطیات بخشنے والا۔۔۔ اور وسعت اور کثرت سے احسان کرنے والا۔

اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن کریم میں وارد نہیں ہوا بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

وَرَجُلٌ يُصَلِّي۔۔۔اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔

ثُمَّ دَعَا۔۔۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اِن کلمات کے ساتھ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں تیرے سوا کوئی بھی معبود نہیں تو منّان ہے زمین وآسمان کو بنانے والا اے جلال وعزت والے،اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے۔

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ دَعَا اللهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى (ابوداود، ترمذی، کتاب الدعوات)

یقینا اس شخص نے اللہ کو اس کے اس عظیم نام سے پکارا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی گئی اللہ نے قبول فرمائی اور جب بھی اس نام کے ذریعہ اس سے سوال کیا گیا اللہ نے عطا فرمایا۔

اَلْمَنَّانُ وہ ہے جو سوال کرنے سے پہلے احسان کردیتا ہے اور عطا کرتا ہے۔

سورت ابراہیم میں اللہ رب العزت نے اپنے انعامات اور احسانات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ آسمان سے بارش کے برسانے کا۔۔۔پانی کے ذریعہ مختلف پھلوں سے روزی فراہم کرنے کا۔۔۔کشتیوں کا چلنا۔۔۔نہروں کا مسخر کرنا۔۔۔سورج اور چاند کا نظام۔۔۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم:34)

جو کچھ تم نے مانگا اللہ نے تمہیں عطا فرمایا۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ عطا کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔۔۔اور ایک معنی یہ بھی ہے کہ جو چیزیں مانگنے کے قابل اور لائق ہیں وہ اللہ نے بن مانگے عطا کر

دیں۔

ہم نے اپنا وجود تک اللہ سے نہیں مانگا۔۔۔ اَلْمَنَّانُ نے ہمیں بن مانگے دیا اور احسان کیا۔۔۔ ہمارے جسم کے اعضاء، ناک۔۔۔کان۔۔۔آنکھیں۔۔۔زبان۔۔۔ ہاتھ۔۔۔ پاؤں۔۔۔سب اَلْمَنَّانُ کا احسان ہی تو ہے۔۔۔ہم ماں کے بطن سے خالی ہاتھ۔۔۔ننگے جسم۔۔۔اور ننگے پاؤں آئے تھے۔۔۔ اَلْمَنَّانُ نے ہمیں سر چھپانے کے لیے مکان دیئے۔۔۔کاروبار۔۔۔کھانے پینے کی فراوانی بخشی۔۔۔اولاد جیسی نعمت اسی کا احسان ہی تو ہے۔۔۔صحت مند زندگی اور یہ لیل ونہار اَلْمُحْسِنُ کے احسان کا نتیجہ ہیں۔

پھر اس نے مسلمانوں پر روحانی احسان فرمائے۔۔۔ کہ انہیں ہدایت کے نور سے مالا مال فرمایا۔۔۔ اور ایمان جیسی دولت عطا فرمائی۔۔۔ سورت الحجرات میں کچھ لوگوں کا اللہ رب العزت نے تذکرہ فرمایا:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (الحجرات:16)

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔

(بعض مفسرین کہتے ہیں ان سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنہوں نے قحط سالی میں صرف صدقات اور خیرات کی وصولی کے لیے یا قیدی بننے اور قتل ہونے سے بچنے کے لیے زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا اور اسے بھی وہ نبی اکرم ﷺ پر احسان سمجھ رہے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے مراد وہ دیہاتی ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے قلوب میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا مگر دعوے ان کے حقیقت سے بڑھ کر تھے، وہ کہتے تھے ہم بدون لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے گویا کہ مسلمان ہونا نبی اکرم ﷺ پر احسان ہے) جواب دیا گیا:

اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی۔۔۔ایمان کی دولت بے بہا کا نصیب ہو جانا۔۔۔اَلْمَنَّانُ کا مسلمانوں پر احسان ہے۔۔۔اور امت محمدیہ پر تو اس کا عظیم احسان ہے کہ انہیں قرآن جیسی کتاب عطا کی۔۔۔اور محمد عربی ﷺ جیسے عظیم نبی کی امت بنایا۔

کتاب ایسی دی جس کی ناسخ کتاب نہیں آئے گی۔۔۔جو محکم بھی ہے اور مفصل بھی۔۔۔ ہر قسم کی تحریف سے محفوظ بھی۔۔۔ایسی کتاب عطا کی جو ہدایت بھی ہے اور نصیحت بھی۔۔۔نور بھی ہے اور مبارک بھی۔۔۔ضیاء بھی اور برہان بھی۔۔۔روشنی بھی اور حجت بھی۔

اور نبی اتنا عظیم الشان عطا فرمایا جو صرف نبی نہیں بلکہ امام الانبیاء ہے۔۔۔جو صرف رسول نہیں خاتم المرسلین ہے۔۔۔رحمۃ للعالمین بھی ہے۔۔۔اور شفیع المذنبین بھی۔۔۔صاحب قرآن بھی اور صاحب معراج بھی۔۔۔حوض کوثر کا ساقی بھی۔۔۔اور لواء الحمد کا حامل بھی۔۔۔مقام محمود کا دولہا بھی۔۔۔

اللہ رب العزت نے اپنی نعمتوں میں سے کسی نعمت کو اور اپنے احسانات میں سے کسی احسان کو نہیں جتلایا۔۔۔کہ میں نے وجود بخش کر تم پر احسان کیا۔۔۔اعضاء دے کر تم پر احسان کیا۔۔۔صرف ایک احسان کو جتلایا کہ میں نے تمہیں محمد عربی ﷺ جیسا نبی عطا فرمایا۔۔ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران:164)

بیشک مومنوں اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب

اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب لوگ اس نبی کے آنے سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت سے پہلے آیت نمبر 161 میں منافقین کے اس الزام کا جواب دیا جو انہوں نے کسی جنگ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر لگایا تھا کہ مال غنیمت میں آنے والی چادر گم ہوگئی تو کہنے لگے شاید آپ نے اپنے لیے رکھ لی ہوگی، اس کے جواب میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ (آل عمران: 161)

نبی کے لائق نہیں کہ خیانت کا ارتکاب کرے۔

آیت نمبر 164 میں فرمایا کہ میں نے تم پر احسان کیا کہ اتنا عظیم الشان پیغمبر تم میں مبعوث کیا تمہیں تو اس نعمت اور احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔۔۔ بجائے احسان ماننے کے اور بجائے شکر کرنے کے تم ان پر الزام تراشیاں کررہے ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

یعنی انہی کی جنس اور قوم میں سے ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا، اور ہر قسم کے انوار و برکات سے استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی، امانت و دیانت، خداترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کرلینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جداگانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ وجنیہ کا نتیجہ ہوں ہمارا اس سے عاجز رہ جانا دلیل نبوت نہیں بن سکتا بہرحال مومنین کو اللہ کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کرسکتے ہیں اور وہ باوجود معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے ان ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی ور ملاطفت کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے ﷺ)

اَلْمَنَّانُ اس کو کہتے ہیں جس نے مسلمانوں کو ان قیدیوں کے ساتھ بھی احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے جو قیدی بڑی تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو مٹانے کے لیے اور دین کی شمع بجھانے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئے تھے اور پھر شکست کے بعد قیدی بن گئے۔۔۔ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کے امیر کو اختیار ہے احسان کرتے ہوئے بلا معاوضہ انہیں رہا کر دے یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے یا اپنے قیدیوں کے بدلے انہیں رہا کر دے۔

سورت محمد میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ میدانِ جنگ میں کفار کو مارو اور انہیں قتل کرو جو بچ جائیں انہیں قیدی بنالو۔۔۔پھر تمہیں اختیار ہے:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد:4)

خواہ احسان اور منت رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کرو۔

سامعین گرامی قدر! اَلْمَنَّانُ کے حوالے سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم اور اہم اور بڑے بڑے احسان کرنے کے باوجود (سوائے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے) کسی احسان کو جتلایا نہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ اَلْمَنَّانُ کی مخلوق کے ساتھ کوئی نیکی و بھلائی اور احسان کرنے کے بعد احسان نہ جتلائیں اور احسان جتلا کر انہیں تکلیف اور ذہنی اذیت نہ دیں۔۔۔اللہ رب العزت نے اس سے قرآن میں منع فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ (البقرہ:264)

اے ایمان والو! اپنی خیرات وصدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔

اس سے پہلے آیت نمبر 162 میں انہی لوگوں کے لیے اجر وثواب کا وعدہ ہوا جو غربا پر مال خرچ کر کے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ انہیں ایذا پہنچاتے ہیں۔۔۔کسی پر احسان کر کے۔۔۔کسی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کر کے احسان جتلانا اتنی بڑی قبیح حرکت ہے

اور اتنا بڑا جرم ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ (مسند احمد، ابن ماجہ بحوالہ ابن کثیر)

احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

احسان کر کے، بھلائی اور نیکی کر کے اسے جتلانا۔۔۔ یہ فرعون کی خصلت بتائی گئی ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہو کر فرعون کے دربار میں پہنچے۔۔۔ اپنی رسالت کا اعلان فرمایا۔۔۔ اللہ رب العزت کی ربوبیت کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔۔۔ فرعون جواب میں کہنے لگا:

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (الشعراء:18)

کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کے حکم کے مطابق موسیٰ کو صندوق میں بند کیا۔۔۔ صندوق فرعون کے دربار میں پہنچ گیا۔۔۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے موسیٰ کو گود میں لے لیا۔۔۔ موسیٰ کی پرورش فرعون کے دربار میں ہوئی (پورا قصہ سورت القصص میں ہے)

پھر بچپن، لڑکپن اور جوانی کے ابتدائی سال بھی فرعون کے گھر گزارے۔۔۔ آج دعوتِ حق کے جواب میں فرعون نے اسی احسان کو جتلایا کہ ہم نے تیری پرورش کی تھی۔۔۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا دندان شکن جواب دیا۔۔۔ فرمایا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (الشعراء:22)

مجھ پر تیرا یہی احسان ہے جسے تو جتلا رہا ہے جبکہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔

یعنی ظالم یہ احسان جتاتے ہوئے تجھے ذرا شرم نہیں آئی۔۔۔ کہ تو میری قوم کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا۔۔۔ اگر تیرا یہ ظالمانہ رویہ نہ ہوتا تو میں بھی ماں کی شفقت والی گود

میں پرورش پاتا پھر ظالم مجھے تو نے محل میں پالا اور میری پوری قوم کو غلامی کی زنجیروں میں تو نے جکڑ رکھا ہے۔

آخر میں ایک ارشاد نبوی پر اپنی بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِثْنَتَيْنِ۔۔۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے دو باتیں یاد کی ہیں۔۔۔ وہ کون سی دو باتیں ہیں؟

اِنَّ اللّٰهَ مُحْسِنٌ يُحِبُّ الْاِحْسَانَ (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر 8603)

بیشک اللہ محسن ہے اور احسان کرنے کو پسند کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے جس میں اللہ رب العزت کے اسم گرامی محسن کا تذکرہ ہے۔

اِذَا حَكَمْتُمْ فَاعْدِلُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مُحْسِنٌ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (طبرانی)

جب تم فیصلہ کرو تو عدل کرو بیشک اللہ محسن ہے احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مُحْسِنٌ وَيُحِبُّ الْاِحْسَانَ

بیشک اللہ احسان کرنے والا (محسن) ہے اور احسان کو پسند فرماتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مدد کرنے والا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (الانفال:40)

سامعین گرامی قدر! آج اللہ رب العزت کے ایک مبارک اسم گرامی اَلنَّاصِرُ کا معنی اور مفہوم بیان کرنے کا ارادہ ہے، اللہ رب العزت مجھے اپنی رحمت سے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلنَّصِيْرُ، اَلنَّاصِرُ، نِعْمَ النَّصِيْرُ یہ تینوں اسماء ہم معنی ہیں۔۔۔ان کا معنی ہے وہ ذات جو ہر حالت میں اور خاص کر کے مشکل حالات میں اپنے بندوں کی غائبانہ مدد فرماتا ہے۔۔۔میں نے غائبانہ کا لفظ کہہ کر بہت سے شبہات اور اشکالات کو دور کر دیا ہے۔

ایک مدد وہ ہے جو ہم ایک دوسرے کی کرتے رہتے ہیں۔۔۔اور دوسروں کو اپیل کرتے رہتے ہیں کہ "میری مدد کر"، "مجھے پانی پلا دے"، "یہ بوجھ میری سواری پر رکھنے میں میری مدد کر"، "مجھے اس کام میں تیری مدد کی ضرورت ہے"، تیری مدد کے بغیر میں یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا"۔

ایک شخص دوسرے شخص سے جو مدد مانگ رہا ہے یہ سب اسباب کے تحت ہے جس سے مدد مانگ رہا ہے وہ سامنے موجود ہے۔۔۔اس نے ظاہری ہاتھوں سے یا پیسے سے مدد کرنی ہے۔۔۔اور اللہ جو مدد کرتا ہے وہ اسباب سے ماوراء ہے۔۔۔اسے غائبانہ مدد کہتے ہیں۔۔۔اسے غائبانہ پکار کہتے ہیں۔

ہم جو ایک دوسرے سے دنیا کے کاموں میں مدد مانگتے ہیں ہم دوسرے کو مستغنی نہیں سمجھتے ہم اسے قادر اور مختار نہیں سمجھتے کہ مجھے تو اس کی ضرورت ہے مگر اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے۔۔۔بلکہ ذہن میں ہوتا ہے کہ آج مجھے ضرورت پڑی ہے لہٰذا تو میری مدد کر۔۔۔کل تجھے بھی میری ضرورت پڑ سکتی ہے تو میں تیری مدد کروں گا۔اسے تعاون کہتے ہیں۔قرآن نے کہا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

مگر جب استعانت اور مدد مانگنے کی بات آئی تو فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ رب العزت اس معنی میں النَّصِيْرُ ہے کہ وہی مشکل حالات میں، مصائب اور دکھوں میں، بیماریوں اور پریشانیوں میں، قید و بند کی صعوبتوں میں، جنگ کی ہولناکیوں میں، اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔

سورت الفرقان میں ارشاد ہوا کہ نبی اکرم ﷺ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کریں گے کہ مولا! میری قوم نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان:30)

مَهْجُوْرًا کا معنی ہے چھوڑنے کا۔۔۔قرآن مجید کے پڑھتے ہوئے مقابلے میں

شوروغل کرنا (جس طرح مشرکین کرتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ۔۔۔ کہ اس قرآن کو مت سنو اور محمد عربی ﷺ پڑھنے لگیں تو شوروغل مچا دو تا کہ ان کی آواز شوروغل میں دب جائے) یہ بھی مَهْجُوْرًا کے تحت آتا ہے، اس کے اوامر پر عمل نہ کرنا اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی مَهْجُوْرًا میں داخل ہے۔قرآن کریم کو چھوڑ کر کسی دوسری کتاب کو ترجیح دینا بھی مَهْجُوْرًا کے تحت آتا ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: میرے پیغمبر ﷺ! جس طرح آپ کی قوم میں سے وہ لوگ آپ کے دشمن ہیں جنہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے اسی طرح

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (الفرقان:31)

اسی طرح ہم نے بعض مجرموں کو ہر نبی کے دشمن بنا دیا تھا اور تیرا رب ہی ہدایت عطا کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔

یعنی کفار شوروغل مچا کر اور شبہات شرکیہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈال کر انہیں راہِ راست سے روکنا چاہتے ہیں مگر ہادی تو آپ کا رب ہے وہ جسے ہدایت دینا چاہے اسے کون روک سکتا ہے؟ اور مددگار بھی اللہ ہی ہے وہ گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد بھی کرتا رہا اور آپ کی مدد کے لیے بھی وہی کافی ہے۔

سورت البقرہ میں جہاں ذکر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کا کلمہ استعمال مت کیا کرو بلکہ اس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔

پھر فرمایا جو حکم ہم منسوخ کر کے دوسرا حکم اتار دیتے ہیں تو دوسرا حکم پہلے حکم سے بہتر ہوتا ہے۔۔۔ پھر اس کی دو وجوہات بیان فرمائیں۔

پہلی وجہ یہ بتائی کہ

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (ایک حکم منسوخ کر کے دوسرا اتار دیتا ہے)

دوسری وجہ یہ ہے کہ

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کیا تم نہیں جانتے کہ زمین وآسمان میں اللہ ہی کا راج اور اسی کی بادشاہی ہے۔

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (البقرہ:107)

اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں۔

سورت الحج کے آخری رکوع میں اللہ رب العزت نے سورت الحج کے مضامین کا اعادہ فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! سجدہ اور رکوع صرف اللہ ہی کے لیے کرو اور ہر قسم کی عبادت (قولی ہو، بدنی ہو، یا مالی ہو) اپنے پروردگار کی کرو، نیکی کے کام کرتے رہو اور اس کے راستے میں ہر ممکن جہاد کرتے رہو، اللہ رب العزت نے تمہیں (امت محمدیہ) کو منتخب فرمایا ہے تم ابراہیم کے دین کے پیروکار بنو، اللہ رب العزت نے پہلی کتب میں بھی تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب فرمایا ہے اس لیے کہ اللہ کے رسول (محمد عربی ﷺ) تمہارے سامنے مسئلہ توحید کو بیان کریں اور تم لوگوں کے آگے بیان کرنے والے بنو۔

یا شہید بمعنی گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت پر گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک پیغام حق پہنچا دیا ہے اور امت محمدیہ پہلی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں نے ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔

جب اللہ رب العزت نے تمہیں امتیازی شان اور انفرادی مقام عطا فرمایا ہے کہ تم بطور شکر اس کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اللہ کے دین والی

رسی کو مضبوط تھامے رہو تمہارا مددگار وہی ہے۔

فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ (الحج:77)

پس وہ خوب مالک ہے اور خوب مددگار ہے۔

سورت الانفال کا دعویٰ آیت نمبر 39 میں بیان فرمایا:

وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:39)

تم (کفار ومشرکین) سے اس وقت لڑتے رہو (شرک والا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

یعنی شرک مٹ جائے اور توحید کا پرچار ہر سو ہو جائے۔۔۔ اگر مشرکین شرک سے باز آجائیں یا لڑائی سے ہاتھ روک لیں تو تم بھی انہیں کچھ نہ کہو۔

وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ (الانفال:40)

اور اگر مشرکین روگردانی کریں (یعنی شرک سے اور لڑائی سے نہ رکیں) تو اے مسلمانو! تم یقین رکھو کہ تمہارا مددگار اور رفیق اللہ ہے اور اللہ بہت خوب رفیق اور بہت خوب مددگار ہے۔

سورت الانفال کی اس آیت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا کہ کفار کے مقابلہ میں میری رفاقت تمہارے ساتھ ہوگی اور میں ہر میدان میں تمہارا مددگار ہوں گا۔

پھر اللہ رب العزت نے مسلمانوں کی رفاقت اور مدد بہت ساری جگہوں پر فرمائی۔۔۔ غزوۂ بدر میں جب مسلمان تعداد میں قلیل تھے اور ان کے پاس آلاتِ حرب نہ ہونے کے برابر تھے۔۔۔ مشرکین نے پہلے پہنچ کر ہموار میدان اور پانی پر قبضہ جما لیا تھا۔۔۔ مشرکین تعداد میں تین گنا سے بھی زیادہ تھے۔۔۔ پھر ان میں ہر فوجی مسلح تھا۔۔۔

قرآن نے اسے کس طرح بیان فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (الانفال:9)

وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے (یعنی روتے تھے، التجائیں کرتے تھے، مدد کرکے لیے پکارتے تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد کو سن لیا (بایں طور) کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ جو لگاتار اتریں گے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال:10)

یہ سب کچھ سب تمہارے لیے بشارت کے لیے کیا تاکہ تمہارے دل اطمینان اور قرار میں آجائیں (ورنہ) نصرت اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے (کیونکہ) اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اللہ رب العزت نے فرشتے اتار کر مسلمانوں کی مدد کی، بارش برسا کر ان کے لیے دلوں کو تسکین بخشی۔۔۔پھر قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر فتح اور کامیابی عطا فرمائی۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (التوبہ:25)

یقیناً اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی (تمہاری مدد کی) جب تمہیں اپنی تعداد کی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا مگر اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا (بلکہ) زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر مڑ گئے۔

سورت التوبہ میں زیادہ تر غزوۂ تبوک کا ذکر ہوا ہے۔۔۔۔۔۔غزوۂ تبوک کو

جیش العسرہ بھی کہتے ہیں۔۔۔ یہ مشکل ترین غزوہ تھا۔۔۔ گرمی کا موسم۔۔۔ کھجوریں پکی ہوئی۔۔۔ (مدینہ کی معیشت کا دارومدار کھجور کی فصل پر تھا) طویل سفر۔۔۔ سواریوں کا فقدان۔۔۔ پیشہ ور فوج سے مقابلہ۔۔۔ ریتلا علاقہ اور پانی کی کمی اور عدم دستیابی۔۔۔ کچھ صحابہ تو پہلے مرحلہ ہی میں تیار ہو گئے۔۔۔ ادھر امام الانبیاء ﷺ نے اعلان فرمایا اور انہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آپ کی آواز پر لبیک کہا۔۔۔ کچھ تھوڑے سے تردّد کے بعد تیار ہو گئے۔۔۔ منافقین لیت و لعل سے کام لینے لگے۔۔۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم لیت و لعل سے کام لیتے ہو، تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر رہے ہو اگر تم میرے نبی کا ساتھ دے کر جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم جو ہماری فرمانبردار ہوگی لے آئے گا۔۔۔ آگے فرمایا:

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ:40)

اگر (غزوۂ تبوک کے موقع پر) تم میرے نبی کی مدد نہیں کرو گے (یعنی ان کا ساتھ نہیں دو گے اور ان کے ساتھ ہو کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے) اللہ نے اس نبی کی مدد اس وقت کی تھی جب کفار نے اسے وطن سے نکالا تھا اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا (یعنی ایک نبی اور دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ دونوں غار میں تھے جب نبی اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنی طرف سے تسکین اتار کر ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم

نے دیکھا بھی نہیں اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بلند و بالا تو اللہ ہی کی بات ہے (کیونکہ) اللہ غالب حکمت والا ہے۔

غار ثور میں اللہ تعالیٰ جس کی صفت اَلنَّصِیْر ہے نے کئی طرح سے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد فرمائی۔

ایک سکینت تھی جو اللہ رب العزت نے نازل فرمائی۔۔۔۔۔ دوسری مدد فرمائی کہ فرشتوں کو اتارا۔۔۔۔۔ اور یہ بھی نصرت الٰہیہ کا نمونہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں غار کے اندر ہیں۔۔۔ کفار تعاقب کر کے غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔ ان کی گفتگو سن رہے ہیں۔۔۔ مگر کفار ان دونوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

کیسی مدد فرمائی میرے اَلنَّصِیْر مولا نے کہ کفار سینکڑوں فٹ کی بلندی پر تو چڑھ گئے مگر چند فٹ کی گہرائی میں غار میں بیٹھے ہوئے نبی اور صدیق کو نہ دیکھ سکے۔

مکڑی کا غار کے منہ پر جالا تن دینا۔۔۔ کبوتری کا انڈے دے دینا اگرچہ روایتاً کتنا ہی کمزور ہو مگر قدرت الٰہیہ کا خود مشرکین کی آنکھوں پر پردہ ڈال دینا تو یقیناً صحیح ہے۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ مشرکین تعاقب کرتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچے۔۔۔ قدموں کی جانب دیکھتے تو آپ کو دیکھ لیتے۔۔۔ اللہ رب العزت نے فرشتے بھیجے کہ غار کے منہ پر صفیں باندھ کر خادموں کی طرح کھڑے ہو جائیں تا کہ مشرکین آپ کو نہ دیکھ سکیں۔۔۔ اسی کو فرمایا:

وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا

اس کی مدد فرمائی ایسے لشکروں کے ذریعہ جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔

مدد کرنے والی ذات اَلنَّصِیْر ہی کی ہے جس نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ (1) وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ

أَفْوَاجًا (النصر:2-1)

جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں۔۔۔ میں نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان اور ایک دعا کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، ذرا اسے بھی سنیے۔

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ ظَنَّ أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ (نسائی)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا درجہ نبی اکرم ﷺ کے دوسرے صحابہ سے زیادہ ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس امت کی مدد ضعفاء کی دعا، ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص سے کریں گے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا غَزَا قَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ وَبِكَ أُقَاتِلُ (نسائی)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب غزوہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: یا اللہ! آپ ہی میرے بازو (کی قوت) میرے مددگار ہیں اور آپ کے بل بوتے پر ہی میں لڑتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

احسان کرنے والا ☆ بہت بہتر سلوک کرنے والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ (الطور:28)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں اللہ رب العزت کے ایک مقدس نام اَلْبَرُّ کے معنی اور مفہوم کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ اسم گرامی لوگوں میں اگرچہ معروف اور مشہور نہیں ہے اور علماء اور خطباء اس پر گفتگو بھی بہت کم کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے بطور اسم صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔۔۔ سورت الطور میں جو آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ "بَرّ" کا معنی احسان کرنے والا ہے۔۔۔ اس کا اطلاق فقط اللہ رب العزت کی ذات پر ہی ہوسکتا ہے کیونکہ تمام جہان اور جہان کے تمام لوگوں بلکہ ہر جاندار پر نیکی اور احسان حقیقت میں اسی کی جانب سے ہوتا ہے۔ ظاہری احسان بھی اسی کی طرف سے ہیں اور باطنی انعامات عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔۔۔ مخلوق اس کے احسان اور اس کے حسین سلوک سے ایک لمحہ کے لیے بھی مستغنی نہیں

ہو سکتی۔

انسان کا ایک ایک سانس اس کے احسان کا مرہونِ منت ہے۔۔۔ دن اور رات کا آنا جانا۔۔۔ موسموں کا تغیر و تبدل۔۔۔ ہواؤں کا چلنا۔۔۔ اور بارش کا برسنا سب اسی کے احسان ہیں جو اس نے اپنے بندوں پر کیے ہیں۔

باطنی احسانات میں انبیاء کی بعثت اس کا احسان ہے۔۔۔ ہم پر تو اس کا عظیم احسان ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ جیسا اعلیٰ اور عظیم پیغمبر عطا فرمایا ہمیں ان کی امت بنایا پھر قرآن جیسی مقدس، مبارک اور عظیم کتاب کا ہمیں وارث بنایا۔

اللہ رب العزت اَلْبَرُّ ہے کہ ہماری نیکیوں پر ہماری توقع سے بڑھ کر جزا دیتا ہے۔۔۔ پھر اس کا احسان ہے کہ ہماری خطاؤں اور گناہوں سے درگذر کرتا ہے اور انہیں معاف کر دیتا ہے۔۔۔ ہماری نافرمانیوں پر جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ توبہ کرنے کی مہلت دیتا ہے۔

سورت الطور کی آیت نمبر 28 إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ۔۔۔ بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔۔۔ اس آیت سے پہلے اللہ رب العزت نے اہل جنت پر ہونے والے انعامات اور احسانات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آیت نمبر 17 میں فرمایا:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ (17) فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ

یقیناً پرہیز گار لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر خوش ہوں گے اللہ نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

(ارشاد ہوگا) تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

وہ سب برابر بچھے ہوئے پلنگوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔۔۔خوبصورت، حسین، بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ان کے خلوت خانے میں ہوں گی۔۔جن کے آباء اپنے اخلاص، تقویٰ اور عمل وکردار کی بنا پر جنت کے اعلیٰ اور اونچے درجوں میں ہوں گے، اللہ رب العزت ان کی اولاد (جو تقویٰ اور اخلاص عمل کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں میں نہیں نیچے والے درجوں میں ہوں گے) کو بھی اپنی رحمت اور فضل سے بلند درجوں میں ان کے آباء کے پاس پہنچا دیں گے۔

پھر جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے۔۔۔مرغوب اور پسندیدہ گوشت بھی ہو گا۔۔۔جنت کی شراب کے جام چلیں گے۔۔۔اور موتیوں کی طرح صاف ستھرے نوعمر خادم بھی عطا ہوں گے۔۔۔جنتی ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پر گفتگو کریں گے کہ زندگی کیسے گزاری۔۔۔اور ایمان وعمل کے تقاضے کیسے پورے کیے۔۔۔پھر کہیں گے ہم دنیا میں اللہ کے عذاب سے ڈرا کرتے تھے (اس لیے عذاب سے بچنے کی تدبیریں اور اہتمام بھی کرتے تھے)

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (الطور:27)

پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ (الطور:28)

ہم دنیا میں (اس عذاب سے بچنے کی دعا کیا کرتے تھے یا ہم دنیا میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے اور اس کی پکار میں کسی کو شریک نہیں بناتے تھے) یقیناً اللہ بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت (اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ) کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ مُنَّ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ اِنَّكَ

اَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ۔۔۔اے اللہ! ہم پر احسان فرما اور ہمیں گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا یقیناً تو ہی بہت احسان کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ رب العزت کے اَلْبَرُّ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہی ہے جو اپنی مخلوق میں سے ایک ایک فرد پر محسن ہے۔۔۔وہی جو انعامات و احسانات کا والی ہے۔۔۔وہی ہے جس کی عطا بے انتہاء ہے۔۔۔اس کے احسان ہر مخلوق پر پے در پے جاری و ساری ہیں۔۔۔اس کے جود و کرم۔۔۔سخاوت اور رحمت لامحدود ہے۔۔۔اس کا کرم بحر بے کنار ہے۔۔۔اس کے کچھ احسان تمام مخلوق پر عام ہیں جیسے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (بنی اسرائیل:70)

یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت سے نوازا اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواریاں عطا کیں اور انہیں پاکیزہ روزی دی، اور اپنی رحمت سے مخلوق پر انہیں فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

یہ شرف عام ہے ہر مومن اور کافر کے لیے اور اس میں اللہ رب العزت کے بڑے احسان کا ذکر ہے کہ دوسری مخلوق کے مقابلہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو فضیلت بخشی۔۔۔اولادِ آدم کا یہ شرف کئی اعتبار سے ہے جیسے شکل و صورت۔۔۔قد و قامت۔۔۔بولنے کی صلاحیت۔۔۔عقل و خرد۔۔۔اور فہم و فراست۔۔۔اسی عقل کے ذریعہ انسان نے اپنی راحت، آرائش اور آرام کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں۔۔۔اسی عقل کے ذریعہ وہ نفع، نقصان، غلط اور صحیح، حسین اور قبیح کے مابین فرق اور تمیز کرنے پر قادر ہے۔۔۔اسی عقل کے ذریعہ وہ دیگر مخلوق سے فائدے حاصل کرتا ہے۔۔۔اسی عقل کے ذریعہ وہ ایسی عمارتیں کھڑی کرتا ہے۔۔۔ایسے لباس ایجاد کرتا ہے۔۔۔اور ایسی ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اسے گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتی ہیں۔۔۔پھر انسان کو مخدوم بنایا اور دنیا کی

ہر چیز کو اس کی خدمت پر مامور کر دیا۔

خشکی میں وہ گھوڑوں۔۔۔ خچروں۔۔۔ گدھوں اور اونٹوں۔۔۔ اپنی تیار کردہ سواریوں (ریل گاڑی، بسیں، جہاز، کاریں، موٹر سائیکل) پر سوار ہوتا ہے۔۔۔ اور سمندر دریا میں کشتیاں اور بحری جہاز اس کی سواری بنتے ہیں۔

اولادِ آدم کی خوراک کے کتنے قسم کے پھل۔۔۔ میوے اور غلے ہیں۔۔۔ ان میں کیسے کیسے ذائقے اور لذتیں رکھی گئی ہیں۔۔۔ اللہ رب العزت کا ایک احسان خاص ہے جو کفار کے لیے نہیں صرف ایمان داروں کے لیے ہے کہ جسے چاہتا ہے اس پر احسان کر کے اسے دین حق کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔۔۔ اسے اپنی اطاعت کی توفیق عطا کرتا ہے۔۔۔ اسے ایمان کی دولت سے ہمکنار کرتا ہے۔۔۔ اسے اپنا اور اپنے رسول کا مطیع بنا دیتا ہے۔۔۔ اور اسے دنیا اور آخرت کی سعادت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (الانفطار:13)

یقیناً نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے۔

یہ بھی اَلْبَرُّ کا احسان ہے کہ نافرمانیوں اور حکم عدولیوں اور گناہوں پر جلدی نہیں پکڑتا بلکہ ڈھیل اور مہلت دیتا ہے۔۔۔ کتنا بڑا احسان ہے کہ توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اور معافی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر:53)

میری طرف سے کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا یقیناً اللہ سارے گناہوں کو بخش

دیتا ہے (کیونکہ) وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں۔۔۔میں ایک دو حدیثیں بھی آپ کو سنانا چاہوں گا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (مسلم، ابوداؤد)

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعض بندے اللہ کے ایسے ہیں کہ اگر اس کے بھروسے پر قسم کھائیں تو اللہ ان کو سچا کر دے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت سے لوگ پریشان، بال غبار آلودہ، دروازوں سے دھکیلے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسے پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرِ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ الْاَحَبِّ اِلَيْكَ الَّذِیْ اِذَا دُعِيْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَيْتَ وَاِذَا اسْتُرْحِمْتَ بِهٖ رَحِمْتَ وَاِذَا اسْتُفْرِجْتَ بِهٖ فَرَّجْتَ قَالَتْ وَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا عَائِشَةُ: هَلْ عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ دَلَّنِیْ عَلَى الْاِسْمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ فَعَلِّمْنِيْهِ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِیْ لَكِ يَا عَائِشَةُ! قَالَتْ فَتَنَحَّيْتُ وَجَلَسْتُ سَاعَةً ثُمَّ قَبَّلْتُ رَاْسَهٗ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! عَلِّمْنِيْهِ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِیْ لَكِ يَا عَائِشَةُ اَنْ اُعَلِّمَكِ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِیْ لَكِ اَنْ تَسْاَلِيْنَ بِهٖ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا قَالَتْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّاْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اللّٰهَ وَاَدْعُوْكَ الرَّحْمٰنَ وَاَدْعُوْكَ الْبَرَّ الرَّحِيْمَ وَاَدْعُوْكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ

وَتَرْحَمَنِيْ قَالَتْ فَاسْتَضْحَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اِنَّهٗ لَفِي الْاَسْمَاءِ الَّتِيْ دَعَوْتِ بِهَا (ابن ماجہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ مانگتے سنا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرُ سے فَرَّجْتَ تک، ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! کیا تم جانتی ہو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا وہ اسم بتایا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو قبول ہو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بھی وہ اسم بتا دیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! وہ تمہارے بتلانے کا نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں یہ سن کر علیحدہ ہوگئی اور کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی، پھر میں نے اٹھ کر آپ کے سر مبارک کو چوما اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتا دیجیے وہ کون سا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہ تمہارے بتانے کے قابل نہیں مبادا تم اس کے وسیلے سے کوئی دنیاوی چیز طلب کر بیٹھو۔ یہ سن کر میں اٹھی وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَدْعُوْكَ اللّٰهَ وَاَدْعُوْكَ الرَّحْمٰنَ وَاَدْعُوْكَ الْبَرَّ الرَّحِيْمَ وَاَدْعُوْكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ اَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ

فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا سن کر ہنسنے لگے اور ارشاد فرمایا کہ وہ اسم انہی اسماء میں ہے جن کے ذریعے تم نے دعا کی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

قدرت والا ☆ پوری قدرت والا ☆ قدرت والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (الانعام: 37)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں۔۔۔ میں کوشش کروں گا کہ اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلْقَادِرُ کے مفہوم اور معنی آپ کے سامنے بیان کروں۔۔۔ اسی اسم مبارک اَلْقَادِرُ کا ہم معنی اَلْقَدِیْرُ بھی ہے اور اَلْمُقْتَدِرُ بھی۔ اَلْمُقْتَدِرُ میں اَلْقَادِرُ کی نسبت مبالغہ زیادہ پایا جاتا ہے۔۔۔ اگرچہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی قدرت والا اور اَلْمُقْتَدِرُ کا معنی ہوگا قدرت تامہ اور قدرت کاملہ رکھنے والا۔

دونوں میں ایک فرق علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اَلْقَادِرُ وہ ہے جو ہر شئی پر کامل قدرت رکھتا ہو اور اَلْمُقْتَدِرُ وہ ہے جو اپنی قدرت کو ظاہر کرتا ہو۔

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْقَادِرُ کی تشریح یوں فرمائی ہے:

اَللّٰہُ الْقَادِرُ عَلٰی مَا یَشَآءُ لَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ وَّلَا یَفُوْتُہٗ مَطْلُوْبٌ

اللہ رب العزت کی ایک صفت اَلْقَادِرُ ہے یعنی جو چاہتا ہے اس کے کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اسے کوئی بھی کسی کام کے کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مطلوب کو حاصل نہ کر سکے۔

بندوں کو بھی کچھ کاموں پر قدرت حاصل ہوتی ہے مگر بندوں کی قدرت عارضی اور فانی ہے اور یہ قدرت بھی عطیہ الٰہی ہے اور یہ قدرت بندے کے پاس امانت ہے پھر بندے کی طاقت وقدرت میں کمی اور کمزوری بھی ہوتی ہے۔۔۔ باوجود طاقت کے وہ اپنے مطلوب کو حاصل نہیں کر سکتا۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْقَادِرُ۔۔۔ حقیقی قادر اللہ ہی ہے جو کسی کام کے کرنے سے کبھی عاجز نہیں آسکتا اور اپنے مطلوب کو حاصل کرنے میں کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

اَلْقَادِرُ کا یہی معنی علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ نونیہ میں کیا ہے:

وَهُوَ الْقَدِيْرُ وَلَيْسَ يُعْجِزُهُ إِذَا مَا دَامَ شَيْئًا قَطُّ ذُوْ سُلْطَانِ

وہ قدرت والا ہے اور جب وہ کسی کام کا ارادہ فرما لیتا ہے تو کوئی سلطنت والا اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔

اللہ رب العزت کا اسم گرامی اَلْقَادِرُ قرآن مجید میں سولہ مرتبہ آیا ہے اور اَلْقَدِيْرُ والی صفت پینتالیس بار آئی ہے اور اسم گرامی اَلْمُقْتَدِرُ چار مرتبہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

اَلْقَادِرُ کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ قدرت والا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اَلْقَادِرُ کا ایک معنی کہ وہ قدر و اندازہ کا مالک ہے۔ اندازے کے ساتھ ہر چیز کو اتارنے والا ہے۔ ہر چیز کو اندازے کے مطابق پیدا کرنے والا ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ پر اس کو بیان فرمایا:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر: 49)

ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ پر ارشاد ہوا:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ (المومنون:18)

اور ہم نے صحیح اندازے کے مطابق آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔

یعنی یہ بھی ہماری قدرت ہے کہ ضرورت کے مطابق پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کو سمندروں، دریاؤں، نہروں، چشموں، تالابوں اور کنوؤں میں محفوظ بھی فرما دیا۔۔۔اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ تم اسے حاصل بھی نہ کر سکو۔

سورت الطلاق میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔۔۔جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات، شدائد، آزمائشوں سے) نکلنے کی کوئی نہ کوئی صورت بنا دیتا ہے۔

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۔۔۔اور اسے ایسی جگہ سے روزی عطا کر دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔۔۔اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

ان اللہ بالغ امرہ۔۔۔اور اللہ اپنا ہر کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (وہ جو کرنا چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں)

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (الطلاق:3)

اور اللہ نے ہر شئی کا ایک خاص اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

سورت المرسلات میں بڑا عجیب انداز اپنایا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۔۔۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا (یعنی منی کے ایک ناپاک اور حقیر قطرے سے)

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۔۔۔ پھر ہم نے اس قطرے کو محفوظ اور مضبوط جگہ میں رکھا۔۔۔ یعنی تین اندھیروں میں ۔۔۔ ماں کے رحم میں۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔۔۔ ایک مقررہ اور معین وقت تک (یعنی مدت حمل تک جو چھ مہینے سے نو مہینے تک ہوتی ہے)

فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (المرسلات:23)

پھر ہم نے اندازہ کیا (یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت، اعضاء کی تراکیب، جوڑوں اور مفاصل کی ترتیب، دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں کانوں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا ہے۔۔۔ دیگر اعضاء کا توازن اور تناسب کیسا رکھنا ہے)

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۔۔۔ اور ہم بہتر اور اچھا اندازہ کرنے والے ہیں یا ہم بہتر قدرت والے ہیں۔

سورت الواقعہ میں اسے دوسرے انداز سے بیان فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (58) ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ

ہاں یہ تو بتاؤ کہ جو (حقیر پانی) تم (بیویوں کے رحم میں) ٹپکاتے ہو کیا اس کے ذریعہ انسان کی تخلیق تم کرتے ہو یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (الواقعہ:60)

ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو اندازے سے رکھا (یعنی ہر شخص کی موت کا وقت اور جگہ مقرر کر دی، کوئی بچپن میں مر جاتا ہے، کوئی لڑکپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں) کوئی شخص بھی اپنے مقرر کردہ وقت سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

سورت یٰسین میں اسے بڑے حسین انداز میں بیان فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۔۔۔ اور سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے (یعنی قیامت تک وہ اسی طرح اپنے مقرر شدہ راہ پر چلتا رہے گا)

ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔۔۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے غالب علیم مولا کی طرف سے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (یٰسین:39)

اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ (چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسری رات کو طلوع ہوتا ہے۔۔۔ چاند کی انہیں گردشوں اور منزلوں سے لوگ اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب لگاتے ہیں اور اسی کے ذریعہ اپنی عبادات کے اوقات کا تعین کرتے ہیں)

سامعین گرامی قدر! ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت اس اعتبار سے بھی قادر ہے کہ وہ عظیم قدرت والا ہے۔۔۔ ہر ہر چیز پر قادر ہے۔۔۔ ہر کام کرنے پر اسے قدرت حاصل ہے۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔۔۔ اس کی شان ہے۔۔۔ كُنْ فَیَكُوْنُ ۔۔۔ اس کی قدرت پر شاہد ہے۔۔۔ زمین و آسمان کی تخلیق کو دیکھ کر اس کی قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔۔۔ سربفلک رنگ برنگ پہاڑ دلیل ہیں کہ واقعی وہ قادر ہے۔۔۔ ایک دانے کو سات سو دانوں میں بدلنا اس کی قدرت کا واضح ثبوت ہے۔۔۔ گندے پانی کے حقیر قطرے سے حسین انسان کی تخلیق اَلْقَادِرُ ہی کا شاہکار ہے۔۔۔ دو دریاؤں کو ملا کر چلانا۔۔۔ اور اَن دیکھے پردے کے ذریعہ شیریں اور تلخ پانی کو آپس میں ملنے نہ دینا اس کے قادر ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ رب العزت اس لحاظ سے بھی قادر ہے کہ وہ قدر و اندازہ کا مالک ہے اس نے رحم مادر میں ٹھہرنے کا اندازہ مقرر کیا۔۔۔۔۔۔ اسی نے اندازے سے ناپ کر بارش برسائی۔۔۔ اسی نے چاند کی منزلیں مقرر کیں۔۔۔ اسی نے موت کے وقت کو مقرر کیا۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر:49)

ہم نے ہر شئی کو اندازہ کے مطابق پیدا کیا۔

اب میں آپ کے سامنے ایسی آیات قرآنیہ رکھنا چاہتا ہوں جن میں اللہ نے اپنے قادر اور قدیر ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الاحقاف:33)

کیا وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (النحل:70)

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں پیدا کرے گا تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانیں بیشک اللہ دانا اور قادر ہے۔

سورت الروم میں ارشاد ہوا:

فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الروم:50)

پس رب کی رحمت کے آثار دیکھ کر زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ اسے زندہ کرتا ہے یقیناً وہی اللہ (قیامت کے دن) مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے (کیونکہ) وہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ رب العزت نے سورت الفاطر میں تخویف دنیوی کا ذکر فرمایا کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کی دعوت کو ٹھکرایا ہم نے انہیں کیسے برے انجام تک پہنچایا ان کے ہاں ظاہری طاقت وقوت بھی بہت زیادہ تھی۔ اللہ رب العزت عذاب کا فیصلہ کرنا چاہے تو کوئی بھی اسے عاجز نہیں کرسکتا اس لیے کہ

إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (الفاطر:44)

وہ اللہ بڑے علم والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

سورت الطارق میں اللہ رب العزت نے منکرین قیامت کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو اپنی پیدائش پر غور کرنا چاہیے کہ اسے ایک پانی کے قطرے سے تخلیق کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے (مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے سے۔۔۔ یہ دونوں پانی مل کر ایک پانی بن جاتا ہے)

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (الطارق:8)

یقیناً وہ اللہ اس کے پھیر لانے پر بھی قادر ہے۔

سامعین گرامی قدر! اب میں آپ کے سامنے ایسی آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں جو بہت معروف ہے آپ میں سے کئی افراد کو یاد ہے۔۔۔ پوری یاد نہ ہو تو اس کا کچھ حصہ یقیناً یاد ہوگا۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آل عمران:26)

آپ کہہ دیجیے اے میرے اللہ! تمام جہان کے مالک تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے سب بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں (کیونکہ) تو ہر چیز پر قادر ہے۔

سورت البقرہ میں فرمایا کہ منافقین کی جو روش ہے یہ انتہائی ناپسندیدہ ہے اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں پر مہریں لگا کر انہیں بے کار کردے کیونکہ

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ:20)

بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورت ہود کی ابتداء میں قرآن کی عظمت کو بیان کر کے۔۔۔قرآن کے پیغام اور دعویٰ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا اللّٰهَ کو بیان فرمایا۔۔۔مشرکین کو شرک وکفر سے استغنا کا حکم دیا پھر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا۔۔۔پھر فرمایا:

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ہود:4)

اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

میں نے اب تک اللہ رب العزت کے نام اَلْقَادِرُ اور اَلْقَدِیْرُ کا معنی اور مفہوم آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔اب میں اَلْمُقْتَدِرُ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

سورت القمر میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر:55)

یقینا پرہیزگار لوگ باغات اور نہروں میں ہوں گے، راستی اور عزت کی مجلس میں (جس میں گناہ کی کوئی بات نہ ہوگی نہ لغویات ہوں گی) قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

سامعین گرامی قدر! خطبہ کے آخر میں۔۔۔میں چند ایسی حدیثوں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جن میں اللہ رب العزت کے اس اسم گرامی اَلْقَدِیْرُ کا تذکرہ ہے یا ان میں اللہ کی قدرت کا ذکر ہوا ہے، یا اللہ کے اسم گرامی اَلْقَادِرُ کا تذکرہ ہوا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ . لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ

حِرْزًا مِّنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ (بخاری، کتاب الدعوات)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو کوئی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر ایک دن میں سو بار کہے تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا دس غلاموں کو آزاد کرنے میں ملتا ہے اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور سو برائیاں مٹا دی جائیں گی اور سارے دن میں وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا اور کوئی شخص اس دن اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہ لا سکے گا البتہ وہ شخص جس نے اسی کلمہ کو سو بار سے زیادہ پڑھا ہو گا۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ، اَنَّهُ شَكَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجَعًا يَجِدُهُ فِيْ جَسَدِهٖ مُنْذُ اَسْلَمَ. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ (مسلم)

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکوہ کیا درد کا جو اپنے بدن میں پیدا ہو گیا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور کہو بسم اللہ تین مرتبہ اس کے بعد سات مرتبہ یہ کہو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ ۔۔۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی، برائی سے اس چیز کے جس کو پاتا ہوں میں اور جس سے ڈرتا ہوں۔

سَمِعْتُ اَعْرَابِيًّا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَاَ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ: بَلٰى (بیہقی)

ایک اعرابی سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۔۔۔ کیا وہ

(اللہ تعالیٰ) اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو زندہ کردے، اس آیت کی (نماز کے علاوہ) قرأت کرے تو آخر میں کہے: بَلٰی۔۔۔ یعنی ہاں۔

دعا کی قبولیت کے لیے چند کلمات

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں ایک مرتبہ مسجد میں آرام کررہا تھا اچانک غیب سے آواز آئی اے سعید یہ (مندرجہ ذیل) کلمات پڑھ کر تو جو دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ قبول کرے گا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَاءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ (روح المعانی)

اے اللہ! بیشک آپ مالک اور قدرت والے ہیں، آپ جو بھی چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان جملوں کے بعد میں نے جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی ہے۔ اسی طرح تکلیف سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ مانگنا بے حد مفید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ کلمات آئے ہیں:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ (مسلم)

میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْقَوِیُّ ۔ اَلْمَتِیْنُ

طاقت ور ☆ شدید قوت والا ☆ مضبوط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (الشوریٰ:19)

اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی عطا کرتا ہے اور بڑی قوت والا غالب ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج خطبہ جمعۃ المبارک اللہ رب العزت کے ایک مبارک نام اَلْقَوِیُّ کے عنوان پر ہوگا۔ اَلْقَوِیُّ کا معنی اور مفہوم اور مختصری تشریح آپ کے سامنے بیان کروں گا، اس کے ساتھ اَلْقَوِیُّ کے ہم معنی ایک دوسرے اسم مبارک اَلْمَتِیْنُ پر بھی گفتگو ہوگی۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے المرقاۃ شرح مشکوۃ میں اَلْقَوِیُّ کا بڑا عمدہ اور حسین معنی لکھا ہے۔

اَلْقُدْرَةُ التَّامَّةُ الْبَالِغَةُ السَّابِقَةُ الْوَاصِلَةُ اِلَى الْكَمَالِ

اللہ رب العزت جس کی صفت اَلْقَوِیُّ ہے ایسی کامل و اکمل قوت والا ہے کہ جس

کی طاقت وقدرت اور قوت اپنے ارادوں کو پہنچ کر رہتی ہے اور اپنے مطلوب اور ہدف اور ٹارگٹ تک پہنچتی ہے اس کی ایسی قوت وطاقت ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور اس کی قدرت وطاقت کمال کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔

وَاللّٰهُ قَوِيٌّ بِهٰذَا الْمَعْنٰى وَلَا قُوَّةَ لِغَيْرِهٖ اِلَّا بِهٖ (المرقاۃ شرح مشکوۃ:91/5)

قوت کے ان اوصاف اور معانی کے ساتھ وہ قوی ہے ایسی قوت اللہ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

مشہور مفسر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْقَوِيُّ کی تشریح ان الفاظ کے ساتھ فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ لَا يَغْلِبُهٗ غَالِبٌ۔۔۔اللہ رب العزت ایسا قوت والا ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

وَلَا يُرَدُّ قَضَائُهٗ رَادٌّ۔۔۔اللہ ایسا قوی ہے کہ اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔

يَنْفُذُ اَمْرُهٗ۔۔۔اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔(جامع البیان:17/10)

مشہور مفسر اور مؤرخ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورت الانفال کی آیت نمبر 52۔۔۔اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔۔۔کی تفسیر میں فرمایا:

اَیْ لَا يَغْلِبُهٗ غَالِبٌ وَلَا يَفُوْتُهٗ هَارِبٌ

کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس معنی میں اَلْقَوِيُّ ہے کہ کوئی غالب اس پر غلبہ نہیں پاسکتا اور کوئی ظالم مجرم اس کی پکڑ سے بچ کر بھاگنا چاہے تو وہ بھاگ نہیں سکتا۔

سامعین گرامی قدر! سورت الانفال کی اس آیت میں مشرکین مکہ کو تخویف سنائی گئی ہے کہ تکذیب حق میں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت میں ان کی روش فرعونیوں جیسی ہے اور ان لوگوں جیسی ہے جو فرعون سے پہلے ہوئے اور انہوں نے تکبر وغرور میں مبتلا ہو کر وقت کے نبی کی مخالفت کی۔۔۔اور ان کی دعوت کو جھٹلایا۔۔۔بلکہ استہزاء اور تمسخر

کرتے رہے۔۔۔ انہیں اپنی سرداری پر گھمنڈ تھا۔۔۔ انہیں اپنی چوہدراہٹ پر غرور تھا۔۔۔ انہیں اپنی طاقت وقوت اور لاؤ لشکر پر ناز تھا۔۔۔ وہ دولت دنیا پر اتراتے تھے۔۔۔ مگر جب ہم نے انہیں اپنی گرفت میں لیا اور عذاب کے شکنجے میں جکڑا تو ان کی سرداری، چوہدراہٹ، اقتدار، لاؤ لشکر، دولت، دنیا کی شان وشوکت کچھ کام نہ آئی اور وہ ہماری گرفت سے بھاگ نہ سکے۔۔۔ آگے اس کی علت بیان فرمائی وہ بدبخت ہماری گرفت سے کیسے بھاگ سکتے تھے۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔۔۔ اللہ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔

ہمارے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔۔۔ ہم نے نمرود جیسے مطلق العنان بادشاہ کی کل بادشاہی ایک مچھر کے آگے ڈھیر کر دی۔۔۔ قارون نے سرکشی کی تو اسے زمین میں دھنسا دیا۔۔۔ شداد کو مصنوعی جنت دیکھنے کی مہلت تک نہ دی۔۔۔ ابوجہل کا سارا غرور اور تکبر دو لڑکوں کے ہاتھوں مٹی میں ملا دیا۔۔۔ قومِ عاد، قومِ ثمود، اصحابِ مدین اور قومِ لوط کو عبرت کے نشان بنا کر رکھ دیا۔۔۔ ابرہہ ہاتھیوں کا جلوس لے کر ہمارے گھر کو ڈھانے آیا تو ابابیلوں سے پٹوا دیا۔

یقین کرلو! ہمارے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔۔۔ برادرانِ یوسف نے کتنی تدبیریں کیں یوسف کو مٹانے اور راستے سے ہٹانے کی۔۔۔ مگر اَلْقَوِیُّ نے کیسے بچایا؟ کنویں سے کیسی تدبیر کے ساتھ نکالا اور وزیر خزانہ کے گھر عیش وآرام کی جگہ ٹھکانہ عطا فرمایا۔

مصر کے اربابِ اقتدار نے یوسف کو جیل میں ڈال کر بھولی بسری داستان بنا دینا چاہا مگر اللہ نے اپنی تدبیر سے انہیں عزت واحترام کے ساتھ جیل سے نکالا اور وزارتِ خزانہ کے منصب پر بٹھا کر بھائیوں کو ان کے آگے دست بستہ کھڑا کر دیا۔۔۔ یقیناً وہ اَلْقَوِیُّ ہے اس پر اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس کی گرفت سے کوئی بھاگ بھی نہیں

سکتا۔۔۔وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف:21)

سورت الجادلہ میں اسی حقیقت کو مزید نکھار کر بیان فرمایا:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ۔۔۔اللہ نے تقدیر اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یقینا میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔۔۔آگے اس کی علت بیان فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِيْزٌ (الجادلہ:21)

میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے اس کی دلیل اور علت یہ ہے کہ یقینا اللہ زور آور اور غالب ہے۔

اسی حقیقت کو سورت المومن میں مزید نکھار دیا ارشاد ہوا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن:51)

یقینا ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں۔

ان وعدوں کا مصداق دیکھنا ہو تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھ لیجیے۔۔۔چاروں سمت کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور باطل کی آندھیوں میں اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کی مدد فرمائی اور غالب کیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو کیسے مدد کر کے غلبہ عطا فرمایا۔۔۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کے مظالم کے باوجود کیسے غالب فرمایا؟ سیدنا ہود، سیدنا صالح، سیدنا شعیب اور سیدنا لوط علیہم السلام کو کافر اور جابر قوموں کے مقابلے میں کیسے غلبہ عطا فرمایا۔

امام الانبیاء ﷺ کو مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔مکہ کی سرزمین آپ پر تنگ کر دی گئی۔۔۔پتھروں کی بارش ہوئی۔۔۔آپ خون میں نہا گئے۔۔۔گلے میں رسیاں۔۔۔آخر کار مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔۔۔آپ چھپ کر اپنے گھر سے نکلے۔۔۔آپ کا تعاقب کیا گیا۔۔۔گرفتاری پر انعامات کا اعلان ہوا۔۔۔مگر آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں وہی آمنہ کے لختِ جگر اور عبداللہ کے دُرِّ یتیم اسی مکہ میں دس ہزار

قدوسیوں کے لشکر کے ساتھ فاتحانہ شان سے داخل ہوئے۔۔۔ یقیناً اللہ ایسا قوی ہے جو کمزور مسلمانوں اور مار کھانے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد کر کے انہیں غلبہ عطا فرما دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کتنے فتنے تھے جنہوں نے اچانک سر اٹھالیا۔۔ منکرین زکوٰۃ کا فتنہ۔۔۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ۔۔۔ اللہ رب العزت جو اَلْقَوِیُّ ہے اس نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا۔

پھر قیصر و کسریٰ کا غرور خلیفہ ثانی لاثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مٹی میں ملا دیا۔۔۔ اللہ رب العزت نے ان کی مدد فرمائی اور قیصر و کسریٰ کے تاج مسلمانوں کے قدموں میں آگرے اور مالِ غنیمت کے ڈھیر لگ گئے۔۔۔ واقعی اللہ نے سچ فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔۔۔ کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اَلْقَوِیُّ اور اَلْعَزِيْزُ میں ہی ہوں۔

سامعین گرامی قدر! اَلْقَوِیُّ قوت سے ہے۔۔۔ قوت کا استعمال قرآن مجید میں کئی مقامات پر ہوا ہے۔۔۔ میں دو مقامات آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔

سورت الکہف میں ذوالقرنین کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا سب سے پہلے اس نے مغربی سمت کی طرف سفر شروع کیا، یہاں تک کہ وہ اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں سورج غروب ہو رہا تھا۔۔۔ پھر اس نے مشرقی سمت میں سفر شروع کیا اور سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچ گیا۔۔۔ تیسرا سفر اس نے شمال کی جانب کیا۔۔۔ یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچ گیا۔۔۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک کھائی تھی جس سے یاجوج ماجوج ادھر آبادی میں آجاتے اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔۔۔ وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی لوٹ مار کی شکایت کی اور تعاون کراتے ہوئے التجا کی کہ دونوں دونوں پہاڑوں کے درمیان اس کھائی کو بھر دے تاکہ یاجوج ماجوج

ادھر نہ آسکیں۔۔۔ ذوالقرنین نے ان سے مالی تعاون لینے سے انکار کیا اور کہا:

فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ (الکہف:95)

تم قوت اور طاقت سے میری مدد کرو۔۔۔ یہاں قوت سے مزدوری اور کام کرنے والے افراد مراد ہیں۔

اسی طرح سورت الانفال میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال:60)

تم اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق دشمن کے مقابلے میں اپنی قوت کو تیار رکھو۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک خطبہ میں قوت کی تفسیر تیر اندازی سے فرمائی تھی۔ (مسلم) مفسرین نے یہاں قوت سے مراد آلاتِ حرب واسلحہ وغیرہ لیا ہے۔

بنی اسرائیل کو تورات کی صورت میں احکامِ شریعت عطا کیے گئے تو انہیں حکماً فرمایا:

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ (البقرہ:63)

جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت سے پکڑو۔۔۔ یہاں قوت سے مراد عمل کرنا ہے۔۔۔ یعنی تورات کے احکام پر عمل کرو۔

امام الانبیاء ﷺ نے امت کو چند کلمات پڑھنے کی تلقین فرمائی۔۔۔ آپ نے اپنے ایک صحابی عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔۔۔ کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ سکھاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے وہ کلمہ ہے۔۔۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ (مسلم:346/2)

گناہوں سے پھرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے نیک اعمال کرنے کی قوت بھی مجھ میں نہیں یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ممکن ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعِصْمَتِهٖ وَلَا قُوَّةَ عَلٰى طَاعَتِهٖ اِلَّا بِمَعُوْنَتِهٖ

(شرح النووی:346/2)

اللہ رب العزت نے اپنی صفت اَلْقَوِيُّ کا قرآن مجید میں کئی جگہوں پر ذکر فرمایا۔ سورت ھود میں سیدنا صالح علیہ السلام کے تذکرے میں قومِ ثمود پر آنے والے عذاب کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ وہاں سیدنا صالح علیہ السلام اور ایمان والوں کو عذاب سے نجات دینے کا ذکر کیا۔

فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (ھود:66)

پھر جب ہمارے عذاب کا حکم آیا تو ہم نے صالح اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔۔۔ آگے اس کی علت بیان فرمائی۔۔۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔۔۔ یقیناً تیرا پروردگار بڑی طاقت والا غالب ہے۔

ایک جگہ پر ارشادِ ربانی ہوا:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (الشوریٰ:19)

اللہ اپنے بندوں پر نرمی اور شفقت فرمانے والا ہے جسے چاہتا ہے روزی عطا کر دیتا ہے۔۔۔ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔۔۔ اور وہی ہے بڑی قوت والا اور غلبے والا۔

سورت الذاریات میں ارشاد ہوا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56)

میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

(کچھ لوگ کمزور اور موضوع روایت کا سہارا لے کر بیان کرتے ہیں کہ یہ کائنات

اور یہ دنیا نبی اکرم ﷺ کے لیے تخلیق ہوئی ہے جبکہ قرآن کی اس آیت نے واضح کیا کہ جن وانس کی تخلیق محض اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت کی عبادت اور بندگی ہو اس پوری کائنات کی ہر شئی اللہ رب العزت کی الوہیت و معبودیت کی دلیل ہے)

آگے فرمایا:

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ۔۔۔ میری عبادت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا وطیرہ اور مقصود ہوتا ہے بلکہ روزی کے تمام تر خزانے میرے قبضے میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذاریات:58)

بیشک اللہ سب کا روزی رساں قوت والا زور آور ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت کے ایک اور اسم گرامی اَلْمَتِیْنُ کا ذکر ہوا۔۔۔ جس کا معنی مضبوط قوت والا۔۔۔ زور آور نہایت طاقتور ہے۔

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْمَتِیْنُ کا معنی فرمایا ہے اَلشَّدِیْدُ الْقَوِیُّ. اَلْمَتِیْنُ کے معنی ہیں وہ ذات جو انتہائی قوت والی ہو۔

اَلْقَوِیُّ اور اَلْمَتِیْنُ میں ایک نفیس سا فرق علماء نے بیان کیا ہے۔۔۔ اَلْقَوِیُّ کا معنی ہے کامل قوت والا اور اَلْمَتِیْنُ کا معنی ہے شدید قوت والا۔۔۔ اس اعتبار سے اللہ اَلْقَوِیُّ ہے کہ اس کی قدرت کامل اور مکمل ہے اور اس لحاظ سے اللہ اَلْمَتِیْنُ ہے کہ وہ مضبوط اور شدید قوت والا ہے اور اس کی قوت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

قرآن کریم نے ایک جگہ پر معبودانِ باطلہ کی بے بسی، ضعف اور کمزوری کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں اور ایک مثال کے ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ

مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (الحج:74)

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے ذرا کان کھول کے غور سے سنو اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ وہ سب کے سب اکٹھے ہو جائیں (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا جن کی پوجا پاٹ اور پکار کی جاتی ہے وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتیں جیسا کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کے جواز میں لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ نیک اور صالح بندے مراد ہیں جن کے مرنے کے بعد لوگ انہیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ اگر چہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ یہ چیلنج پتھر کی مورتیوں کو بھلا کیسے کیا جا سکتا ہے) مکھی کا بنانا تو دور کی بات ہے اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے (چھیننے والا طاقت ور ہوتا ہے اور جس سے چھن جائے وہ کمزور ہوتا ہے تمہارے معبود اتنے کمزور ہیں کہ مکھیاں بھی ان سے چیزیں چھین کر لے جاتی ہیں) تو تمہارے معبود وہ چیز اس سے واپس نہیں لے سکتے مانگنے والا بھی کمزور ہے (عقل کے اعتبار سے) اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بھی کمزور ہے (قدرت کے لحاظ سے)

اگلی آیت میں اللہ نے لوگوں سے ایک گلہ اور شکوہ کیا:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۔۔۔ جس طرح اللہ کی قدر کرنی چاہیے تھی لوگوں نے اس طرح اللہ کی قدر نہیں کی کہ بے بس، عاجز، کمزور، ضعیف اور لاچار مخلوق کو اللہ تعالیٰ جو خلاق عالم ہے اس کا ہمسر، ساجھی اور شریک بنا دیا۔

ایک طرف تمہارے معبود ہیں جو ایک مکھی نہ بنا سکیں بلکہ مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے اپنا نقصان بھی واپس نہ لے سکیں اور ایک طرف میں ہوں جو ماں کے رحم میں اور تین اندھیروں میں پانی کے گندے قطرے پر نقشہ جماتا ہوں اور یوسف جیسا حسین بنا دیتا ہوں۔

پھر تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم میرے بندوں کو داتا۔۔۔ لجپال۔۔۔ دستگیر۔۔۔ غوث اعظم۔۔۔ گنج بخش۔۔۔ کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا۔۔۔ جھولیاں بھرنے والا۔۔۔ کرماں والا۔۔۔ کرنیاں والا۔۔۔ بھرنیاں والا۔۔۔ جیسے القاب اور اوصاف سے یاد کرتے ہو جو اوصاف صرف اور صرف مجھے ہی سجتے ہیں۔

آیت کے آخری حصے میں اللہ نے اپنی صفات کا تذکرہ کتنے خوبصورت انداز میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج:74)

اللہ بڑا زور آور، طاقتور اور غالب ہے۔

اپنا تذکرہ فرمایا تو لَقَوِيٌّ کے ساتھ اور مشرکین کے خودساختہ معبودوں کا ذکر کیا تو ضَعُفَ کے ساتھ۔۔۔ سبحان اللہ!

دنیا کے اعتبار سے بھی اللہ رب العزت اَلْقَوِيُّ ہے کہ ہر قسم کی قدرت، اختیار اور تصرف اسی کے لیے ہے مگر مجازاً کچھ طاقت اور قدرت ہمیں بھی عطا کر رکھی ہے۔۔۔ بوجھ اٹھانے کی قوت۔۔۔ کسی کو پکڑنے کی طاقت۔۔۔ بھاگنے کی طاقت۔۔۔ مال و دولت کی طاقت۔۔۔ اقتدار و حکومت کی قوت وغیرہ وغیرہ۔۔۔ مگر آخرت میں یہ مجازی ہر قسم کی قوتیں ختم ہو جائیں گی اس دن ہر قسم کا غلبہ اور قوت اللہ ہی کے لیے ہوگی۔۔۔ آوازیں دب جائیں گے۔۔۔ آنکھیں پتھرا جائیں گی۔۔۔ دل گلے میں اٹک جائیں گے۔۔۔ کئی لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔۔۔ بڑے بڑے بادشاہ کانپ رہے ہوں گے۔۔۔ زبانیں خاموش ہوں گی۔

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ (النباء:38)

رحمن کی اجازت کے بغیر کوئی بول نہ سکے گا۔

اللہ رب العزت نے فرمایا۔۔۔ یہ مشرک لوگ کبھی وہ عذاب دیکھ لیتے یا وہ منظر

آج انہیں نظر آجاتا جب یہ عذاب میں گھرے ہوئے ہوں اس دن انہیں یقین ہو جائے گا

کہ

أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (البقرہ:165)

ساری کی ساری قوت اور طاقت اللہ کے لیے ہے۔۔۔(تو پھر یہ ظالم کبھی شرک کے قریب بھی نہ جائے)

قوتِ جبریل فرشتوں میں جبریل امین سیدُ الملائکہ ہے۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی لانے کی ذمہ داری انہی کی رہی ہے۔۔۔سورت النجم میں ان کی قوت کا تذکرہ یوں ہوا:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ۔۔۔اسے پوری طاقت والے نے سکھایا۔۔۔ذُو مِرَّةٍ ۔۔۔جو زور آور ہے۔

سورت التکویر میں جبریل امین کی قوت وطاقت کا بیان اس طرح ہوا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۔۔۔یقیناً یہ ایک معزز پیغامبر کا کلام ہے (کیونکہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے) ذِي قُوَّةٍ ۔۔۔ جو قوت والا ہے۔۔۔ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۔۔۔عرش والے اللہ کے ہاں ذی عزت ہے۔۔۔ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۔۔۔سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے! یہی قوت وطاقت والا جبریل۔۔۔یہی کریم صفت جبریل۔۔۔یہی مطاع اور معتبر جبریل امین۔۔۔کئی روز وحی لے کر نہ اترے۔۔۔ ادھر نبی اکرم ﷺ ہر روز مشرکین سے فرماتے کل آنا میں تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔۔۔مخالفین اور مشرکین نے منفی اور زہریلا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔۔۔کسی نے کہا محمد ﷺ کا رب ناراض ہو گیا ہے۔۔۔کسی نے بکواس کیا شیطان اترتا تھا اس نے چھوڑ دیا۔۔۔نبی اکرم ﷺ پریشان ہوئے، غمگین ہوئے۔۔۔پندرہ دن کے بعد جبریل آئے

آپ نے اتنے دن نہ آنے کی وجہ پوچھی:

مَا یَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا (مسند احمد: 321/1)

تم کہاں رہ گئے تھے تم نے آنے میں اتنے دن کیوں لگائے۔۔۔ بار بار آنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

تو جبریل نے جواب میں کہا:

مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: 64)

یارسول اللہ! آپ کیا سمجھتے ہیں میں اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے آتا ہوں۔۔ نہیں ہم اللہ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔۔۔ ہم تو عبد مامور ہیں۔۔۔ رب کے ہاتھ بندھے غلام ہیں۔۔۔ اس کے حکم اور اجازت کے بغیر پر بھی نہیں ہلا سکتے۔

روح قبض کرنے والے فرشتوں کے ہیڈ اور سربراہ ملک الموت نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

وَاللّٰهِ یَا مُحَمَّدُ لَوْ اَنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوْضَةٍ مَا قَدَرْتُ عَلٰی ذٰلِكَ حَتّٰی یَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الْاٰمِرُ بِقَبْضِهَا (تفسیر ابن کثیر، سورت السجدہ: 11)

اللہ کی قسم ہے اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ کا حکم نہ ہو۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں۔۔۔۔ میں ایک دعا کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو امام الانبیاء ﷺ مانگا کرتے تھے جس میں آپ نے اپنی کمزوری، ضعف اور محتاجی کا ذکر فرمایا۔۔۔ اور اللہ رب العزت کے تصرف اور قوت کا ذکر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ فِیْ رِضَاكَ ضَعْفِیْ وَخُذْ اِلَی الْخَیْرِ بِنَاصِیَتِیْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰی رِضَایَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ وَاِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاَعِزَّنِیْ وَاِنِّیْ فَقِیْرٌ فَارْزُقْنِیْ (مجمع الزوائد)

یا اللہ! میں کمزور ہوں، اپنی مرضیات میں میرا ضعف اپنی قوت سے بدل دے

اور مجھے پیشانی سے پکڑ کر خیر کی طرف لے جا اور اسلام کو میری پسند کا منتہی (مقصد) بنا دے، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقتور بنا دے، میں بے توقیر ہوں مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں مجھے رزق عطا کر دے۔

آخر میں ایک بہت بڑے تابعی عامر بن عبد اللہ تمیمی رحمۃ اللہ علیہ کی مانگی ہوئی ایک دعا بھی سن لیجیے وہ کن الفاظ کے ساتھ اَلْقَوِیُّ اور اَلْمَتِیْنُ سے دعا مانگتے تھے۔

اِلٰهِیْ لَقَدْ خَلَقْتَنِیْ بِاَمْرِكَ وَاَقَمْتَنِیْ فِیْ بَلَایَا هٰذِهِ الدُّنْیَا بِمَشِیْئَتِكَ ثُمَّ قُلْتَ لِیْ اِسْتَمْسِكْ فَكَیْفَ اَسْتَمْسِكُ اِنْ لَّمْ تُمْسِكْنِیْ بِلُطْفِكَ یَا قَوِیُّ یَا مَتِیْنُ

(تابعین کے واقعات)

اے اللہ! تو نے اپنی قدرت سے مجھے پیدا کیا اور اپنی مرضی سے دنیا کی مصیبتوں میں رکھا اور پھر حکم دیا کہ میری مرضی پر جمے رہو، اے قوی و متین ذات میں تیرے فضل و کرم کے بغیر کیسے تیری مرضی پر جم سکتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

میں اس نعمت کا شکر کس طرح ادا نہ کروں، کہ لوگوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے کی مجھ میں طاقت ہی نہیں ہے۔

ناشکری کا انجام سورت سبا میں اللہ رب العزت نے قومِ سبا کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر نعمتوں کی بارش برسائی۔۔۔ مال و دولت وافر حساب سے عطا کیا۔۔۔ باغات اور پھلوں کی فراوانی تھی۔۔۔ دور دراز کے سفر پُرامن تھے۔۔۔ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم تھے۔۔۔ یہ سب نعمتیں عطا کر کے انہیں حکم ہوا:

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ (سبا:15)

اپنے رب کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یعنی ہماری ہی عبادت کرو اور ہماری اطاعت کرو)

پھر قومِ سبا نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا، نافرمانی اور ناشکری پر کمربستہ ہو گئے تو اللہ نے اسی ڈیم کو توڑ ڈالا جو ان کے باغات، درختوں اور مال مویشی کو بہا کر لے گیا۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا:17)

ہم نے ان کی ناشکری کا انہیں یہ بدلہ دیا اور ہم ناشکروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

آخر میں فرمایا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (سبا:19)

ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرتیں ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامعین گرامی قدر! بیان کے آخر میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی بھی سن لیجیے۔ آپ نے اپنے ایک صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا لازماً پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (ابوداؤد:1/213)

اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کرنے میں، اپنے شکر کرنے میں اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر وہی بندہ کرے گا جو والدین کا شکر مانے۔۔۔ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان:14)۔۔۔ میرا بھی شکر ادا کر اور ماں باپ کا بھی شکر ادا کر۔

حدیث میں آتا ہے:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ (ترمذی:217)

جس نے لوگوں کا احسان نہیں مانا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

ایک اللہ والے کی بات پر گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔۔۔ آج ہمارے دانت طرح طرح کے کھانے کھاتے کھاتے گھس گئے ہیں مگر زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْحَفِيْظُ، اَلْحَافِظُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الشوریٰ:6)

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اللہ ان پر نگہبان ہے اور آپ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک بڑے پیارے اور حسین نام اَلْحَفِيْظُ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نونیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْحَفِيْظُ کا معنی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَهُوَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمُ وَهُوَ الْكَفِيْلُ بِحِفْظِهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ عَانِ

(النونیہ:2/228)

اللہ اپنی تمام مخلوق پر حفیظ ہیں (بایں طور کہ ساری مخلوق اور مخلوق کی ایک ایک شئی اس کی حفاظت، نگرانی اور نگہبانی میں ہے) اور ہر ناگہانی مصیبت و آفت سے جو پیش آ گئی

ہے یا جس کے پہنچنے کا اندیشہ ہو وہی ان کی حفاظت کرتا ہے۔

اَلْحَفِیْظُ وہ ہے جو انڈوں کے اندر پلنے والے بچوں کی اور ماؤں کے رحم میں پرورش پانے والے نطفوں کی ایسے حیران کن انداز سے حفاظت کرتا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

انڈے اور رحم کے اندر بچہ کتنی آسائش و آرام سے اور کتنی حفاظت کے ساتھ دن گزارتا ہے کہ وہی قرارگاہ اسے ایک وسیع اور آرام دہ دنیا محسوس ہوتی ہے۔۔۔ یہ سب کچھ کتنے اہتمام سے ہوتا ہے۔ پھر کتنی حفاظت سے اَلْحَفِیْظُ اسے ماں کے پیٹ سے باہر کی دنیا میں لاتا ہے تو اس کے ماں باپ اور شمس و قمر اس کی حفاظت میں مگن ہو جاتے ہیں۔۔۔ اس کے آرام و آسائش کا کیسے خیال رکھتے ہیں۔۔۔ اگر وہ اَلْحَفِیْظُ ذرا سے قطرے کی یوں اہتمام سے حفاظت نہ کرتا تو وہ تین اندھیروں میں کیسے نشوونما پاتا۔

اسی طرح آپ نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک تخم اور بیج ایک کونپل اور انگوری اور ایک نرم و نازک پتے کی صورت میں سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل آتا ہے۔۔۔ زمین کے اندھیروں میں اَلْحَفِیْظُ ہی تھا جس نے اس کی حفاظت بھی کی اور اسے خرابی سے بچایا۔۔۔ پھر اس کمزور اور ناتواں کو اتنی قوت و طاقت اور صلاحیت بخش دی کہ وہ سخت زمین کے سینے کو چیر کر فضاؤں میں نمودار ہوا۔۔۔ پھر اس کمزور کونپل کی آفتاب و ماہتاب کے ذریعہ حفاظت و پرورش ہوتی رہی اور ایک دن تنا آور درخت کی صورت اختیار کر گیا، وہ پھلتا اور پھولتا رہا اور بلندی سے باتیں کرنے لگا۔

ذرا غور تو فرمائیے! سمندروں کی تہوں میں لاتعداد مخلوق بستی ہے اور اَلْحَفِیْظُ سب کی حفاظت انتہائی کاریگری سے کرتا رہتا ہے۔۔۔ خشخاش کے دانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹے انڈوں میں وہ کتنی کاریگری سے اور کتنے کمال کی حفاظت سے ماں باپ کے نطفوں کو محفوظ کر کے۔۔۔ رحموں میں ان کی نشوونما کر کے مختلف قسم کی صورتیں عطا کر

کے۔۔۔ دنیا میں لاتا ہے۔۔۔ پھراس کے کھانے پینے کے انتظام کر کے طاقتوراور زورآور مخلوق بنادیتا ہے۔

غرضیکہ اللہ رب العزت ہی الحفیظ ہے جو ہر چیز کا نگہبان اور ہر شئی کا نگران ہے۔۔۔ چاہے وہ زمین کے اوپر ہو یا زمین کے سینے میں ہو۔۔۔ چاہے وہ آسمان میں ہو۔۔۔ یا ماتحت الثریٰ میں ہو یا ثریا میں ہو۔۔۔ پتھر کے اندر ہو۔۔۔ یا پتھریلی زمین پر ہو۔۔۔ پہاڑوں کی غاروں میں ہو۔۔۔ یا سرنگوں میں۔۔۔ وہی سب کا محافظ اور نگران ہے۔

مومن ہو یا کافر۔۔۔ فرمانبردار ہو یا نافرمان۔۔۔ ہر ایک اسی کی نگہبانی میں ہے۔۔۔ ہر ایک کو ہلاکت دیتا ہے۔۔۔ اور بربادی سے محفوظ رکھنے والا۔۔۔ بندوں کے اعمال کی حفاظت کرنے والا صرف اور صرف الحفیظ ہی ہے۔

اسی حقیقت کو سیدنا ھود علیہ السلام نے بیان فرمایا اور اپنی قوم کو دعوت وتبلیغ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اتنے سمجھانے اور ڈرانے کے باوجود تم پھر بھی اعراض اور روگردانی کی روش اختیار کرو گے تو میں نے تو حق رسالت (دعوت وتبلیغ) ادا کر دیا ہے۔۔۔ تم نہیں مانو گے، تو اللہ رب العزت تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے۔ آخر میں سیدنا ھود علیہ السلام نے کہا:

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (ھود: 57)

یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ونگہبان ہے۔

یعنی وہ مجھے تمہاری سازشوں اور مکروفریب اور تدبیروں سے بھی محفوظ رکھے گا۔۔۔ جن معبودانِ باطلہ کی پکڑ سے تم مجھے ڈراتے رہتے ہو۔۔۔ ان بے بس اور عاجزوں میں کیا طاقت کہ کسی کا کچھ بگاڑ سکیں۔۔۔ میرا محافظ میرا رب ہے۔۔۔ اس کے علاوہ ہر ایک کی نیکی اور بدی اس کے ہاں محفوظ ہے۔۔۔ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق

جزا اور سزا دے گا۔

سورت الانبیاء میں سیدنا سلیمان علیہ السلام پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا۔۔۔ سرکش جنات کو ان کے تابع کر دیا جو سمندروں میں غوطہ خوری کر کے ہیرے اور جواہرات نکال لاتے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ان سے لیتے، مثلاً بڑی بڑی عمارات کی تعمیر اور نقش ونگاری، حوض کے برابر تانبے کی پراتیں اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں، جنات ہی انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔ آخر میں ارشاد ہوا:

وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ (الانبیاء:82)

اور ہم ہی ان (جنات) کی نگہبانی کرنے والے تھے۔

یعنی ہم ہی ان جنات کی حفاظت کرنے والے اور نگران تھے تاکہ وہ کام سے بھاگ نہ جائیں۔۔۔ یا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے احکام کو ماننے سے انکار کی ہمت نہ کریں۔۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ حقیقی محافظ اور نگران ونگہبان وہی ہے جس کا نام اَلْحَفِيْظُ ہے۔

سورت صافات میں آسمان دنیا پر ستاروں کا جگمگانا زینت کے طور پر ہے اور اس کے علاوہ دوسرا مقصد سرکش جنات سے حفاظت بھی ہے تاکہ کوئی شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جائے تو ستاروں کے ذریعے اسے وہاں سے بھگا دیا جائے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ (6 وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ (صافات:6.7)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت بخشی اور ہر شریر شیطان سے اس کی حفاظت کی۔

سورت سبا میں قوم سبا کی ناشکری اور نافرمانی کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا کہ وہ

شیطان کی سوچ اور شیطان کے فرمان کے تابع ہوئے، پھر اگلی آیت میں بیان فرمایا کہ شیطان کا ان پر کوئی زور اور دباؤ تو نہیں تھا کہ وہ اس کے پیچھے چلنے پر اور اس کے فرمانبردار بننے پر مجبور ہو گئے ہوں؟ اس کے ہاتھ میں کوئی لاٹھی تو نہیں تھی کہ وہ ان کو زبردستی حق کے راستے سے روک دیتا ہاں وہ بہلا، پھسلا سکتا ہے اور اتنی طاقت بھی اسے صرف اس لیے دی گئی۔

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ (سبا:21)

تاکہ ہم معلوم کر لیں (یعنی ممتاز طور پر ظاہر کر دیں) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو اس میں شک کر رہے ہیں (ورنہ تو) تیرا رب ہر چیز پر نگہبان اور محافظ ہے۔

قرآن کی حفاظت سابقہ آسمانی کتب کی حفاظت کی ذمہ داری علمائے امت پر ڈالی گئی مگر قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے خود اٹھائی۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9)

قرآن کو اتارنے والے بھی ہم ہیں اور ہم آپ ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔

پھر غور فرمایئے کہ اللہ اَلْحَفِیْظُ نے کتنے خوبصورت انداز میں اور حسین طریقے سے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی۔۔۔ اسے صرف کاغذوں میں محفوظ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے سینوں کو قرآن کے سفینے بنا دیا۔ چھ، سات سال کا معصوم بچہ جو اپنی مادری زبان میں تسلسل کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتا وہ قرآن کو ایسے پڑھنے لگتا ہے جیسے زمین سے چشمہ پھوٹ پڑا ہو۔

امام الانبیاء ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں پر کیسے کیسے دور اور کیسے کیسے

حالات گذرے ہیں، فتنوں کے سیاہ بادل ان پر چھائے رہے۔۔۔ نفس پرست لوگوں نے دین کا حلیہ بگاڑنے کی بھرپور سعی کی۔۔۔ اہل بدعت نے دین کے مقدس نام پر بدعات کو رواج دیا۔۔۔ سنت وسیرت کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنے کی مذموم کوششیں ہوئیں۔۔۔ لاتعداد احادیث وضع کی گئیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی جانب جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں۔۔۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص بھی قرآن کریم کے ایک حرف کو اور زبر وزیر کو تبدیل نہ کر سکا۔۔۔ وہ آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح پہلے دن جبریل امین لے کر اترا تھا۔۔۔ قرآن کریم میں تحریف، تغیّر وتبدّل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس ذات نے اپنے ذمہ لی ہے جس کی صفت اَلْحَفِیْظُ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرعون نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے گھر جنم لینے والا ہر نومولود قتل کر دیا جائے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ محترمہ پریشان ہو گئیں۔۔۔ اللہ رب العزت نے الہام کے ذریعہ یا خواب کے ذریعہ یا کسی ذریعہ سے انہیں سمجھایا کہ اسے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔۔۔ موسیٰ کی جدائی کا یا دریا کی لہروں کا خوف نہیں کرنا، ہم بہت جلد اسے تیری آغوشِ شفقت میں پہنچا دیں گے۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ پر جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا، انہوں نے پالنے کی غرض سے اٹھا لیا۔۔۔ یوں اَلْحَفِیْظُ نے دشمن کے گھر میں موسیٰ کی پرورش کروا کے اس کی حفاظت فرمائی۔

پھر ایک موقع پر فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت مدین پہنچایا اور سیدنا شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچا دیا۔

اَلْحَفِیْظُ وہی ہے جس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جلتی ہوئی آگ میں حفاظت فرمائی۔۔۔ ساری قوم اور اربابِ اقتدار جو بڑی تیاریوں کے ساتھ آئے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ابراہیم چند لمحوں میں راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔ اَلْحَفِیْظُ نے آگ کو حکم دیا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء:69)

پھر سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور آگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر باغ وگلزار بن گئی۔

ہاں الحفیظ وہی ہے جس نے ہجرت کی رات مشرکین مکہ سے اپنے پیارے پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائی، جب انہوں نے ننگی تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا۔ یہ لوگ کس کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟ یہ کس کے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔؟ اس معصوم ہستی کہ جس نے ساری زندگی ظالم سے ظالم ترین شخص پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔۔۔ جس نے انسانی خون کا احترام سکھایا۔

پھر جبرئیل اترے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ باہر تشریف لے جائیے اور کاشانہ صدیق سے اپنے باوفا ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمسفر بنا کر مدینہ کی طرف ہجرت کیجیے۔ باہر نکلتے ہوئے سورت یٰسین کی ابتدائی آیات فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک تلاوت کر کے خاک کی مٹھی کفار کی جانب پھینک دیں۔۔۔ پھینکنا آپ کا کام ہوگا اور محاصرہ کیے ہوئے مشرکین کو اندھا کرنا میرا کام ہوگا۔

میرے پیارے! اب تک مشرکین بصیرت کے اعتبار سے فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ کا مصداق تھے۔۔۔ اب آپ مشت خاک پھینکیں گے تو کچھ دیر کے لیے ہم ان کی بصارت پر بھی لَا يُبْصِرُونَ کا پردہ ڈال دیں گے۔

گھر سے نکلتے ہوئے الحفیظ نے اپنے نبی کی کیسے حفاظت فرمائی؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر جب غار میں پہنچے، مشرکین بھی تعاقب کرتے ہوئے۔۔۔ قدموں کے نشانات تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے تک جا پہنچے۔۔۔ کہ اپنے پاؤں کو دیکھیں تو غار میں چھپے ہوئے نبی وصدیق کو دیکھ لیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی دیکھ کر نبی اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دیتے

ہوئے فرمایا:

مَا ظَنُّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ بِاِثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا

ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہو؟

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40)

غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ رب العزت نے کتنے عجیب انداز میں نبی وصدیق کی حفاظت فرمائی کہ مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔۔۔ تعاقب کرنے والے کفار نے سوچا کہ اگر غار کے اندر کوئی داخل ہوا ہوتا تو مکڑی کا یہ جالا کیسے سلامت رہتا۔ سبحان اللہ! اَلْحَفِيْظُ نے اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ (گھروں میں سب سے کمزور گھر) کے ذریعہ کفار کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے اور اَلْحَفِيْظُ نے کمزور مخلوق اور اس کے بنائے ہوئے کمزور ترین گھر سے وہ کام لیا جو بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں کرسکتی۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مشکل کی اس گھڑی میں میرے محبوب پیغمبر ﷺ نے جب مجھے پکارا اور صدا لگائی تو میں نے اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔۔۔ وہ اپنے پیغمبر کی ایسے لشکروں کے ذریعہ مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

صاحب تفسیر مدارک کا خیال ہے:

هُمُ الْمَلَائِكَةُ صَرَفُوْا وُجُوْهَ الْكُفَّارِ وَاَبْصَارَهُمْ عَنْ اَنْ يَّرَوْهُ

اللہ نے غار کے منہ پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جنہوں نے غار کے دہانے پر پہنچنے والے مشرکین کی آنکھیں اور چہرے پھیر دیئے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کی جلد 7 صفحہ نمبر 187 میں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی کی جلد 10 صفحہ نمبر 88 میں یہی تحریر فرمایا ہے۔

نے فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم آپس میں بٹے ہوئے نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے سبب باہم جمع نہیں کیا؟

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ ضَلَالٌ فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلَمْ اٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ اَعْدَاءٌ فَاَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ قَالَ اَلَمْ اٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ مُتَفَرِّقُوْنَ فَجَمَعَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (کتاب التوحید)

(راوی کہتے ہیں اس نے) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! کیا میں آپ کے پاس نہیں آیا جبکہ آپ گمراہ تھے چنانچہ اللہ نے آپ کو ہدایت دی، انصار نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر فرمایا کیا میں تمہارے پاس نہیں آیا جبکہ تم دشمن تھے (ایک دوسرے کے) پس اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی پھر فرمایا کہ کیا میں تمہارے پاس نہیں آیا جبکہ تم الگ الگ تھے پس اللہ نے آپ سب کو جمع کر دیا، انصار نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

جلال اور عزت والا

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم الامین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
(الرحمن: 27-26)

سامعین گرامی قدر! خطبۂ جمعۃ المبارک کا آج کا موضوع اللہ رب العزت کے ایک معروف اور حسین نام ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کا معنی و مفہوم بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ذُو الْجَلَالِ میں جلال کا لفظ جلیل کا مصدر ہے اور اکرام بھی مصدر ہے: أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کے معنی ہوں گے:

إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ مُسْتَحِقٌّ أَنْ يُجَلَّ وَيُكْرَمَ

اللہ رب العزت کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی بزرگی تسلیم کی جائے اور اس کی مکمل تعظیم کی جائے۔

کچھ علماء نے کہا ہے کہ اللہ رب العزت اس معنی میں اَلْاِکْرَام ہے

اِنَّهٗ یُکْرِمُ اَھْلَ وَلَایَتِهٖ وَیَرْفَعُ دَرَجَاتِهِمْ بِالتَّوْفِیْقِ لِطَاعَتِهٖ فِی الدُّنْیَا

کہ وہ فرمانبردار اور مطیع لوگوں کا اکرام کرتا ہے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی بنا پر دنیا میں ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی بادشاہی اور حکمرانی کی وجہ سے ڈر محسوس کیا جائے اور اس کے شایانِ شان الفاظ سے اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وہ ذات ہے جو تمام جلال وکمال کی سزاوار اور لائق ہے اور تمام کرامات (بزرگی اور مخلوق کے لیے عظمت وعزت) اسی کی مرہونِ منت ہے۔

جیسے اللہ رب العزت نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:70)

یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت واکرام سے نوازا۔

سورت الرحمن میں فرمایا:

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

روئے زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔

یعنی سب نے موت کا جام پینا ہے دوسری جگہ پر ارشاد ہوا:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)

ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔۔۔ ہر ایک پر آنی ہے۔۔۔ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (النساء:78)

چونے گچ محلات میں رہنے والے بھی ہوں موت سے مفر نہیں۔۔۔ کوئی نبی، ولی، پیر، فقیر، جن، فرشتے اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔۔۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ

(الزمر: 30) کے تحت امام الانبیاء ﷺ نے بھی موت کا جام پیا۔۔۔ پھر اور کون ہے جسے موت سے استثنیٰ حاصل ہو۔

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن: 27)

صرف تیرے رب کی ذات ہے جو بزرگی اور عظمت والی ہے باقی رہ جائے گی۔

سورت الرحمن میں اللہ رب العزت نے اپنے انعامات اور احسانات کا اور اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد سورت آخر میں فرمایا:

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن: 78)

بڑا بابرکت نام ہے تیرے رب کا جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا:

اللہ رب العزت اس بات کے اہل ہیں کہ اس کی بڑائی بیان کی جائے اور کسی معاملہ میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کی تعظیم وعزت اور تکریم ایسے کی جائے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور ہر حال میں شکر ادا کیا جائے اور کسی معاملہ میں اس کی ناشکری نہ کی جائے اور ہر حالت میں اسے یاد رکھا جائے اور کبھی اسے فراموش نہ کیا جائے۔

سامعین گرامی قدر! میں چاہتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے اسم گرامی ذُوالجلالِ والاکرامِ کا تذکرہ جن احادیث میں ہوا ہے۔۔۔ انہیں آپ کے سامنے بیان کردوں۔

دعا بعد الصلوٰۃ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ نُمَيْرٍ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (مسلم)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو اس قدر بیٹھتے فرماتے: یا اللہ! آپ سب عیبوں سے پاک ہیں اور آپ

ہی تمام عالم کی سلامتی ہیں اور اے بزرگی اور عظمت والے اور بڑی برکت والے۔ اور ابن نمیر کی روایت میں یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. قَالَ الْوَلِيْدُ فَقُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ كَيْفَ الْاِسْتِغْفَارُ؟ قَالَ يَقُوْلُ اَسْتَغْفِرُ اللهَ اَسْتَغْفِرُ اللهَ (مسلم)

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کرتے اور فرماتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ولید نے کہا میں نے اوزاعی سے پوچھا استغفار کس طرح کرتے تھے؟ کہا: استغفر اللہ کہتے یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اسم اعظم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ جَالِسًا وَرَجُلٌ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَلَمَّا رَكَعَ وَسَجَدَ وَتَشَهَّدَ دَعَا فَقَالَ فِيْ دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِاَصْحَابِهٖ اَتَدْرُوْنَ بِمَا دَعَا، قَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ دَعَا اللهَ بِاسْمِهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى (نسائی)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور یہ دعا کر رہا تھا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ (یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ بیشک آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ ہی احسان کرنے والے، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے

والے اور عظمت و کرم والے ہیں، اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ اس نے کن الفاظ سے دعا کی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم (کے وسیلے) سے دعا کی ہے جب اس کے ذریعے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتے ہیں اور جب اس کے ذریعے مانگا جائے تو وہ عطا کرتے ہیں۔

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ سَمِعَ النَّبِیُّ ﷺ رَجُلًا یَدْعُوا یَقُوْلُ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ فَقَالَ ﷺ قَدْ اُسْتُجِیْبَ لَکَ فَسَلْ (ترمذی)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا: تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے لہٰذا سوال کرو۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کے واسطے سے دعا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَلِظُّوْا بِیَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (ترمذی)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کو لازم پکڑو۔ (یعنی اس کا ورد کیا کرو)

وما علینا الا البلاغ المبین

علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی کی مدلل، پُر مغز اور معلوماتی تقاریر کا مجموعہ

۸ جلدوں میں

پہلی جلد آیۃ الکرسی کی تفسیر پر مشتمل ۲۵ تقاریر میں توحید الٰہی کے تقریباً تمام پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے

دوسری جلد امام الانبیاء ﷺ کی سیرت و عظمت کو قرآن و حدیث کے دلائل سے ۱۶ تقاریر میں بیان کیا گیا ہے

تیسری جلد: سیرت انبیاء کرام از سیدنا آدم تا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عنوان پر ۱۶ تقاریر

چوتھی جلد سیرتِ انبیاء کرام کے سلسلہ میں از سیدنا شعیب علیہ السلام تا امام الانبیاء ﷺ ۱۸ تقاریر کا مجموعہ

پانچویں جلد نماز میں پڑھے ہوئے کلمات کا ترجمہ و تفسیر اور مختلف فیہ مسائل میں مسلکِ احناف کی ترجیح کے موضوع پر ۱۶ تقاریر کا مجموعہ

چھٹی جلد سیرت و عظمتِ امیر معاویہؓ و عظمت و شہادت سیدنا حسینؓ اور واقعہ کربلا کے عنوان سے ۱۲ تقاریر کا مجموعہ

ساتویں جلد صحابہ کرامؓ قرآن کے آئینے میں
عظمتِ اصحابِ رسول کے عنوان پر انتہائی مدلل، معلوماتی اور اچھوتے انداز میں ایک لاجواب اور بے مثال شاہکار جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عوام الناس یکساں مستفید ہوں گے۔

آٹھویں جلد اللہ رب العزت کے ستر حسین اور دلنشین ناموں کی تفسیر و تشریح پر مشتمل چالیس خطبات کا مجموعہ

شعبہ نشر و اشاعت
جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ
سرگودھا پاکستان